امن وسلامتی کے بنیادی تقاضے اور قیام کی تدابیر

The Fundamental Principles and Measures for Peace and Serenity

ڈاکٹر نور حیات خان*

ABSTRACT

The biggest challenge of 21st century for the humanity is to make this world a peaceful abode. The human beings are threatened by the dangerous weapons of mass destruction, invented by their own hands. On the other hand, the Islamic principles of peace are the excellent ones for the promotion of peace. The prophets (ﷺ) of Allāh Almighty always focus on the establishment of a pious and peace loving society. In this paper the author explores the measures taken by Islām for the promotion of peace, for example, Islām forbids abusing the false gods, just because it creates hatred; it does not allow to use force to coerce someone to change his or her faith; Islām teaches to do trade, share social norms, and cultural rites with other nations; it is imperative, to respect all religions; a true Muslim gives due regards to others honor, life and property, which is the key to a peaceful living; Islām stresses its followers to help each other for the noble deeds and the welfare of society.

The advancement in the science and technology has transformed the world into a global village. The mutual cooperation is far more necessary for the prosperity and welfare of the human beings, now. This dream is only possible through a worldwide peace program. This program is Islām. This paper explores such possibilities in Islām for the promotion of peace and harmony in the human society.

Keywords: *Religions; Society; Establishment; Sacrifice; Brotherhood; Honor; Cooperation*

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دور جدید کا انسان اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مہلک ترین ایٹمی ہتھیاروں کی تباہ کن جنگ کے لپیٹ میں ہے۔ تمام مذاہب کے پیروکار امن کے خواہاں ہیں۔ اسلام میں وہ شخص بہتر قرار دیا گیا ہے جو انسانوں کو نفع پہنچانے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لئے پیغمبروں کو بھیجا جن کی دعوت کا مقصد پاکیزہ اور پر امن معاشرہ کی تشکیل اور قیام تھا۔ اس لحاظ سے اسلام پوری انسانیت کا بہی خواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول کو تمام انسانیت کے لیے رحمت اور بھلائی کا داعی بنا کر بھیجا ہے، فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيۡكُمۡ جَمِيعًا﴾ (۱)

(اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں)۔

اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةٗ لِّلۡعَٰلَمِينَ﴾ (۲)

(اے نبی ﷺ! ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔)

باطل خداؤں پر عقیدہ رکھنے کے باوجود، اسلام نے ان کے باطل خداؤں کو بھی برے القاب اور گالی دینے سے باز رکھا ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسلام امنِ عالم کے لئے بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کو انتہائی اہمیت دیتا ہے، کیونکہ زور زبردستی کسی کے فکر و عقیدہ تبدیل کرنا ممکن نہیں اور ایسا کرنے سے امن وسلامتی تباہ ہو جاتی ہے۔

لہٰذا امن عالم کے لیے ضروری ہے کہ ہم دوسروں کے مذہب وعقیدہ اور راہنماؤں کی عزت واحترام کریں اور امن وسلامتی کو ہر قیمت پر قائم رکھیں جو اسلام کا حکم ہے:

﴿وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلۡمِ فَٱجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللَّهِۚ﴾ (۳)

(اور اے نبی، اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔)

مؤمن اور مسلم امن وسلامتی کا داعی ہوتا ہے جو دوسروں کو جان و مال، عزت وناموس اور ہر طرح کی امان فراہم کرتا ہے۔ اس اہم موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر مقالے کو مختلف مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے:

مبحث اول: امن کا معنی و مفہوم:

امن خوف کی ضد ہے اور اس کا مطلب ہے امن میں آجانا، مطمئن ہونا، امن کی جگہ پانا، جیسا کہ الفراہیدی لکھتا ہے: **الأَمنُ: ضدّ الخوف، والفعل منه: أمِنَ يأْمَنُ أَمْناً. والمأْمَنُ: مَوْضعُ الأَمن. والأَمَنَةُ من الأَمْن**[۴]۔ اس کا مادہ اَمَنَ(ا م ن) ہے، جو مذکورہ معنی کے علاوہ کئی ایک معنی میں مستعمل ہے۔ المعجم الوسیط میں ہے: **اَمِنَ الْبَلَدُ: اِطْمَاَنَّ فِيْهِ اَهْلُه**[۵] "ملک میں امن وامان ہو گیا اور اس کے باسی سلامتی پا کر مطمئن ہو گئے"۔ مفردات القرآن میں ہے: **"أصل الأمن: طمأنينة النفس وزوال الخوف"** "اصل میں امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے اور خوف نہ رہنے کے ہیں"[۶]

اس کا ایک معنی امان پانے کے ساتھ امن دینا بھی ہے، جیسا کہ رازی نے لکھا ہے: **"أ م ن: الْأَمَانُ وَ الْأَمَنَةُ بِمَعْنًى، وَقَدْ أَمِنَ وَأَمَانًا وَ أَمَنَةً فَهُوَ آمِنٌ وَ آمَنَهُ غَيْرُهُ مِنَ الْأَمْنِ وَ الْأَمَانِ "** [۷] " امان اور امنۃ کا ایک ہی معنی ہے یعنی امن پانا اور دوسروں کو امن دینا"۔

اللہ تعالی کی صفات میں سے ایک صفت **"المُؤمن "** بھی ہے۔ لغت کے ماہرین لکھتے ہیں: **"الْمُؤمن فِي صفة الله: الَّذِي آمن** الخَلْق من ظُلْمِه. **وَقيل: الْمُؤمن: الَّذِي آمن أولياءَه عذابَه"** [۸] "المومن اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ وہ اللہ جس کے ذات سے امن وابستہ ہے، مخلوق اس کے ظلم سے امن میں ہے اور وہ اپنے دوستوں کو اپنے عذاب سے بچائے گا"۔

آپ ﷺ اللہ کے خوف سے امن مانگا کرتے تھے: **«اللَّهُمَّ آمِن رَوْعَاتِي» الرَّوْعِ: الفَزَع**[۹]. "اے اللہ مجھے خوف وگھبراہٹ سے امن دے۔"

اسی طرح امن بمعنی اعتماد کے بھی آتا ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا: ﴿ مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ ﴾[۱۰] (اباجان، کیابات ہے کہ آپ یوسف کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے؟)

اسی طرح مستامن بھی امن سے نکلا ہے؛ جیسا کہتے ہیں: **"وَاسْتَأْمَنَ: إِلَيْهِ دَخَلَ فِي أَمَانِهِ"**[۱۱] "یعنی کسی سے امن طلب کرنا اور اس کے امان داخل ہونا"۔ لہذا جب ایک مسلمان کسی کو امان دیتا ہے اور پھر اسے دھوکہ دہی سے قتل کر دیتا ہے، تو آپ ﷺ نے اس سے بے زاری کا اظہار فرمایا ہے، اگرچہ مقتول آگ میں ہوں۔ **«من أمّن رجلا ثمَّ قَتله فَأَنا بَرِيءٌ مِنْهُ وَإِن كَانَ الْمَقْتُول فِي النَّار»** [۱۲]

مختصراً یہ کہ اسلامی تعلیمات سراسر امن وسلامتی پر مشتمل ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

«إنَّ هَذَا الْقُرْآن مأدَبة الله فَمن دخل فِيهِ فَهُوَ آمن» (۱۳)

"بے شک یہ قرآن اللہ کا دستر خوان ہے جو اس میں داخل ہوا وہ امن پا گیا"۔

انگریزی میں امن کے لئے لفظ "Peace" استعمال ہوتا ہے، جس کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لکھتا ہے:

"Freedom from war and hostilities a state or relation of concord and amity in international law. That condition of a nation not at war with another." (۱۴)

"یعنی جنگ اور جنگی کاروائیوں سے آزادی، بین الاقوامی تعلقات میں اتحاد اور دوستانہ روابط اور کسی قوم کی وہ حالت جس میں وہ کسی دوسری قوم سے حالت جنگ میں نہ ہو۔ "

آکسفورڈ ڈکشنری میں لکھا ہوا ہے:

"Freedom from cessation of war." (۱۵)

"یعنی عارضی جنگ بندیوں سے آزادی کا نام امن ہے۔"

جبکہ مزید وضاحت کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجئین رقمطراز ہے:

"۱) امن وسکون کی حالت جنگ یا بے جا دخل اندازی سے نجات۔ ۲) خوف، شدید بے چینی کی کیفیت، اخلاقی جنگ اور جنگی کاروائیوں سے نجات، باہمی اتحاد اور دوستی کی فضا۔" (۱۶)

مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں امن کا مفہوم کچھ یوں متعین کیا جاسکتا ہے:

"آسودگی قلب، داخلی اطمینان وسکون، ہیجانی کیفیت سے نجات، معاشرتی اعتبار سے باہمی تعاون واشتراک، سازگاری کی عمومی فضا، حقوق وفرائض کی متوازن ادائیگی اور معاشرتی حسن وخوبی اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔" (۱۷)

مبحث دوم: امن وسلامتی کی ضرورت واہمیت

سائنس وٹیکنالوجی کی بدولت دنیا عالمی قریے (Global village) میں تبدیل ہوگئی ہے۔ سو اگر علوم جدیدہ کے ذریعے ذہنوں اور رویوں کے اندر مثبت تبدیلی لاکر راہنمائی انسانیت کا فریضہ ادا کر

دیا جائے تو بعید نہیں کہ پیراوانِ مذاہب کے اندار پیار ومحبت، اور بھائی چارے کی فضا تخلیق کر دی جائے اور امنِ عالم یقینی بنانا آسان ہو جائے۔ اسلام نے نیکی و بھلائی میں تو ہر ایک کے ساتھ تعاون کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ ﴾ (۱۸)

(جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔)

اسی طرح کتاب مقدس کہتی ہے:

"آؤ! ان باتوں کی جستجو میں رہیں، جو امن اور باہمی ترقی کا باعث ہوتی ہیں" (۱۹)

اقوام عالم مشترکہ سیاسی مفادات رکھتے ہیں اور سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے بدولت دنیا کے فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں، ملل واقوام اور سلطنتوں کا باہم قریب ہونا ناگزیز اور ضروری ہو گیا ہے، کیونکہ کوئی بھی ملک تنہا، اپنی ضرورت کو پوری کرنے کا متحمل نہیں ہے اور کاروباری، تجارتی اور صنعتی ضروریات کو پوری کرنے کیلئے اشتراک وتعاون کی ضرورت ہے جو امنِ عالم کے بغیر ممکن نظر نہیں آتا۔

اس سلسلے میں اسلام دوسروں کا اشتراک وتعاون چاہتا ہے اور یہی اختلاط، معاشرت اور تعاون وتفاہم انسانیت کی شرف ومجد بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اسلام میں اہل کتاب کا ذبیحہ حلال کیا گیا ہے بلکہ ان کی عورتوں سے نکاح بھی مباح قرار دیا گیا ہے۔ اور پیراوانِ مذاہب کے لین دین اور تجارت ومعاشرت اور تہذیبی سلوک وتعامل کا قائل ہے، جیسے ان کی بیمار پرسی، دعوتوں کو قبول کرنا، ان کی عبادت گاہوں کا احترام، مذہبی شخصیات کی توقیر، ان سے ہدایا وتحائف کا تبادلہ اور پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی، ان کی زبانوں کا سیکھنا انہی تہذیبی ضرورتوں کے پیش نظر جائز ومباح اور مستحسن ہے، ہنر مند افراد کا تبادلہ انہی معاشرتی ضرورتوں کا حصہ ہے، آفات وحوادث میں باہم مدد کرنا اور تعاون کا ہاتھ بڑھانا اسی تہذیبی ضرورت کے لوازمات میں سے ہیں۔ پیغمبر اسلام امن وسلامتی کے منارئہ نور نے خود اس کی تعلیم وترغیب دی ہے۔ اور یہی موجودہ دور کی اہم ضرورت ہے۔

مبحث سوم: امن کا دائرہ کار

اسلامی شریعت میں امن اور سلامتی؛ یہ دو اصطلاحیں' ایمان اور اسلام سے ماخوذ ہیں۔ ایک کا مادّہ اَمَنَ ہے اور دوسرے کا سَلِمَ ہے اور ان دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں، یعنی امن و سلامتی۔ اسی طرح مسلمانوں کے تعارف کے لیے بھی دو لفظ استعمال کیے جاتے ہیں 'مسلم' اور 'مومن'۔

قدیم عبرانیوں کے نزدیک امن نہ صرف جنگ کے خاتمے کا نام ہے، بلکہ فلاح و بہبود بھی اس میں شامل ہے اور اسرائیلیوں کے نزدیک امن ایک معاشرتی تصور تھا جو کہ نظر آتا تھا۔ اس سے خاندانوں اور قوموں کے درمیان وسیع تعلقات قائم ہوتے ہیں۔

عیسائیت (کلیسا) کی تاریخ میں اگر امن ایک طرف روحانی سکون کا نام ہے تو دوسری طرف معاشرتی سیاسی ہم آہنگی اور عدل کے قیام کا بھی ذریعہ تھا۔ اس سے انصاف کی جنگ کا تصور نکلا، امن کا عام مفہوم انفرادی اور اجتماعی بھلائی کا نام ہے اور سامی ادیان میں اسلام کا تصور امن و سلامتی بہت زیادہ ممتاز، جامع اور تفصیلی ہے [۲۰]۔

اسلام سے پہلے حالات ایسے خراب اور دگرگوں تھے کہ کسی طرف بھی امن و سلامتی کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، اس افراتفری اور فساد کی کیفیت کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿ ظَهَرَ ٱلْفَسَادُ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِى ٱلنَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ ٱلَّذِى عَمِلُوا۟ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ [۲۱]

(خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا جو لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے، جو انہوں نے کیے تاکہ وہ رجوع کریں۔)

ایسے میں آپ ﷺ نے جو دعوت دی سراسر امن و سلامتی کی تھی اور جب بھی کسی کو دعوتی خط ارسال فرماتے تو اس میں ضرور یہ لکھا ہوتا تھا:

«اَسْلِمْ تَسْلَمْ» [۲۲] "اسلام قبول کرو تو امن و سلامتی کی زندگی بسر کرلوگے"۔

امن و سلامتی کے پیش نظر حضرت محمد ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد سب سے پہلے جو کام کیا وہ میثاق مدینہ تھا، جس سے ہر ممکن صورت ریاست کے داخلی حالات کو پر امن، اور پر سکون بنایا۔

﴿وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلۡمِ فَٱجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللَّهِۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ﴾[۲۳]

(اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاو اور اللہ پر بھروسہ کرو، کچھ شک نہیں کہ وہ سنتا اور جانتا ہے۔)

اس وقت حالات اتنے خراب تھے کہ دعوتِ امن میں بھی کھٹکا لگا رہتا، لیکن اسلام نے خطرات کے باوجود اس کی ترغیب دی، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَلَا تَهِنُواْ وَتَدۡعُوٓاْ إِلَى ٱلسَّلۡمِ وَأَنتُمُ ٱلۡأَعۡلَوۡنَ وَٱللَّهُ مَعَكُمۡ وَلَن يَتِرَكُمۡ أَعۡمَٰلَكُمۡ﴾[۲۴]

(ہمت نہ ہارو اور صلح کی طرف بلاو اور تم تو غالب ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہر گز تمہارے اعمال کو کم نہیں کرے گا۔)

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں :

"اسلام وہ دین ہے جو خدا کی حاکمیت کی بنیاد پر ایک پورا ضابطہ حیات پیش کرتا ہے اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے قبول کرے اور اس کی پیروی کرے کیونکہ خدا کے قانون کے آگے جھکنے اور اس کی اطاعت کرنے کا نام ہی اسلام ہے کہ خدا کی بندگی اور اطاعت کے نتیجے میں زندگی کا جو نقشہ ابھرے گا، وہ امن وسلامتی کی نعمتوں سے مالا مال ہو گا اور انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بعد بھی انسان کو اس کی ابدی زندگی کے بعد بھی سلامتی اور آشتی میسر آئے گی"[۲۵]۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے پورے کا پورا اسلام میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿ٱدۡخُلُواْ فِي ٱلسِّلۡمِ كَآفَّةٗ﴾[۲۶] (اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ)

امن وسلامتی، الہامی تعلیمات کی خصوصیت ہے:

بائبل لکھتی ہے:

"آؤ! ہم ان باتوں کی جستجو میں رہیں جو امن اور باہمی ترقی کا باعث ہوتی ہیں، صرف کسی شے کے کھانے کی خاطر خدا کا کلام مت بگاڑو۔ ہر چیز پاک تو ہے لیکن اگر تیرے کسی چیز

کے کھانے سے دوسرے کو ٹھوکر لگتی ہے تو اسے مت کھااور اگر تیرے گوشت کھانے، مے پینے یا کوئی ایسا کام کرنے سے تیرے بھائی کو ٹھوکر لگے تو ان سے پرہیز لازم ہے"[۲۷]۔

ترقی اس وقت ممکن ہے جب امن، سکون اور سلامتی ہو جس پر الہامی مذاہب کا اتفاق ہے۔

بائبل کا بیان ہے: "سچائی اور سلامتی کو عزیز رکھو"[۲۸]۔

قتل وغارت اور فساد برپا کرنے سے امن وامان اور سلامتی داؤ پر لگ جاتی ہے اور انسانی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے، جو کبیرہ گناہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِى ٱلْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا ٱلنَّاسَ﴾ [۲۹]

(اس (قتل) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا، بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں فساد کرنے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا۔)

بائبل میں فساد اور غارت گری سے نفرت ان الفاظ میں مذکور ہے:

"میں خداوند انصاف کو عزیز رکھتا ہوں اور غارتگری اور گناہ سے نفرت کرتا ہوں اسلئے میں انہیں سچائی کے ساتھ اجر دونگا اور ان کے ساتھ ایک ابدی عہد باندھوں گا"[۳۰]

معاشرہ کے امن وچین تباہ کرنے اور اور خوف وہراس پھیلانے والے عناصر کے لئے اسلام میں بہت سخت سزائیں مقرر ہیں۔

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [۳۱]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیے جائیں یا ان کی ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاوں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں ۔یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے"۔

ایسے ظالم جو امن وسلامتی کو داؤ پر لگانے والے ہو، کسی رحم کے مستحق نہیں۔

بائبل اس بارے میں رقمطراز ہے:

"خداوند فرماتا ہے کہ شریروں کے لیے سلامتی نہیں ہے"(۳۲)۔

مزید کہتی ہے:

"ان کے اعمال برے ہوتے ہیں اور وہ اپنے ہاتھوں سے ظلم ڈھاتے ہیں۔ان کے قدم بدی کی طرف دوڑتے ہیں اور وہ بے گناہ کا خون بہانے میں بڑی عجلت سے کام لیتے ہیں ،ان کے خیالات برے ہوتے ہیں اور ان کی راہیں تباہی اور بربادی کی طرف لے جاتی ہیں ۔سلامتی کی راہ وہ جانتے ہی نہیں ،نہ ہی ان کے سامنے انصاف کے راستے ہیں، انہوں نے اپنی راہیں ٹیڑھی کرلی ہیں۔اس لئے جو کوئی ان پر چلے گا وہ سلامتی کا منہ نہ دیکھ پائے گا"(۳۳)۔

انسانی خواہشات پر مبنی تہذیب واصول شیطانی تہذیب کو تقویت دیتا ہے جس کیلئے دار ورسن اور قید وبند کی ضرورت پڑتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج سب سے زیادہ قیدی امریکہ ہی میں ہیں(۳۴)۔

اسلام میں امن وسلامتی کی وسعت اور تدابیر:

اسلام میں امن وسلامتی کا دائرہ بہت وسیع ہے جو جان ومال، عزت وناموس، عقیدہ ومذہب اور عقل ونسل کی تحفظ وسلامتی کو اپنے دائرے میں شامل کرتا ہے۔جو انسان کی کل ضروریات اور قیام امن کی بہترین تدابیر ہیں۔

ا۔ جان ومال اور عزت وناموس کی امن وسلامتی: اسلام میں جو ذمہ داریاں انسان پر عائد کی گئی ہیں وہ دوسروں کا حق اور امانت ہے، جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تُؤَدُّواْ ٱلۡأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا ﴾ (۳۵)

(بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت اہل امانت کے سپرد کردو۔)

حرمتوں کی پاسداری کی تاکید نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ان الفاظ میں کی تھی:

«أَلَا إِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا» (۳۶)

"بیشک تمہارے خون، تمہاری جائیدادیں اور تمہاری عزت وآبرو، مکہ شہر، ذوالحجہ کے مہینے اور اس دن (عرفہ) کی طرح قابل احترام ہیں"۔

ایک مؤمن کی جان کو جو امان و اہمیت حاصل ہے، وہ اسلام میں ایک غیر مسلم شہری کو بھی حاصل ہے۔ ایک ذمی کے خون کا احترام اجاگر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدًا ، لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ))

« جس نے کسی معاہد (ذمی) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکے گا » (۳۷)

تحفظ جان کے ساتھ اسلام نے مال کو بھی تحفظ و سلامتی دی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓاْ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ ﴾ (۳۸)

(اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔)

اسلام نے قتل ناحق پر قصاص اور مال محرز کے چوری کرنے پر قطع ید مقرر فرمایا ہے۔ اور اسی طرح انسانوں کے جان ومال اور عزت وناموس کو سلامتی عطا کی ہیں، ایسا دین دہشت گردی ،فساد، افراتفری اور قتل وغارت گری کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟

۲۔ عقیدے کی امن وسلامتی: اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس کے دامن میں عقیدے کی سلامتی اور آزادی کا اصول ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ لَآ إِكْرَاهَ فِى ٱلدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشْدُ مِنَ ٱلْغَىِّ ۚ ﴾ (۳۹)

(دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے بیشک ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔)

﴿ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِىَ دِينِ ﴾ (۴۰)

(تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔)

اسلام میں عقیدہ و مذہب کی سلامتی کا جو تصور ملتا ہے وہ کسی اور دین میں ملنا مشکل ہے، مسلم دنیا کے محقق وسیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس سلسلے میں رقمطراز ہے:

"قرآن کریم میں ہمیں یہ اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کمیونٹی کو کامل داخلی خود مختاری دے دی جائے حتی کہ انہیں نہ صرف عقائد کی آزادی حاصل ہو بلکہ وہ اپنی عبادت اپنے مذہبی طریقے پر کر سکیں بلکہ اپنے ہی قانون، اپنے ہی ججوں کے ذریعے اپنے مقدمات کا فیصلہ بھی کروائیں، اس حوالے سے کامل داخلی خود مختاری کا قرآن کریم کی کئی آیات میں ذکر ہے، جن میں سے ایک آیت بہت ہی واضح ہے[۴۱]۔

﴿ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فِيهِۚ ﴾[۴۲]

(انجیل والوں کو چاہئے کہ اس کے مطابق احکام دیا کریں، جو اللہ نے انجیل میں نازل کی ہے)"۔

قیام امن کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ لوگوں کو عقیدے کی امن وسلامتی اور آزادی دے دی جائے۔

۳۔ عقل ونسل کی سلامتی: اسلام میں عقل کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے جو تدبیر اختیار کی گئی ہے وہ یہ کہ نہ صرف شراب کو بلکہ ہر قسم کی نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ ﴾[۴۳]

(پوچھتے ہیں آپ سے اے پیغمبر شراب اور جوئے کے بارے میں تو انہیں بتا دو کہ ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ بھی ہے۔)

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ ﴾[۴۴]

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو۔)

آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ»[۴۵]

ہر نشہ آور شے حرام ہے اور ہر نشہ آور چیز خمر ہے یعنی عقل پر پردہ ڈالنی والی ہے۔

اسی طرح نسل انسانی کی بقا حفاظتِ جان کا اہم ذریعہ ہے جس کے لئے اسلام میں نکاح کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّـٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴾ (۴۶)

(تم سے جو مرد عورت بے نکاح ہوں، ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی، اگر وہ مفلس بھی ہونگیں، تو اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل سے غنی بنادے گا۔ اللہ تعالیٰ کشادگی والا علم والا ہے۔)

﴿ وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ ٱلْمُحْصَنَـٰتِ ٱلْمُؤْمِنَـٰتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُكُم مِّن فَتَيَـٰتِكُمُ ٱلْمُؤْمِنَـٰتِ ۚ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَـٰنِكُمْ ۚ بَعْضُكُم مِّنۢ بَعْضٍ ۚ فَٱنكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَءَاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ مُحْصَنَـٰتٍ غَيْرَ مُسَـٰفِحَـٰتٍ وَلَا مُتَّخِذَٰتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَآ أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَـٰحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى ٱلْمُحْصَنَـٰتِ مِنَ ٱلْعَذَابِ ۚ ﴾ (۴۷)

(اور جو کوئی تم میں سے اس بات کی طاقت نہ رکھے کہ خاندانی مسلمان عورتیں نکاح میں لائے تو تمہاری ان لونڈیوں میں سے کسی سے نکاح کر لے جو تمہارے قبضے میں ہوں اور ایماندار بھی ہوں۔۔۔ پھر جب وہ قید نکاح میں آجائیں پھر اگر بے حیائی کا کام کریں تو ان پر آدھی سزا ہے جو خاندانی عورتوں پر مقرر کی گئی ہے۔)

آپ ﷺ نے نکاح کو سنت وعبادت قرار دیا:

«النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي وَتَزَوَّجُوا فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمْ الْأُمَمَ وَمَنْ كَانَ ذَا طَوْلٍ فَلْيَنْكِحْ »(۴۸)

"نکاح میری سنت ہے جو میری سنت پر عمل نہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور نکاح کیا کرو، اس لئے کہ تمہاری کثرت پر میں امتوں کے سامنے فخر کروں گا اور جس میں استطاعت ہو تو وہ نکاح کر لے"۔

مبحث چہارم: امن وسلامتی کے بنیادی تقاضے

امن وسلامتی جو ایک نعمتِ خداوندی ہے۔ اور موجودہ حالات کے تناظر میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، اس کے کئی ایک تقاضے ہیں؛ جن کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے اتنی کہ جتنا آج کھانا اور دوسری ضروریاتِ زندگی ضروری ہیں۔ اگر امن اسلامتی نہیں ہے تو باقی وسائل زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان بنیادی تقاضوں میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل کی سطور میں کیا جارہا ہے۔

سچائی وراست بازی: کسی بھی دور میں امن وامان اور سلامتی کو برباد کرنے کے اسباب میں ظلم اور ناانصافی کے اعمال سر فہرست ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف راست بازی اور عدل وانصاف سے خلق خدا نہ صرف دنیا میں سکون پاتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی باعث نجات وآرام ہے۔ بائبل کا بیان ہے:

"راستی پر چلنے والے سلامتی میں داخل ہوتے ہیں، اور موت کی حالت میں آرام پاتے ہیں"[۴۹]

جبکہ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿ قَالَ ٱللَّهُ هَٰذَا يَوۡمُ يَنفَعُ ٱلصَّٰدِقِينَ صِدۡقُهُمۡۚ ﴾[۵۰]

(فرمایا اللہ نے، یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ۔)

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلصِّدْقُ يُنْجِيْ» [۵۱] "سچائی باعث نجات ہے۔"

آج لوگوں کا آپس میں اعتماد سچائی کی فقدان اور جھوٹ ودھوکہ دہی کی وجہ سے ختم ہورہا ہے۔ یہ اعتماد خواہ افراد کے درمیان ہو یا اقوام کے درمیان، امن کے حوالے سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

احکاماتِ الٰہی کی اتباع: امن وسکون اور رزق کی فراوانی کو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوۡ أَنَّهُمۡ أَقَامُواْ ٱلتَّوۡرَىٰةَ وَٱلۡإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡهِم مِّن رَّبِّهِمۡ لَأَكَلُواْ مِن فَوۡقِهِمۡ وَمِن تَحۡتِ أَرۡجُلِهِمۡۚ ﴾[۵۲]

(اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انہیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی۔)

قریشِ مکہ کو اللہ نے ان الفاظ میں امن کا احساس یاد دلایا ہے:

﴿ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝٣ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ﴾ (۵۳)

(پس انہیں چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں، جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور ڈر (اور خوف) میں امن وامان دیا۔

بائبل (احبار) کا بیان ہے:

"پس تم میرے احکام پر عمل کرنا اور میرے قوانین کو پوری طرح ماننا تو تم اس ملک میں امن کے ساتھ بسے رہو گے، تب زمین اپنی پیداوار دیگی اور تم پیٹ بھر کر کھاؤ گے اور وہاں محفوظ بسے رہو گے۔" (۵۴)

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ راہنمائے انسانیت تھے، اور اس لحاظ سے آپ ﷺ پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے امن وسکون اور سلامتی وآشتی کا ماحول مہیا ہونا ازبس ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر امن وسلامتی کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، خواہ وہ موقعہ، حلف الفضول ہو یا میثاق مدینہ ہو یا صلح حدیبیہ۔

اجتماعی عدل وانصاف کا قیام: الہامی تعلیمات میں عدل وانصاف کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے معاشرے کا امن وسلامتی وابستہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ﴾ (۵۵)

(بے شک اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔)

اور سب سے بڑا عادل اللہ تعالیٰ خود ہے:

﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ (۵۶)

(ہم نے اپنے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل کر سکیں۔)

اور اہل ایمان کو بھی عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم ہے، خواہ کوئی جانی دشمن کیوں نہ ہو:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُواْۚ ٱعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾ (۵۷)

(اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ عدل چھوڑ دو، عدل کیا کرو کہ یہ تقویٰ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے۔)

یہاں تک کہ اسلام میں باپ کا بدلہ بیٹے سے لینے کی بھی گنجائش نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلَا لَایُجْنیٰ وَالِد عَلیٰ وَلَدِہ » (۵۸) " خبر دار باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا۔"

عادل اور انصاف کرنے والے قاضی کے لئے آپ ﷺ نے عظیم الشان خوشخبری سنائی ہے:

«اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عَلیٰ مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ عَلیٰ یَمِیْنَیْنِ الرَّحْمٰنُ الَّذِیْنَ یَعْدِلُوْنَ فِیْ حُکْمِھِمْ وَاَھْلِیْھِمْ وَمَاوَلُّوْا» (۵۹)

(عدل وانصاف کرنے والے لوگ اللہ کے نزدیک دائیں جانب نور کے منبروں (مسندوں) پر بیٹھے ہوئے ہونگے (یہ ان کا اعزاز ہے) کہ وہ قضاء کے معاملات اور لوگوں کے درمیان انصاف کیا کرتے تھے۔)

بائبل عدل وانصاف اور مساوات کے حوالے سے رقمطراز ہے:

"خداوند تمہارے خدا کے تمہیں دیے ہوئے ہر شہر میں اپنے ہر قبیلے کے لئے قاضی اور حاکم مقرر کرلو جو سچائی سے لوگوں کا انصاف کریں۔ تم انصاف کا خون نہ کرنا اور غیر جانبدار رہنا، تم رشوت نہ لینا کیونکہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے اور راست بازوں کی باتوں کو توڑ مروڑ ڈالتی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ انصاف پر قائم رہنا تاکہ تم جیتے رہو"۔ (۶۰)

بائبل میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

"تم خدا کا کلام سنو! خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی کے کام کرو، مظلوم کو اس پر ظلم کرنے والے کے ہاتھ سے چھڑاؤ، بیگانہ، یتیم اور بیوہ کے ساتھ برا سلوک نہ کرو۔" (۶۱)

قانونی مساوات کالحاظ: جب اسلام کی دعوت بلند کی گئی تو انسانیت لفظ مساوات سے ناآشنا ہو چکی تھی۔ ایسے حالات میں دین اسلام نے مساوات کا درس دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اسلام نے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا اور واضح کیا کہ عمل صالح کے سوا فضیلت وامتیاز کا کوئی اور معیار نہیں، عزت وشرف اگر ہے تو ان کے لیے جو زیادہ متقی اور پاکباز ہو۔

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾ (۶۲)

(بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو متقی ہے)

اسی طرح بنیادی انسانی ضروریات اور بنیادی حقوق مساوی ہیں۔ ان بنیادی انسانی حقوق کے بارے میں مساوات کا اعلان محمد مصطفیٰ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کیا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى أَبَلَّغْتُ))

"اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر، سوائے تقویٰ کے۔"(۶۳)

ڈاکٹر خالد علوی مرحوم لکھتے ہیں:

"یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس مساوات انسانی کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس سے مراد ہے معاشرتی اور سیاسی حقوق کی مساوات، بنیادی انسانیت کی مساوات اور یہ ایسی مساوات ہے جو خود ساختہ امتیازات کو یکسر مٹادے۔ ایسی مساوات نہیں جو غیر فطری اور ناممکن الحصول ہو۔ ایسی نہیں جس کے لیے انسانوں کی آزادی سلب کر لی جائے اور انہیں انسانیت سے نکال کر مشین یا حیوان بنادیا جائے۔ اسلام سماجی، شہری اور سیاسی مساوات کی ضمانت دیتا ہے۔" (۶۴)

قانون کی نظر میں سب برابر ہونے چاہئے، کسی کی طرفداری اچھی چیز نہیں بلکہ یہ الہامی تعلیمات کا خاصہ ہے۔ اس سلسلے میں بائبل کا بیان ہے:

"اور اس وقت میں نے تمہارے قاضیوں کو یہ تاکید کی تھی کہ تم اپنے بھائیوں کے مقدمے سنا کرو اور انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو خواہ وہ معاملہ کسی آدمی سے ،خواہ وہ اسرائیلی ہو یا کوئی پردیسی تعلق، انصاف کرتے وقت کسی کی طرفداری نہ کرنا۔"(٦٥)

اسلام نسلی منافرت کی مذمت کرتا ہے اورانسانی اخوت اور مساوات کی راہ دکھاتا ہے، لیکن مغربی تہذیب قدیم یونان اور روم سے لے کر اب تک طبقاتی کشمکش اور سماجی نفرت سے بھری ہوئی ہے۔ تاریخ انسان میں پہلی مرتبہ مساوات انسانی کا اتنا عظیم تصور عملی صورت میں ظاہر ہوا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ وَمَنْ اَخْصیٰ عَبْدَهُ اَخْصَيْنَاهُ» (٦٦)

"جو اپنے غلام کو قتل کرے گا اسے ہم قتل کریں گے،جو اس کی ناک تراشے گا اس کی ناک تراش لی جائیگی اور جو اس کو خصّی کرے گا، ہم اسے خصّی کریں گے"۔

شریعت اسلامی کی نظر میں سارے مساوی ہیں۔ اس اعلیٰ قانونی مساوات کا اندازہ خود نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّمَاهَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ اِنَّهُمْ کَانُوْايُقِيْمُوْنَ الْحَدَّ عَلَى الْوَضِيْعِ وَيَتْرُکُوْنَ الشَّرِيْفَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِه لَوْاَنَّ فَاطِمَةَ (بِنْتُ مُحَمَّدٍ) فَعَلَتْ ذٰلِکَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا » (٦٧)

"تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اسلئے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور برتر درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ (بنت محمد ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے بھی ہرگز دریغ نہ کرتا۔"

انبیاء کے حالات ہوں یا تعلیمات ان میں بہترین ہم آہنگی اور امتزاج پایا جاتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہوگا کہ تمام انبیاء بفرمان نبوی علاتی بھائی ہیں اور بھائیوں میں ہم آہنگی اور تقریب کے امکانات ونشانات روشن ہی رہتے ہیں۔

احترام انسانیت کی بحالی اور انسانی حقوق کی پاسداری: اسلام میں امن وامان، انسانیت کے احترام اور اس کے حقوق کی حفاظت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسے دین انسانیت بھی کہا جاتا ہے۔ حقوق العباد کے عنوان سے اسلام کا شرعی کلیہ بھی موجود ہے جس کا توسیعی مظہر امن وسلامتی، رحمت ورأفت اوراحترام انسانیت ہی سے ماخوذ ہوتا ہے اوراسی بنیاد پر اسے دین رحمت بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام کا منشور دہشت گردی، فساد فی الارض اور انسانی طبقات کی ایذا رسانی کی سراسر مخالفت کرتا ہے اور ایسا کرنے والوں کو مجرم اور شرعی حدود و تعزیرات کا سزاوار ٹھہراتا ہے لیکن پھر بھی اس مفروضے کا عام ہونا کہ اسلام دہشت گردی اور انتہاپسندی کا سبق دینے والا اور اس کی پذیرائی کرنے والا، متشدد اور سخت گیر مذہب ہے توانسانی دنیا کے لئے شرم سے ڈوب مرنا چاہئے (۶۸)۔

اسلام میں انسان کو شرف، فضیلت اور عظمت محض انسان ہونے کی بناء پر حاصل ہے۔ ایک بار طواف کے دوران خانہ کعبہ کو مخاطب کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما أطيبك وما أطيب ريحك ما أعظمك وما أعظم حرمتك والذي نفس محمد بيده لحرمة المؤمن عند الله أعظم من حرمتك ماله ودمه

"کتنا پاکیزہ ہے تو، اور کیسی خوشگوار ہے تیری فضا، کتنا عظیم ہے تو اور کتنا محترم ہے تیرا مقام، مگر اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے ایک مسلمان کے جان ومال اور خون کا احترام اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے "(۶۹)۔

کسی بھی انسان کو اس وقت تک زندہ رہنے کے جائز اور فطری حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا جب تک وہ خدائی قانون کے حترام ملحوظ خاطر رکھتا ہے، قرآن حکیم کا حکم ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ (۷۰)

"اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام (محترم) ٹھہرایا مگر حق کے ساتھ"۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ آیت اس شخص کے قتل کی ممانعت کررہی ہے جسے اللہ نے محفوظ کرر کھا ہے، خواہ وہ مومن ہو یا معاہد (ذمی)، سوائے اس حق شرعی کے جس کی رو سے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔"(۷۱)

فساد کی حقیقی روک تھام: اللہ فساد اور فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَبۡغِ ٱلۡفَسَادَ فِي ٱلۡأَرۡضِۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُفۡسِدِينَ ﴾ (۷۲)

"اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ کیونکہ اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا"۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی بڑی طاقتوں اور بطورِ خاص اسرائیل وامریکہ کے فوائد اسی میں مضمر ہیں کہ دنیا میں انتشار موجود رہے۔ کیونکہ اگر دنیا میں امن قائم ہو جائے گا تو ان کا کاروبار ماند پڑ جائے گا۔ اکثر ان بڑے بااثر ملکوں کی وجہ سے انسانی خون، احترام انسانیت، بنیادی انسانی حقوق کی پامالیاں ہو رہی ہیں۔ جو امن کے لئے چیلنجز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آج کی ڈرون پالیسی اسی کی واضح مثال ہے۔ اسی تناظر میں ملکی سطح پر بھی امن وسلامتی کی حقیقی کوششیں بروئے کار لانے چاہیئے، محض زبانی جمع خرچ سے امن کا قیام ممکن نہیں ہے۔ ریاستی قوانین کی بے لاگ نفاذ (Implementation) وقت کا تقاضا ہے۔

اسلامی سزائیں اور قیامِ امن: اسلامی سزائیں قیام امن کی ضامن ہیں، جبکہ خدا بیزار اور مادر پدر آزاد تہذیبوں کے دعویداروں نے اس کے خلاف واویلا مچا رکھا ہے اور انسانیت کی عزت و وقار اور امن وسکون تباہ کر رہے ہیں اور قدیم وجدید غلامی اور تمرد وسرکشی کی ساری حدوں کو پھلانگتے جا رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اسلامی سزائیں اور حدود انسانیت کو عفت، پاکدامنی، امن وسکون اور حقوق کی پاسداری وضمانت فراہم کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَكُمۡ فِي ٱلۡقِصَاصِ حَيَوٰةٞ يَٰٓأُوْلِي ٱلۡأَلۡبَٰبِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ﴾ (۷۳)

(قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے، اے اہل عقل! تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو)۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں:

"انسان جب تک حق کا احترام کرتا ہے اس کا خون واجب الاحترام رہتا ہے مگر جب وہ سرکشی اختیار کرکے "ناحق" پر دست دراز کرتا ہے تو اپنے خون کی قیمت خود کھو دیتا ہے، پھر اس کے خون کی قیمت اتنی بھی نہیں رہتی جتنی پانی کی ہوتی ہے"(۷۴)۔

آپ ﷺ نے حدود اللہ کی فوائد کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

«إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فِي بِلاَدِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ»(۷۵)

"اللہ کی حدوں میں سے ایک حد قائم کرنے کی برکت چالیس دن کی بارش سے بھی زیادہ ہے"۔

اس برکت کی وجہ بیان کرتے ہوئے سید مودودی رقمطراز ہیں:

"بارش کی برکت یہ ہے کہ اس سے زمین سیراب ہوتی ہے، فصلیں خوب تیار ہوتی ہیں، خوشحالی بڑھتی ہیں، مگر اقامت حدود کی برکت اس سے بڑھ کر ہے کہ اس سے فتنہ وفساد اور ظلم وبدامنی کی جڑ کٹتی ہے، خدا کی مخلوق کو امن وچین سے زندگی بسر کرنا نصیب ہوتا ہے اور دنیا کو زمین سے وہ طمانیت میسر آتی ہے جو تمدن کی جان اور ترقی کی روح ہے۔" (۷۶)

اسلام بے لاگ عدل وانصاف کے قیام کا حکم دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ« أَقِيمُوا حُدُودَ اللَّهِ فِي الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللَّهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ » (۷۷)

"آپ ﷺ نے فرمایا: حدود اللہ کو قریب اور بعید کے تمام لوگوں پر [بلا تفریق] یکساں قائم کرو اور اللہ کے اس حکم کے نفاذ میں کسی کے ملامت سے خوف نہ کھاؤ"۔

جہاد فی سبیل اللہ اور امن وسلامتی: جہاد اسلامی فساد نہیں۔ قتال وجہاد فی سبیل اللہ سے اس کا تعریف خود بخود واضح ہوتا ہے۔ یعنی وہ فی سبیل اللہ سرگرمی جس کی اجازت اللہ خود دے۔ خاص کر ایسے حالات میں کہ اہل کفر وشرک فتنہ وفساد بھرپا کر رہے ہوں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ كُلُّهُۥ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ ٱنتَهَوْا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِن تَوَلَّوْا۟ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ مَوْلَىٰكُمْ ۚ نِعْمَ ٱلْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ ٱلنَّصِيرُ ﴾ (۷۸)

(اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور دین سب خدا ہی کا ہو جائے۔ اور اگر باز آجائیں تو خدا ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلْوِلْدَٰنِ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ ٱلظَّالِمِ أَهْلُهَا وَٱجْعَل لَّنَا

مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَٱجۡعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ يُقَٰتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِۖ وَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يُقَٰتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱلطَّٰغُوتِ فَقَٰتِلُوٓاْ أَوۡلِيَآءَ ٱلشَّيۡطَٰنِۖ إِنَّ كَيۡدَ ٱلشَّيۡطَٰنِ كَانَ ضَعِيفًا ﴾ (۷۹)

(آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچّوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔ جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے، وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں، پس شیطان کے ساتھیوں سے لڑو اور یقین جانو کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں نہایت کمزور ہیں۔)

ایسے فتنوں، فساد، اور دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف لڑنے والوں کا اسلام میں بڑا رتبہ بتایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَٰهَدُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمۡوَٰلِهِمۡ وَأَنفُسِهِمۡ أَعۡظَمُ دَرَجَةً عِندَ ٱللَّهِۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَآئِزُونَ ﴾ (۸۰)

(اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا بڑا درجہ ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا وہی کامیاب ہیں۔)

حواشی وحوالہ جات

۱) سورۃ الاعراف:۱۵۸

۲) سورۃ الانبیاء:۱۰۷

۳) سورۃ الانفال:۶۱

۴) کتاب العین ۸/ ۳۸۸، الخلیل بن أحمد الفراھیدی، دار ومکتبۃ الھلال* المحکم والمحیط الأعظم ۱۰/ ۴۹۲، علی بن إسماعیل بن سیدہ المرسی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۰م، لسان العرب ۱۳/ ۲۱، المنجد ۱۸۸

۵) مجموعہ علماء: المعجم الوسیط، ص:۲۷، ج:۱۔ دار الدعوۃ: استانبول ترکیا۔ ۱۹۸۹

۶) راغب اصفہانی، الحسین بن محمد: مفردات القرآن، ص:۶۷، دار الکتاب العربی: بیروت

۷) محمد بن أبی بکر بن عبد القادر، مختار الصحاح ۱/ ۲۲، المکتبۃ العصریۃ-الدار النموذجیۃ، بیروت صیدا، ۱۹۹۹م۔* مجمل اللغۃ لابن فارس ۱/ ۱۰۲، أحمد بن فارس بن زکریاء القزوینی الرازی، أبو الحسین مؤسسۃ الرسالۃ-بیروت- ۱۹۸۶م

۸) الزبیدی، محمد مرتضی الحسینی: تاج العروس، ص:۱۴۷، ج:۱، دار الفکر: بیروت۔ ۱۹۹۴ النھایۃ فی غریب الحدیث ۱۵ / ۳۷۰، المحیط فی اللغۃ ۲/ ۴۷۶ إسماعیل بن عباد، أبو القاسم الطالقانی

۹) أبو عُبید القاسم بن سلاّم بن عبد اللہ الھروی البغدادی، مطبعۃ، النھایۃ فی غریب الحدیث والأثر، ص:۲۷۷ ج:۲، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد-الدکن، ۱۹۶۴م

۱۰) سورۃ یوسف:۱۱

۱۱) مختار الصحاح ۱/ ۲۲

۱۲) غریب الحدیث ۳/ ۳۰۲

۱۳) المجالس الوعظیۃ فی شرح أحادیث خیر البریۃ صلی اللہ علیہ وسلم من صحیح الإمام البخاری، شمس الدین محمد بن عمر بن أحمد السفیری الشافعی، حققہ وخرج، أحمد فتحی عبد الرحمن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت-لبنان، ۲۰۰۴م

۱۴) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا ۱۷/ ۴۱۲

۱۵) Oxford dictionary P:811

۱۶) The Encyclopedia of religion P:22, V

۱۷) حمید اللہ عبد القادر، ڈاکٹر، پیغمبر امن/ ۳۳۹، دار السلام لاہور، سن طبع ندارد

۱۸) سورۃ المائدہ:۲

۱۹) رومیوں،۱۴: ۱۹

۲۰) The encyclopedia of religion P:221,222, V:7،،پیغمبر امن/۳۴۴

۲۱) سورۃ الروم:۴۱

۲۲) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری, حدیث نمبر:۷، دارالفکر: بیروت، لبنان۔ ۲۰۰۰م

۲۳) سورۃ الانفال:۶۱

۲۴) سورۃ محمد:۳۵

۲۵) خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، ص:۴

۲۶) سورۃ البقرہ:۲۰۸

۲۷) بائبل (رومیوں):۱۴: ۱۹- ۲۱

۲۸) سورۃ زکریا:۱۹:۸

۲۹) سورۃ المائدہ:۳۲

۳۰) یسعیاہ:۸:۶۱

۳۱) سورۃ المائدہ:۳۳

۳۲) یسعیاہ:۴۸:۲۲،۵۷:۲۱

۳۳) یسعیاہ:۵۸:۶ - ۸

۳۴) دیکھئے:نوائے وقت لاہور 26.10.2005

۳۵) سورۃ النساء:۵۸

۳۶) بخاری، حدیث نمبر:۵۵۵۰،۱۷۴۱،۶۷

۳۷) بخاری، حدیث نمبر:۶۹۱۴

۳۸) سورۃ البقر:۱۸۸

۳۹) سورۃ البقرہ:۲۵۶

۴۰) سورۃ الکافرون:۶

۴۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۱۶۲، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۸ء

۴۲) سورۃ المائدہ:۴۷

۴۳) سورۃ البقرہ:۲۱۹

۴۴) سورۃ المائدہ:۹۱،۹۰

۴۵) أحمد بن شعیب، أبو عبد الرحمن، النسائی، سنن النسائی الکبری ۳/ ۱۷۰

۴۶) سورۃ النور:۳۲

۴۷) سورۃ النساء:۲۵

۴۸) ابن ماجہ، أبو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، ص:۴۳۹، ج:۵، کتب السنۃ، ط/ ۳: دار السلام، ۲۰۰۰ء

۴۹) یسعیاہ:۵۷: ۳

۵۰) سورۃ المائدہ:۱۱۹

۵۱) متقی الہندی، کنز العمال، الفصل الثانی فی تعدیل الاخلاق المحمودۃ، الجزء الثالث، ح/ ۴۲۹، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۱ء

۵۲) سورۃ المائدہ:۶۶

۵۳) سورۃ القریش:۴،۳

۵۴) احبار:۲۵: ۱۸- ۱۹

۵۵) سورۃ النحل:۹۰

۵۶) سورۃ الحدید :۲۵

۵۷) سورۃ المائدہ:۸

۵۸) علی بن عمر الدار قطنی، السنن، کتاب البیوع، ۳/ ۴۵، مکتبہ قدوسیہ لاہور

۵۹) نسائی، أحمد بن شعیب، السنن الکبری، حدیث نمبر:۵۳۸۱،، دار السلام الریاض، ۱۹۹۹ء

۶۰) بائبل؛ استثناء ۱۶ :۱۸-۲۰

۶۱) بائبل، یسعیاہ؛ ۲۲: ۲-۳

۶۲) سورۃ الحجرات:۱۳

۶۳) مسند احمد، ج:۵، ص:۱۴۴

۶۴) خالد علوی، ڈاکٹر، ثقافت کا اسلامی تصور، ص:۳۳-۳۴، دعوہ اکیڈمی فیصل مسجد اسلام آباد، ۲۰۰۵ء

۶۵) بائبل؛ استثناء؛ ۱ : ۱۶- ۱۷

۶۶) جامع ترمذی، حدیث نمبر:۱۴۱۴، ابوداود، حدیث نمبر:۴۵۱۵، ابن ماجہ، حدیث نمبر:۲۵۴۷

۶۷) مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، حدیث نمبر:۴۴۱۰، ۴۴۱۱، ترمذی حدیث نمبر:۱۴۳۰

۶۸) استاد انصاریانhttp://www.ahl-ul-bayt.org

۶۹) المسند الجامع المعلل، وخَرَجَهُ الترمذی حدیث نمبر:۲۰۳۲

۷۰) سورۃ الاسراء:۳۳

۷۱) قرطبی، محمد بن أحمد، الجامع لأحکام القرآن، دار عالم الکتب، الریاض، المملکۃ العربیہ السعودیہ، ۲۰۰۳م

۷۲) سورۃ القصص:۷۷

۷۳) سورۃ البقرہ:۱۷۹

۷۴) سید مودودی، الجہاد فی الاسلام، ص:۳۲

۷۵) أَخْرَجَهُ ابن ماجۃ، حدیث نمبر:۲۵۳۷

۷۶) سید مودودی، الجہاد فی الاسلام:۳۱

۷۷) ابن ماجہ: السنن ۷/ ۴۳۳، حدیث نمبر ۲۵۳۱

۷۸) سورۃ الانفال:۴۰،۳۹

۷۹) سورۃ النساء:۷۵،۷۶

۸۰) سورۃ التوبہ:۲۰

****

عہدِ رسالت سے قبل قیامِ امن کے اقدامات

The Steps of Peacekeeping before the Period of the Prophethood

ڈاکٹر ارم سلطانہ*

ABSTRACT

The teachings of all religions are based on peace but the Islamic principles of peace surpass others in their effectiveness. For the attainment of peace and harmony in this world, it is imperative to respect all the religions. The Prophet Muḥammad (ﷺ) was indeed a peacemaker and a mercy to all the mankind. The author of this paper feels that it is also very important to study the history of Prophet Muḥammad (ﷺ) prior to his prophethood, because, those were the years that shaped his (ﷺ) reputation and image as a peacemaker in the eyes of the people of Makkah. His early years of virtue soon followed by a lifetime of nobleness and greatness.

The incident of the placing the Black Stone, for example, is a confirmation to the said fact. It is one of the first examples in the life of the prophet (ﷺ) of mitigating conflicts and nurturing goodwill. The Holy Prophet (ﷺ) could have placed the stone by himself or asked anyone of the elders of his nation to do it, but being a peacemaker, he saw that, thatwas going to be a model to mitigate conflicts and nurture goodwill among the leaders of the tribes.

The Prophet Muḥammad (ﷺ) laid the milestone of the first, the just and the civilized human society. A commitment to peace was a way of his life. This is the quality that ought to become the cornerstone of the policy and the personality of a sound Muslim leader.

Keywords: *Peace; Milestone; Peacemaker; Brotherhood; Pious*

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اسلام ہی امن اور انسانیت پسند مذہب ہے۔یہ تمام انسانوں کے حقوق کی صحیح پاسداری کرتا ہے اور اس امن کی دعوت دیتا ہے جس سے مظلوموں اور ظلم وستم کے شکار معصوم لوگوں کو عدل وانصاف مل سکے، ایک پاکیزہ معاشرہ بن سکے، ایک ایسی فضا تیار ہو سکے جس میں انسانوں کے لیے جنت زار کی سرمستیاں ہوں، انسانی نسل کے ہر دائرے اور زمرے کے لوگوں میں ہم آہنگی، توازن اور آپسی معاونت کا نیک اورانسانی جذبہ پیدا ہو سکے اور ایک ایسی تہذیب کی داغ بیل ڈالی جاسکے جو بہر صورت انسانیت کی مسیحائی کا بہترین اور عمدہ نمونہ بن سکے۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو امن وسلامتی کا پیغمبر بنایا۔

در حقیقت نبی ﷺ کی تعلیمات کا بنیادی مقصد اور اساسی ہدف ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ہے جہاں انسان امن وسکون اور طمانیت کے ساتھ زندگی گذار سکیں اور سچ یہ ہے کہ اس طرح کے معاشرے کی بنیاد اسلام جیسا دین رحمت ہی ڈال سکتا ہے بس یہی ایک ایسا منفرد دین اور مذہب ہے جس میں وہ تمام تر خوبیاں اور مصالح موجود ہیں جو صحیح انسانی معاشرے کی تعمیر کے ترکیبی عناصر ہوتے ہیں۔

تاریخ انسانیت میں کوئی مذہب، دین اور فکری تحریک ایسی نہیں ملتی جو دین اسلام سے زیادہ شفیق، مہربان اور عدل پسند ہو، اسلام کے امن وسلامتی کا دین ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ باتفاق المسلمین حالت جنگ میں بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا جائز نہیں اور نہ ہی درخت کاٹنا جائز ہیں۔اس دین سے زیادہ امن وسلامتی کا علمبردار کون سا دین ہو سکتا ہے۔

جب ہم اسلام کے عظیم قانون امن وسلامتی کے متعلق بحث کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مذہب اسلام ہی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ انسانیت کو گھپ اندھیروں اور عقائد واخلاق اور افکار وعساکر کی چیرہ دستیوں سے چھٹکارا دلا سکتا ہے۔

اسلام امن کا دوسرا نام ہے مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہو گا سراپا سلامتی وامن ہو گا۔اسلام ہمیں امن اور انسانیت کا درس دیتا ہے، قرآن مجید میں ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل اور ایک انسان کی زندگی بچانا گویا پوری انسانیت کی زندگی بچانا ہے۔اسلام امن، محبت رواداری کا دین ہے۔الغرض اسلام میں امن وامان، انسانیت کے احترام اور اس کے حقوق کی حفاظت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اس کی تاریخ انسانیت کے احترام ان کے حقوق کی رعایت اور انسانی اقدار کی حفاظت سے

معمور ہے۔ لا اکراہ فی الدین کے تابندہ اصول کے تحت اسلام میں ہر مذہب کے پیروکاروں کو کامل داخلی خود مختاری دی گئی ہے اور انتہاپسندی کی مخالفت کی ہے۔

امن کا مفہوم:

امن کی عمومی تعریف میں کئی معنی شامل ہوتے ہیں۔ ان میں مجموعی طور پر امن کو تحفظ، بہتری، آزادی، دفاع اور فلاح کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ انفرادی طور پر امن سے مراد تشدد سے خالی ایک ایسی طرز زندگی کا تصور لیا جاتا ہے جس کی خصوصیات میں افراد کا ادب، انصاف اور عمدہ نیت مراد لی جاتی ہے۔ معاشرے میں انفرادی طور پر امن کی حالت ہر فرد پر یکساں لاگو ہوتی ہے، جبکہ مجموعی طور پر کسی بھی خطے کا پورا معاشرہ مراد لیا جاتا ہے۔

امن عربی زبان کا لفظ ہے اور اس سے ایسی حالت مراد ہے جس میں ہر انسان خوف اور خطرے سے محفوظ ہو۔ دوسرے لفظوں میں امن وہ حالت ہے جس میں نہ آپ خوف اور خطرے کا شکار ہوں اور نہ ہی دوسروں کو اس احساس میں مبتلا کر رہے ہوں۔ لہذا جب ہمیں کوئی نہ ڈرائے، ہمیں بے جا تکلیف میں مبتلا نہ کرے، ہماری چیزیں چھین کر نہ لے جائے، ہماری عزت نفس پر حملہ نہ کرے، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم پر امن زندگی گزار رہے ہیں۔

قرآن کریم میں "امن"، "خوف "اور "دہشت" کی ضد کے معنی میں آیاہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَءَامَنَهُم مِّنْ خَوْفٍۭ﴾ (۱)

(اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔)

یعنی امن خوف کی ضد ہے اور اس کا مطلب ہے امن میں آجانا، مطمئن ہونا، امن کی جگہ پانا، جیسا کہ الفراھیدی لکھتا ہے کہ:

"الأَمنُ: ضدّ الخوف، والفعل منه: أمِنَ يأْمَنُ أَمْناً." (۲)

(امن خوف کی ضد ہے۔ اس سے فعل امن یأمن امنا آتا ہے۔)

اس لیے قرآن کریم انبیاء علیہم السلام اور دیگر برگزیدہ ہستوں کی پہچان یہ بتاتا ہے کہ:

﴿أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (۳)

(سنو! جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔)

امام راغب اصفہانی امن کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"أصل الأَمْن: طمأنينة النفس وزوال الخوف"(۴)

"اصل میں امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے اور خوف کے زائل ہونے کے ہیں۔"

اس کا ایک معنی امان پانے کے ساتھ امن دینا بھی ہے جیسا کہ امام الرازي نے لکھا ہے:

"أمن: الْأَمَانُ وَالْأَمَنَةُ بِمَعْنًى، وَقَدْ أَمِنَ أَمَانًاوَأَمَنَةً فَهُوَ آمِنٌ وَآمَنَهُ غَيْرُهُ مِنَ الْأَمْنِ وَ الْأَمَانِ" (۵)

"امان اور امنۃ کا ایک ہی معنی ہے یعنی امن پانا اور دوسروں کو امن دینا۔"

ابن منظور لکھتے ہیں:

"الأَمْنُ ضدُّ الخوف"(۶)

"امن خوف کی ضد ہے۔"

انگریزی میں امن کے لیے لفظ Peace استعمال ہوتا ہے جس کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لکھتا ہے:

> "Freedom from war and hostilities a state or relation of concord and amity in international law. That condition of a nation not at war with another."(۷)

"جنگ اور جنگی کاروائیوں سے آزادی، بین الاقوامی تعلقات میں اتحاد اور دوستانہ روابط اور کسی قوم کی وہ حالت جس میں وہ کسی دوسری قوم سے حالت جنگ میں نہ ہو۔"

مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں امن کا مفہوم کچھ یوں متعین کیا جاسکتا ہے کہ امن دنیاوی زندگی کے تمام پہلوؤں میں چین و سکون، اطمینان، صلح و آشتی کو قائم رکھنا اور ہر برائی کی اصلاح کرنا ہے۔ دراصل امن، آسودگی قلب، داخلی و خارجی سکون، حقوق و فرائض کی ادائیگی، برداشت، مذہبی ہم آہنگی، رواداری، انسانی حقوق کی حفاظت کے ساتھ ساتھ عدل اجتماعی، مساوات کو قائم رکھنے کا نام ہے۔

امن کا تصور کسی بھی معاشرے میں تشدد کی غیر موجودگی یا پھر صحت مند، مثبت بین الاقوامی یا بین انسانی تعلقات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں معاشرے کے تمام افراد کو سماجی، معاشی، مساوات، اور سیاسی حقوق و تحفظ حاصل ہوتے ہیں۔

امن کی ضرورت و اہمیت:

امن عالم روئے زمین پر ہر جاندار کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس دنیا میں کون ایسا ہو گا جو امن اور سکون نہ چاہتا ہو۔ امن کا آرزو مند ہونا انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس لیے ہر وجود امن اور سلامتی چاہتا ہے۔ اپنے جسم و جان اور عزت و آبرو کی سلامتی سب کو عزیز ہے۔ کیونکہ امن و سلامتی معاشرے، اقوام اور ملکوں کی ترقی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ امن ہی شرفِ انسانیت کے لیے ضروری ہے، جس سے تارِ زندگی بندھا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام امن کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ ایمان، اسلام اور سلام مُلاقات کے الفاظ میں امن و سلامتی کا ہونا ہی سب سے پہلے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس مذہب کے خمیر میں ہی "امن و سلامتی" شامل ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کس شخص کا اسلام سب سے بہتر ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ)) (۸)

"جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک سچا مسلمان ہمیشہ تقویٰ کے مقام پر رہتا ہے۔ اپنے رب کے خوف سے پناہ مانگتا ہے اسی بنا پر نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے خوف سے امن مانگا کرتے تھے۔

((اللَّهُمَّ آمِن رَوْعَاتِي)) (۹)

"اے اللہ مجھے خوف و گھبراہٹ سے امن دے۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ لوگ زمین میں فتنہ و فساد برپا کریں۔ عالمی امن و سلامتی ہی اسلام کا بنیادی پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں نے پوری دنیا کو یہی درس دیا اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ نے پیغام امن و سلامتی کو سب سے زیادہ کامل طور پر بندوں تک پہنچایا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دنیا کے لوگوں کو اللہ کا یہ پیغام سنایا:

﴿وَٱلَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهۡدَ ٱللَّهِ مِنۢ بَعۡدِ مِيثَٰقِهِۦ وَيَقۡطَعُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ وَيُفۡسِدُونَ فِي ٱلۡأَرۡضِ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوٓءُ ٱلدَّارِ﴾ (۱۰)

(جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے اپنے وعدے کو (کہ وہ اس کو ایک مانیں گے اس کا کسی کو شریک نہیں بنائیں گے) توڑتے ہیں اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے ، انہیں کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے آخرت کا گھر بہت برا ہے۔)

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُصۡلِحُ عَمَلَ ٱلۡمُفۡسِدِينَ﴾ (۱۱)

(اللہ فسادیوں کے عمل کو درست نہیں فرماتا۔)

اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے اپنے رب کا یہ فرمان بھی سنایا کہ:

﴿وَلَا تَبۡغِ ٱلۡفَسَادَ فِي ٱلۡأَرۡضِۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُفۡسِدِينَ﴾ (۱۲)

(زمین میں فساد نہ چاہنا، یاد رکھو! اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا۔)

امن کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امن انبیاء علیہم السلام کی دعا ہے اور اللہتعالیٰ کے نزدیک اس قدر مقدس اور اہم ہے کہ خود خالق کائنات امن کے شہر کی قسم کھاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَهَٰذَا ٱلۡبَلَدِ ٱلۡأَمِينِ﴾ (۱۳)

(قسم ہے اس شہر (مکہ) کی جو امن والا ہے۔)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت "مھمین" بیان کی جاتی ہے جس کے معنی عموماً پناہ دینے والے کے لیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مخلوق کے معاملات پر نگران اور محافظ اور اسی طرح خوف سے امن دینے والے کے بھی ہیں۔ یہ نشانات ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کی خاطر دکھاتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ صفت مھیمن کے تحت خوف سے امن دیتا ہے اپنے بندوں کے معاملات پر نگران اور محافظ ہے اور جو اس کی طرف آئے وہ اسے پناہ دیتا ہے۔ پس ہمیں ہر وقت اس کی پناہ تلاش کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے صفات میں سے ایک صفت المُؤمن بھی ہے، لغت کے ماہرین نے لکھا ہے :

"الْمُؤمن فِي صفة الله الَّذِي آمن الخَلْق من ظُلْمِه وَقيل الْمُؤمن الَّذِي آمن أولياءَه عذابَه" (۱۴)

"المؤمن اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں ۔وہ اللہ جس کے ذات سے امن وابستہ ہے، مخلوق اس کے ظلم سے امن میں ہے اور وہ اپنے دوستوں کو اپنے عذاب سے بچائے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے والے سب سے پہلے انبیاء ہوتے ہیں اور اس سے فیض اٹھانے والے بھی سب سے پہلے انبیاء ہی ہوتے ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہر صفت غیر معمولی طور پر حرکت میں آتے ہوئے ان کی سچائی ظاہر کرتی ہے تاکہ دنیا کو پتہ لگ سکے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اعلانِ نبوّت سے قبل کے حالات:

آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل دنیا بدامنی اور فساد کا شکار تھی۔ آپ ﷺ جس وقت اس دنیا میں تشریف لائے تو دنیا میں معاشرتی، اخلاقی، سیاسی، معاشی فسادات عروج پر تھے۔ انتہائی ظلمت و گمراہی کا دور تھا جس میں تقریباً پورا عالم انسانیت مشرق سے لے کر مغرب تک اپنے خالق سے اپنا رشتہ یکسر توڑ چکا تھا۔ انسان رب اور روزہ جزا و سزا کو بھلا کر دنیا کے عام جانوروں کی طرح صرف پیٹ بھرنے اور چند روزہ راحت و سکون کو ہی اپنی معراج کمال سمجھ بیٹھا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسی صورتحال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَرَضُوا۟ بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَٱطْمَأَنُّوا۟ بِهَا ﴾ (۱۵)

(اور وہ دنیاوی زندگی پر راضی ہوگئے اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں۔)

الغرض نبی کریم ﷺ کی بعثت کا زمانہ ایسا تھا کہ انسان اپنی اصل حیثیت کو بھلا چکا تھا۔ ایسے وقت میں رب کائنات نے انسانیت کی اصلاح کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری اہل عالم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت اور احسان ہے۔

بچپن:

رسول اللہ ﷺ کا بچپن نہایت پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے۔ آپ ﷺ اپنی والدہ کی گود سے جب اتر کر پاؤں پاؤں چلنے لگے، یہ وہ عمر ہوتی ہے جب بچے طرح طرح کی شرارتیں اور ضدیں کرتے ہیں، مگر یہ بچہ تو اپنے ہم عمروں سے بالکل ہی الگ تھا۔ آپ ﷺ اپنے دادا کے لاڈلے پوتے تھے۔ لاڈ پیار

بچوں کو ضدی اور شرارتی بنا دیتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کبھی بے ہودہ کھیل کود اور تماشوں میں حصہ نہیں لیتے تھے اور میلوں ٹھیلوں سے دور رہتے تھے۔ آپ ﷺ کی کمسنی بھی ان عیبوں سے پاک تھی۔

بلوغت:

بچپن لڑکپن میں ڈھلا اور آپ ﷺ کے خوبصورت نئے پہلو لوگوں کے سامنے آنے لگے۔ اہل مکہ اس خوبصورت اور ذہین بچے کو دیکھتے اور حیرت کرتے کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں ذرا ذرا سی بات پر تلواریں نکل آتی ہیں اور ایک دوسرے کا خون پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے، اور جہاں طاقتور کمزور کو دبانا اپنا حق سمجھتا ہے، وہاں کمسن بچہ دوسروں کے کام آتا ہے، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتا اور روتے ہوؤں کے آنسو اپنے دامن سے پونچھتا دکھائی دیتا ہے۔

جوانی:

آپ ﷺ کی جوانی آپ ﷺ کے بچپن کی طرح نہایت پاکیزہ اور صاف ستھری تھی۔ جیسا کہ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ:

"محمد ﷺ يشب على مكارم الأخلاق فشب رسول الله ﷺ والله تعالى يكلؤه ويحفظه ويحوطه من أقذار الجاهلية لما يريد به من كرامته ورسالته حتى بلغ أن كان رجلا أفضل قومه مروءة وأحسنهم خلقا وأكرمهم حسبا وأحسنهم جوارا وأعظمهم حلما وأصدقهم حديثا وأعظمهم أمانة وأبعدهم من الفحش والأخلاق التي تدنس الرجال تنزها وتكرما حتى ما اسمه في قومه إلا الأمين لما جمع الله فيه من الأمور الصالحة" (١٦)

"رسول اللہ ﷺ جوان ہوئے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک شر و فساد سے آپ ﷺ کی حفاظت کرتا تھا اور جاہلیت کی ہر ایک ناپاکی سے آپ ﷺ کو پاک اور مطہر رکھتا تھا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ بالغ ہوئے تو نہایت بامروت، صاحب اخلاق، رحیم و کریم، راست گو، امین باحلم ہوئے اور فحش وغیرہ اخلاق ذمیہ سے دور تھے۔"

آپ ﷺ نے مکہ جیسے شہر میں جوانی کی پاک و پاکیزہ زندگی بسر کی اور کسی برائی میں ملوث نہیں ہوئے جب کہ ان دنوں مکہ شہر برائیوں کا مرکز تھا۔ **آپ ﷺ کی صداقت و امانت کے باعث مکہ**

کے لوگ آپ ﷺ کو اعلان نبوت سے قبل ہی صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ غریبوں اور بے کسوں کی مدد کرنا اور مشکل میں دوسروں کے کام آنا بچپن ہی سے آپ ﷺ کا شیوہ تھا۔ آپ ﷺ تمام لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آتے تھے، غریبوں کا بوجھ اٹھاتے اور مہمانوں کی خوب مہمان نوازی کرتے اور کبھی وعدہ خلافی نہ کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا وجود ان تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق طور پر لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنی عمدہ عقل اور روشن فطرت سے لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور وہ جن بیہودہ باتوں میں مشغول تھے ان سے بیزاری کا اظہار کیا۔ جب قوم میں برائیاں عام تھیں اس وقت بھی آپ ﷺ نے اپنے آپ کو ہر قسم کی برائیوں سے دور رکھا۔ آپ ﷺ نے پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان عملی زندگی کا وقت گزارا۔ جو کام اچھا ہوتا آپ ﷺ اس میں شرکت فرماتے اور ہر برے کام سے دور رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے نہ تو کبھی آستانوں کا ذبیحہ کھایا اور نہ ہی غیر اللہ کے لیے منعقد کئے گئے تہواروں میں شرکت کی۔ آپ ﷺ کو بچپن ہی سے خود ساختہ معبودوں سے نفرت تھی اور آپ ﷺ خود ساختہ معبودوں کی قسم کھانا کبھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

نبوت سے قبل آپ ﷺ کی زندگی کے تمام مراحل بچپن، بلوغت اور جوانی واضح طور پر پرامن شخصیت کا نمونہ تھے۔ جاہلیت کی آلودگی آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی سے کوسوں دور تھی۔ اس دور میں بھی آپ ﷺ صادق اور امین کہا کر پکارے جاتے تھے اور آپ ﷺ کی امانتداری سے ہر کوئی واقف تھا، یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں اگر بالفرض کسی کو سفر پر جانا ہوتا اور اس نے اپنی اہلیہ کو کسی کی حفظ و امان میں دینا ہوتا تو وہ اس کے لیے آپ ﷺ کا انتخاب کر سکتا تھا، کیونکہ اسے یقین ہوتا کہ آپ ﷺ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے۔ (۱۷)

مولانا الطاف حسین حالی' آپ ﷺ کی قبل از نبوت زندگی کا مطالعہ کر کے جس نتیجے پر پہنچے، اس میں بھی آپ ﷺ کی محبت، شفقت اور امن پسندی نمایاں ہیں۔

خطاکار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
فاسد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا (۱۸)

امن کے لیے اقدامات:

قیام امن کے لیے کئے گئے نبویا قدامات میں سے اہم اقدام مذہبی منافرت کا خاتمہ اور مذہبی رواداری کا فروغ تھا۔ کیونکہ ظہور اسلام کے وقت امن وامان کو ختم کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا۔ ظہور اسلام کے وقت روئے زمین کے جس جس حصے پر ذریت آدم متمکن تھی وہاں وہاں فساد اور انتشار اپنے عروج پر تھا۔ تمام معاشرتی ادارے شکست وریخت کا شکار ہو چکے تھے۔ خونریزی، اخلاقی تنز لی، اخلاقی معائب کی لپیٹ میں پورا معاشرہ آچکا تھا۔ معاشرے کی اسی حالت کی جانب قرآن مجید میں ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

﴿ ظَهَرَ ٱلْفَسَادُ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي ٱلنَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ ٱلَّذِي عَمِلُوا۟ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾[19]

(خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔)

معاشرے کو امن و سکون سے آراستہ کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ قیام امن کی طرف بھرپور توجہ دی۔ کیونکہ اگر معاشرہ میں امن وسکون ہو گا تو تبھی اس سے معاشرہ اعلیٰ اخلاقی محاسن سے مزین ہو گا اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔ اس سے فلاح و بہبود کے وہ سرچشمے پھوٹیں گے کہ جس سے ہر کس وناکس فیض یاب ہو گا۔

نبی کریم ﷺ نے امن کے لیے جو اقدامات کئے ان میں سے اہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

حرب فجار:

ملک عرب کی عام اخلاقی ذہنیت قبائلی عصبیت سے عبارت تھی، وہاں کے رہنے والے غلط یا صحیح ہر معاملہ میں اپنے قبیلہ و خاندان کی حمایت و نصرت اور اس کے لیے اپنی پوری قوت صرف کرنے کو اعلیٰ اخلاقی قدر سمجھتے تھے۔ ایسے ماحول میں سیرت نبوی کے قبل از بعثت مکی دور کا ایک اہم واقعہ حرب فجار ہے۔ یہ معرکہ عربوں کی روایتی عصبیت کا مظہر تھا، آنحضور ﷺ کو بھی خاندانی مروت اور صلہ رحمی کے جذبہ کی بنا پر اس جنگ میں شریک ہونا پڑا، سیرت نگاروں کی تصریح کے مطابق آپ ﷺ نے اپنے

چچاؤں کے اصرار پر اس جنگ میں حصہ لیا اور صرف اس قدر کہ آپ ﷺ نے اپنے چچاؤں کا محض دفاع کیا۔

حلف الفضول:

ملک عرب کی عام اخلاقی ذہنیت لوٹ مار، قتل وغارت گری اور قبائلی عصبیت سے عبارت تھی، وہاں کے رہنے والے غلط یا صحیح ہر معاملہ میں اپنے قبیلہ و خاندان کی حمایت و نصرت اور اس کے لیے اپنی پوری قوت صرف کرنے کو اعلیٰ اخلاقی قدر سمجھتے تھے۔ ایسے ماحول میں سیرت نبوی کے قبل از بعثت مکی دور کا ایک اہم واقعہ حلف الفضول کا قیام اور اس اتحاد میں آنحضرت ﷺ کی بنفس نفیس شرکت کا ہے، عام طور پر سیرت نگاروں نے اس مہتم بالشان اتحاد کا ذکر سرسری طور پر کیا ہے؛ حالاں کہ یہ معاہدہ ملک عرب بالخصوص مکہ مکرمہ کے اس دور کی روایتی معاشرتی زندگی میں انقلاب کا نقطۂ آغاز تھا۔

پیغمبر امن ﷺ عین عہد شباب میں ہیں تو امن وسکون کا پھریرا لہراتے ہیں۔ ظلم وستم کی چکی میں پسنے والے مظلوم و مقہور لوگوں کے لیے پہلا تاریخی منشور لانے میں محنت و کوشش کرتے ہیں۔ یہ پہلا تاریخی منشور "معاہدہ حلف الفضول" کے نام سے کتب حدیث اور کتب سیرت و تاریخ میں ملتا ہے۔ جو سر زمین عرب بالخصوص مکہ کی ریاست میں عرب تاریخ میں پہلی مرتبہ قیام امن، بنیادی انسانی حقوق، بالخصوص مظلوموں اور بے کسوں کی دادرسی کا معاہدہ قرار پایا۔ (۲۰)

حلف الفضول سے چند ماہ پیشتر حرب فجار کا واقعہ پیش آیا، اسی دور میں آپ ﷺ کے ایک چچا زبیر بن عبد المطلب اور بعض دوسرے سرداروں نے مروجہ قبائلی تعصب سے علیحدہ ہو کر مظلوموں کی حمایت و نصرت کے لیے مکہ مکرمہ کے باشندوں کا ایک اتحادی فورم بنایا جس کو "حلف الفضول" کے نام سے جانا جاتا ہے اور جتنے بھی عہد و پیمان ہو چکے تھے ان سب میں سے "حلف الفضول" کا معاہدہ معزز تھا۔ یہ معاہدہ حرب فجار کے بعد قریش اور بنی قیس کے درمیان طے پایا۔

کتب سیرت میں "حلف الفضول" کے یہ نام رکھے جانے کے متعدد اسباب مذکور ہیں، اور سب کا حاصل یہی ہے کہ حدود مکہ میں قبائلی عصبیت سے پرے ہو کر مظلوموں کی حمایت و نصرت کا یہ ایک نیا اور انوکھا اتحاد تھا، جس سے عرب کے لوگ مانوس نہ تھے، غالباً یہی وجہ ہے کہ "حلف الفضول" کے وجہ تسمیہ کا ایک محرک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ:

"هؤلاء الذين تحالفوا كانوا أخرجوا فضول أموالهم للأضياف وقيل لأن قريشا قالوا عن هؤلاء الذين تحالفوا لقد دخل هؤلاء في فضول من الأمر"[۲۱]

"قریش نے نامانوسیت کی بناء پر اس قسم کے اتحاد و معاہدہ کو فضول اور بے فائدہ کام سمجھا اور اسی سے یہ نام چل پڑا۔"

اسی طرح ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ: قریش کے اس معاہدہ سے بہت پہلے مکہ میں قبیلہ جرہم کے سرداروں کے درمیان بھی بالکل ایسا ہی ایک معاہدہ ہوا تھا اور چونکہ قبیلہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے، ان سب لوگوں کا نام "فضل" تھا یعنی فضل بن حارث، فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ اس لئے اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" رکھ دیا گیا، یعنی ان چند آدمیوں کا معاہدہ جن کے نام "فضل" تھا۔[۲۲] اسے حلف الفضول کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جن باتوں پر یہ معاہدہ ہوا وہ تمام باتیں فضیلت والی تھیں۔

ذوالقعدۃ کے مہینہ میں قریش کے پانچ قبائل کے درمیان ایک امن معاہدہ طے پایا جسے حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ پانچ قبائل یہ تھے:

۱) بنوہاشم
۲) بنومطلّب
۳) بنواسد
۴) بنوزہرہ
۵) بنوتمیم

اس معاہدہ کی وجہ یہ تھی کہ یمن کا ایک زبیدی نامی آدمی سامانِ تجارت لے کر مکہ آیا۔ عاص بن وائل نے اس سے سامان خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس آدمی نے مختلف قبائل سے مدد کی درخواست کی لیکن انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ چنانچہ اس نے ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ کر اپنی مظلومیت کے لیے آواز بلند کی اور لوگوں سے درخواست کی کہ اس کا حق دلانے کے لیے اس کی مدد کی جائے۔ اس کی آواز سن کر زبیر بن مطلب نے لوگوں میں اصلاح کی تحریک شروع کی۔ آپ ﷺ بھی اس کے ساتھ اس مہم

میں شریک ہوگئے۔ ان تمام قبائل کے سردار قبیلہ بنو تمیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھے ہوئے اور سب نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ آج کے بعد مکہ میں کسی کا ظلم برداشت نہیں کیا جائے گا، ہر مظلوم کی مدد کی جائے گی اور ظالم کو سزا دی جائے گی۔ چنانچہ اس معاہدہ کے بعد عاص بن وائل سے زبیدی کا حق لے کر اس کے حوالے کیا گیا۔

حلف الفضول کے شرکاء نے جو حلف لیا وہ یہ تھا:

"لَيَكُونُنَّ يَدًا وَاحِدَةً مَعَ الْمَظْلُومِ عَلَى الظَّالِمِ حَتَّى يُؤَدَّيَ إِلَيْهِ حَقُّهُ مَا بَلَّ بَحْرٌ صُوفَةً. وَمَا رَسَّى ثَبِيرٌ وَحِرَاءُ مَكَانَهُمَا.وَعَلَى التَّأَسِّي فِي الْمَعَاشِ" (۲۳)

"اللہ کی قسم! ہم سب مل کر مظلوم کے ساتھ ایک ہاتھ بن جائیں گے جب تک کہا سے ظالم اسے اس کا حق ادا نہیں کر دیتا، اور ہمارا یہ معاہدہ اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے، جب تک حراء وثبیر نامی پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں نیز ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔"

یعنی معاہدے میں تمام قبائل نے مل کر عہد کیا کہ:

۱. ہم مظلوموں کا ساتھ دیں گے، خواہ وہ کسی قبیلے کے ہوں یہاں تک کہ ان کا حق ادا کیا جائے۔
۲. کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔
۳. ملک سے بدامنی دور کریں گے اور ہر طرح کا امن وامان قائم کریں گے۔
۴. مسافروں کی حفاظت کریں گے اور غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

اس وقت کے ماحول میں "حلف الفضول" کی اصطلاح کا ایسا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت مسعود بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عثمان رضی اللہ عنہ اس لفظ کو سنتے ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت ونصرت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تائید میں جو جملے کہے اس سے بھی حلف الفضول کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، انہوں نے فرمایا:

"إِنَّ الْفُضُولَ تَعَاقَدُوا وَتَحَالَفُوا ... أَلَّا يُقِيمَ بِبَطْنِ مَكَّةَ ظَالِمٌ أَمْرٌ عَلَيْهِ تَعَاقَدُوا وَتَوَاثَقُوا...فَالْجَارُ وَالْمُعْتَرُّ فِيهِمْ سَالِمٌ" (۲۴)

"اور میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ اگر انہوں نے "حلف الفضول" کا واسطہ دیا تو میں بھی اپنی تلوار اٹھاؤں گا اور ان کا ساتھ دوں گا، یا تو ان کا حق ملے گا یا ہم دونوں مر جائیں گے۔"

بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے ابتدائے اسلام میں حق و انصاف کی دہائی کے لیے حلف الفضول کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی؛ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر امیر مدینہ ولید بن عتبہ کے ساتھ اپنے ایک قضیہ میں ان الفاظ سے عوامی مدد طلب کی

"أقسم بالله لتنصفني أو لآخذن سيفي ثم لأقومن في مسجد رسول الله ثم لأدعون بحلف الفضول"(۲۵)

"تم میرے ساتھ حق و انصاف کا معاملہ کرو۔ ورنہ میں اپنی تلوار لوں گا اور مسجدِ رسول میں کھڑے ہو کر حلف الفضول کی دہائی دوں گا۔"

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"لقد شهدت مع عمومتي حلفا في دار عبد الله بن جدعان ما أحب أن لي به حمر النعيم ولو دعيت به في الإسلام لأجبت" (۲۶)

"اس معاہدے کے مقابلے میں مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے تو میں نہ لیتا اور اگر اب بھی شرکت کے لیے بلایا جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔"

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حلف الفضول کی کتنی اہمیت تھی۔ جبکہ وہ قبائلی دور تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معاہدہ کس قدر پسند تھا کہ اسلام کے دور میں بھی اس میں شرکت کا فخر سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ امن و امان کا معاہدہ تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس معاہدے کی اتنی اہمیت تھی کہ زمانۂ رسالت میں بھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امن و امان کس قدر پسند تھا جبکہ وہ قبائلی دور تھا۔

حجر اسود کی تنصیب کا معاملہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے کچھ عرصہ قبل جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال ہوئی تو ایک زوردار سیلاب آیا۔ جسنے کعبے کی عمارت کو سخت نقصان پہنچایا اور بیت اللہ کی دیواریں پھٹ

گئیں۔ اسی بنا پر قریش اس کی دوبارہ تعمیر پر مجبور ہو گئے کہ بیت اللہ کا مقام و مرتبہ بر قرار رکھنے کے لیے اسے از سر نو تعمیر کریں۔ اس موقع پر انہوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال مال ہی استعمال کریں گے۔ زانیہ کی اجرت، سود کی آمدنی اور کسی سے ناحق لیا ہوا مال استعمال نہیں کریں گے۔ جب حلال مال اکٹھا کیا گیا تو وہ مال اتنا نہیں تھا کہ جس سے بیت اللہ کو اس کی اصلبنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا جاسکے لہٰذا انہوں نے مال کی کمی کی وجہ سے شمال کی طرف سے کچھ حصّہ کو تعمیر میں شامل نہیں کیا بلکہ اس پر ایک چھوٹی سی دیوار اٹھا کر چھوڑ دی۔ یہی ٹکڑا حطیم اور حجر کہلاتا ہے۔

تمام قریشی قبائل نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے اپنے اپنے طور پر الگ الگ پتھر جمع کئے پھر کعبہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ جب خانہ کعبہ کی عمارت حجر اسود تک بلند ہو چکی تو حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کے بارے میں قریش کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ کے سردار نے چاہا کہ حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف اسے حاصل ہو حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے سے دور ہو گئے اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے یہ جھگڑا پانچ دن تک چلتا رہا اور اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ قریب تھا کہ حرم میں خون خرابہ ہو جاتا۔ کہ وہ سب مسجد حرام میں جمع ہوئے اور باہمی مشورہ شروع کیا تا کہ حق و انصاف سے فیصلہ ہو سکے۔ بعض مورخین کے مطابق ابو اُمیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم نے جو کہ اس وقت قریش میں سب سے بزرگ شخص تھے یہ تجویز پیش کی کہ:

"اجْعَلُوا بَيْنَكُمْ حَكَمًا أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ يَقْضِي بَيْنَكُمْ" (۲۷)

"اس اختلاف کو طے کرنے کے لیے تم اس شخص کو فیصل مان لو جو کل صبح سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو۔"

سب لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ سب سے پہلے آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ لوگ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی پکار اُٹھے۔

"هذا الأمين رضينا هذا محمد" (۲۸)

"یہ امین محمد ہیں، ہم ان سے راضی ہیں۔"

آپ ﷺ کو معاملہ کی تفصیل بتائی گئی تو آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی جس میں اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے کہا:

"لِتَأْخُذَ كُلُّ قَبِيلَةٍ بِنَاحِيَةٍ مِنْ الثوْب، ثُمَّ ارْفَعُوهُ جَمِيعًا"، فَفَعَلُوا: حَتَّى إِذَا بَلَغُوا بِهِ مَوْضِعَهُ، وَضَعَهُ هو بيده، ثم بنى عليه" (۲۹)

"تم لوگ اس چادر کو کناروں سے پکڑ کر اسے حجر اسود کے مقام تک لے چلو۔ جب وہ وہاں لے گئے تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی مقررہ جگہ پر نصب فرمادیا۔"

یہ اتنا عمدہ فیصلہ تھا کہ جس پر تمام لوگ راضی ہو گئے۔ پس حضور ﷺ نے جا کر وہی حجر اسود بنفس نفیس بیت اللہ کے کونے میں نصب کر دیا اور اس پر سب کا اختلاف رفع ہو گیا اور مدت کا جھگڑا ایک منٹ میں ختم ہو گیا۔

آپ ﷺ کی راست بازی اور امانت و دیانتداری کی بدولت خالق کائنات نے آپ ﷺ کو اس قدر مقبولِ خلائق بنادیا اور عقلِ سلیم اور بے مثال دانائی کا ایسا عظیم جوہر عطا فرمادیا کہ کم عمری ہی میں آپ ﷺ نے عرب کے بڑے بڑے سرداروں کے جھگڑوں کا ایسا لاجواب فیصلہ فرمادیا کہ بڑے بڑے دانشوروں اور سرداروں نے اس فیصلہ کی عظمت کے آگے سر جھکا دیا، اور سب نے بالاتفاق آپ ﷺ کو اپنا حکم اور سردارِ اعظم تسلیم کر لیا۔

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نقطہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلادیا چند اشاروں میں

اسلامی روایات کے مطابق جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسمعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ پتھر جنت سے لا کر دیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے دیوار کعبہ میں نصب کیا۔ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو فرماتے سنا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((إِنَّ الرُّكْنَ، وَالمَقَامَ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَاقُوتِ الجَنَّةِ، طَمَسَ اللَّهُ نُورَهُمَا، وَلَوْ لَمْ يَطْمِسْ نُورَهُمَا لَأَضَاءَتَا مَا بَيْنَ المَشْرِقِ وَالمَغْرِبِ)) (۳۰)

"حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا نور اٹھالیا ہے، اگر ان کا نور باقی رہتا تو اس میں شک نہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان ساری چیزوں کو روشن کر دیتا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَأْتِي هَذَا الْحَجَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا،وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ)) (۳۱)

"قیامت کے دن یہ حجر اسود اس طرح آئے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھتا ہو گا اور ایک زبان ہو گی جس سے یہ بولتا ہو گا اور اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو گا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَكَانَ أَشَدَّ بَيَاضًا مِنَ الثَّلْجِ، حَتَّى سَوَّدَتْهُ خَطَايَا أَهْلِ الشِّرْكِ)) (۳۲)

"حجر اسود جنت سے آیا ہے، یہ پتھر پہلے برف سے بھی زیادہ سفید تھا، مشرکین کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔"

دکھی انسانیت کے لیے امن کی تلاش:

زمانہ جاہلیت جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں سب سے الگ تھلگ ہو کر قیام کرتے اور افق میں اپنی نظریں گاڑھے جاہلیت کے اندھیرے کے چھٹنے کا انتظار کرتے اور کئی کئی گھنٹے اپنے رب کے سامنے آہ و زاری اور انسانیت کی نجات کے لیے دعائیں مانگنے میں گزارتے۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں کئی کئی دن قیام کرتے اور گھر واپس نہ جاتے۔ قیام کے دوران تخلیق کائنات پر غور و فکر کرتے تھے وہیں دکھی انسانیت کی نجات کے بارے بھی غور و فکر کرتے۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیشتر وقت مناظر قدرت کے مشاہدہ اور کائنات فطرت کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ دن رات خالقِ کائنات کی ذات و صفات کے تصور میں مستغرق اور اپنی قوم کے بگڑے ہوئے حالات کے سدھار اور اس کی تدبیروں کے سوچ بچار میں مصروف رہنے لگے۔

خلاصۂ کلام:

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کرنے والا ہر فرد یہ ماننے اور کہنے پہ مجبور ہو گا کہ پیغمبر اسلام سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے بڑا امن عالم کا داعی دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔

دنیا کو ایسا عظیم پیغام پہنچانے والے سے بڑا امن و امان کا پیغامبر کون ہو سکتا ہے؟ دشمنوں کے پتھروں کے جواب میں اپنے لبوں سے دعا کے پھول برسانے والا، دنیا کا سب سے بڑا داعی امن نہیں تو کون ہے؟ جس نے تیرہ سال مکہ کی گلیوں میں دشمنوں کی بد زبانیاں سہیں، اذیتیں برداشت کیں، ظلم پر ظلم سہے، سوشل بائیکاٹ گوارا کیا اور جب انہیں دشمنوں پر اُسے غلبہ و اختیار حاصل ہوا تو بلا تامل بغیر انتقام کے انہیں آزادی کا پروانہ عطا کر دیا۔ اگر وہ امن عالم کا داعی اعظم نہیں تو پھر کون ہے؟

پیغمبر محسنِ انسانیت ﷺ کے شخصی اور روحانی کمالات سے پوری دنیا آگاہ ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ واقعی "پیغمبر امن و سلامتی" ہیں۔ حالانکہ رحمۃ للعالمین کا تاج کسی اور نے نہیں خود خالقِ ارض و سماء نے انہیں عطا کر رکھا ہے۔ یہ مقامِ غور اور لمحۂ فکریہ ہے کہ اتنا طویل سفر طے کرنے کے بعد آج ہم آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا وہ پہلو زیر بحث لانے پر مجبور ہیں جس سے کفار مکہ بعثت سے پہلے بھی متعارف تھے، یعنی صادق اور امین۔

پیغمبر انسانیت، رسول رحمت ﷺ سب سے بڑا انقلاب یہ لائے کہ انہوں نے صدیوں سے متحارب قوم کو بھائی بھائی بنا دیا۔ قرآن نے اس کا اعلان یوں کیا:

﴿ وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ ٱلنَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ ﴾ (۳۳)

(تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔)

آج کے انسان میں خود غرضی، مفاد پرستی، ایک جزو زندگی کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، وہ اپنے مفاد کیلئے اپنی قوم بلکہ پوری ملت کو داؤ پر لگانے سے گریز نہیں کرتا، باہمی محبت کے رشتوں نے سوداگری اور خود پرستی کا روپ دھار لیا ہے۔ احترام آدمیت عنقا ہو چکا ہے۔ اخلاقی قدریں، قصہ پارینہ بن گئی ہیں۔ خود فروشی اور خود پرستی اس کا شعار ہو گئی ہے، قومی غیرت و حمیت کا جنازہ نکل گیا ہے۔ اخوت و مروّت مفقود ہو چکی ہے۔ انسان کی تکمیل خدا ناشناس، آئمہ کفر و ضلالت کے ہاتھ میں ہے، فکری آوارگی اور عملی انارکی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔

جبکہ قیام امن کا تقاضا یہی ہے کہ ہمارے دل ایک دوسرے سے جڑے ہوں اور ایک دوسرے کے لیے کینہ اور نفرت کے جذبات نہ ہوں۔ امن کا قیام تمام بنی انسان کے تحفظ کا ضامن ہے اور انسانیت کو قدر مشترک قرار دے کر اس پر متحد ہونے کی تاکید کرتا ہے۔ اور وسیع نظر و فکر کے ذریعے انسانیت کے تحفظ وبقا کے اقدامات کرتا ہے، انہیں رنگ و نسل، زبان اور علاقائیت کی جکڑ بندیوں سے آزاد کرتا ہے۔ تاکہ وہ ان محدود دیتوں سے نکل کر انسانیت کے وسیع سائبان کے نیچے سایہ افگن ہو اور کائنات امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے، لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب سوچ اور فکر وسیع اور آفاقی ہو گی، اور یہی قیام امن کی خصوصیت ہے۔ جس کی آج اشد ضرورت ہے۔ امن ہی ہے جس نے انسانیت کے درجہ کو بلند کیا اور قدوسیوں کے بجائے استخلاف ارض کیلئے انسان کو منتخب کیا اور اسے مسجود ملائکہ بنا کر عزت وشرف سے نوازا اور کائنات کی تمام مخلوقات سے اسے برتر بنایا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن مجید باغور ودقت سے مطالعہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے جیسا ہمارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کیا کرتے تھے۔ آمین

وأسال الله تعالى القبول، إنه تعالى نعم المولى ونعم النصير، وهو حسبي ونعم الوكيل، وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

حواشی وحوالہ جات

۱) سورۃ القرش:۱۰۶/۴

۲) أبو عبد الرحمن الخلیل بن احمد الفراھیدی، کتاب العین، مؤسسۃ دار الہجرۃ، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۰۹ھ، ص:۸/۳۸۸

۳) سورۃ یونس:۱۰/۶۲

۴) راغب اصفہانی، الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، دار القلم، دمشق، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۲ھ، ص:۹۰

۵) محمد بن أبی بکر بن عبد القادر، مختار الصحاح، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۹۹۹ء، ص:۱/۲۲

۶) ابن منظور الأفریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت، الطبعۃ الأولی، ص:۱۳/۲۱

۷) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا ۱۷/۴۱۲۔

۸) امام بخاری، محمد بن إسماعیل أبو عبد اللہ، صحیح البخاری، دار ابن کثیر، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۷ھ، کتاب الإیمان، باب أي الإسلام أفضل، ص:۱/۱۳

۹) ابو داؤد، سنن ابو داؤد، نور الإسلام لأبحاث القرآن والسنۃ بالإسکندریہ، س ن، رقم الحدیث:۵۰۷۴

۱۰) سورۃ الرعد:۱۳/ ۲۵

۱۱) سورۃ یونس:۱۰/ ۸۱

۱۲) سورۃ القصص:۲۸/۷۷

۱۳) سورۃ التین:۹۵/۳

۱۴) الزبیدی، محمد مرتضی الحسینی، تاج العروس، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴، ص:۱/۱۴۷

۱۵) سورۃ یونس:۱۰/۷

۱۶) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو؛ عبد الملک بن ھشام، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۱ھ ،ص:۱/۳۲۳

۱۷) محمد فتح اللہ گولن، محمد نور سرمدی، ہارمنی پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص:۱/۴۹

۱۸) الطاف حسین حالی، مسدس حالی، تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور، ص:۱۵

۱۹) سورۃ الروم:۳۰/۴۱

۲۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو؛ محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۳ء،

ص:۶۰-۶۱

۲۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو؛ علی بن برھان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیۃ، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۰ھ، ص:۱ /۲۱۴

۲۲) ایضاً

۲۳) ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر، ۱۴۰۷ھ، ص:۲ /۲۹۲

۲۴) ایضاً

۲۵) ایضاً؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ص:۲ /۲۹۳

۲۶) ابن الأثیر، أبو الحسن علی بن أبی الکرم محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ص:۵۷۰

۲۷) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو؛ ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ص:۵۷۳؛ ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ص:۲ /۱۹؛ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، مرکز الحرمین الاسلامی، فصیل آباد، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص:۱ /۷۳

۲۸) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ص:۲ /۳۰۳؛ ابن سید الناس، محمد بن محمد بن محمد بن أحمد، عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، دار القلم، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۴ھ، ص:۱ /۶۲

۲۹) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ص:۲ /۱۹

۳۰) الترمذی، أبو عیسی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی، دار الغرب الإسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء، أَبْوَابُ الحَجِّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الحَجَرِ الأَسْوَدِ، وَالرُّكْنِ، وَالمَقَامِ، حدیث:۸۷۸، ص:۲ /۲۱۸

۳۱) ابن حنبل، أبو عبد اللہ أحمد بن محمد، مسند أحمد، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الأولی، ۲۰۰۱ء، باب مُسْنَدُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ المطَّلِبِ، حدیث:۲۲۱۵، ص:۴ /۹۱

۳۲) ایضاً، باب مُسْنَدُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ المطَّلِبِ، حدیث:۳۵۳۷، ص:۵ /۴۷۲

۳۳) سورۃ ال عمران:۳ /۱۰۳

****

تعلیماتِ اسلام قیامِ امن کی اساس (سیرتِ طیبہ کی روشنی میں)

The Islāmic Teachings: A Foundation for the Establishment of Peace (in the Light of Seerah)

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری*

ABSTRACT

This article highlights the Islamic and the prophetic teachings regarding the promotion of peace. The human progress is directly associated with peace. The so-called peacemakers of the world have failed in their insincere and incompetent quest for peacekeeping, rather, they they have contributed to deteriorate peace furhter. Islām and its prophet (ﷺ) present the impeccable and practical methods and methodology to establish and maintain peace in society. We find that in all his roles and status, the prophet (ﷺ) of Islām is a symbol and model of peace. The very words of Islām and Muslim are the titles, enogh to indicate the approach of Islām towards peace.

The author of this paper draws the attention of the readers that in its beliefs, ethical teachigs, laws, and rituals of worship, the sole aim of the Islām is to enhance and promote peace at the individual, as well as, the collective level. The scope of peace in Islām is not confined to the Muslims only, it includes the non-Muslim, too. Further, it encompasses animals and vegetation in its fold of peace. This is what the world needs to focus on and admit; and the media needs to highlight and promote, so that, the real image of Islām may come to fore and the false propaganda against it die away.

Keywords: *Islām; Peace; Media; Worship Rituals;Fraternity*

* صدر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

بیسویں صدی کروڑوں انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگے رخصت ہوگئی ، بے پناہ سائنسی ایجادات اور دنیوی ترقی کے باوجود انسانی دنیا کی بنجر روح کے لیے کوئی دوا تیار نہ ہو سکی۔ کائنات کو قمقموں اور فانوسوں سے روشن کرنے والے دل کی تاریک دنیا کیلئے کوئی روشنی مہیا نہ کر سکے۔ بیمار انسانیت کی ہمدردی کا راگ الاپنے والے ناقص غذاؤں اور کھادوں کے ذریعے انسانوں کو موت کی وادی میں دھکیلنے والے کیا انسانیت کے خیر خواہ ہیں ؟ اور کیا وہ امن کے علمبر دار کہلانے کے مستحق ہیں؟ آج اکیسویں صدی کی آمد پر عالم انسانیت جشن منانے میں مصروف ہے۔ ادھر انسانیت کی تباہی کیلئے بارود تیار ہو چکا ہے، اسرائیلی بربریت کے شکار فلسطینوں کی دلدوز چیخیں، خود اندرون ملک کھیلے جانے والی خون کی ہولی، بم دھماکوں سے فضا میں بکھرے ہوئے انسانی اعضاء، ہندی اور کشمیری مسلمان خواتین اور معصوم بچوں پر آئے دن کا شب خون، لوٹ مار اور آتش زنی، کیا یہ تحائف ہیں، جو اکیسویں صدی کے استقبال کیلئے تیار کیے گئے ؟

آج کے انسان میں خود غرضی ، مفاد پرستی ، ایک جزو زندگی کی حیثیت اختیار کر چکی ہے ، وہ اپنے مفاد کیلئے اپنی قوم بلکہ پوری ملت کو داؤ پر لگانے سے گریز نہیں کرتا، باہمی محبت کے رشتوں نے سوداگری اور خود پرستی کا روپ دھار لیا ہے۔ احترام آدمیت عنقا ہو چکا ہے۔ اخلاقی قدریں، قصہ پارینہ بن گئی ہیں۔ خود فروشی اور خود پرستی اس کا شعار ہوگئی ہیں۔ قومی غیرت وحمیت کا جنازہ نکل گیا ہے۔ اخوت ومروّت مفقود ہو چکی ہیں۔ انسان کی نکیل خدا نا شناس، ائمہ کفر وضلالت کے ہاتھ میں ہے، فکر ی آوارگی اور عملی انارکی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔

انسان کا لفظ "انس" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "محبت و آشتی" کے ہیں ، اگر انسان سے محبت اور آشتی کا جوہر ہی ختم ہوجائے تو پھر وہ انسان ہی کب رہتاہے؟ پھر اس کا وجود ندامت اور شرمندگی سے عبارت ہوجاتاہے۔ ان حالات میں دنیا ایک دارالامان کی متلاشی ہے، وہ کسی ایسی ہستی کی تلاش میں ہے، جو رنگ ونسل، وطنیت اور قوم پرستی کی پستیوں سے بلند ہوکر خالص انسانی نقطۂ نگاہ سے سوچتی ہو۔ جو انسان کو حقیقی انسانیت کو مفہوم سکھادے، جو

انسانوں کو طبقاتی تقسیم کی بجائے وحدت ملّی کا درس دے اور جس کے چشمہ فیض سے بلا تمیز پوری انسانیت سیراب ہوسکے اور بلاروک ٹوک ہمیشہ کیلئے رواں دواں رہے۔

رسول اللہ ﷺ امن و سلامتی کے داعی ہیں اورآپ ﷺ نے عالمگیر امن و سلامتی کا مثالی نمونہ پیش کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ﷺ نے دنیا کو امن و سلامتی، شفقت ورحمت، انسان دوستی اور عفو و درگزر کی تعلیم دی ہے۔ اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ آپ ﷺ نے ایک ایسے دور میں جو عالمی فساد اور بدامنی پر مبنی تھا، لاقانونیت اور ظلم اپنے عروج پر تھے، تاریخ کے ایسے تاریک دور میں آپ ﷺ نے دنیا کو امن و سلامتی کا ایسا پیغام دیا جس نے انسانیت کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا۔ آپ ﷺ نے انسانی معاشرے سے ظلم، جہالت، عدم رواداری، انتہا پسندی، لاقانونیت، ناانصافی کے کلچر کو یکسر ختم کر دیا۔ اور نہ صرف سرزمین عرب بلکہ دنیا کے کونے کونے میں امن و سلامتی کی یقینی ضمانت فراہم کی۔ نبی کریم ﷺ نے دین کا پیغام محبت اور امن کے ذریعے دیا۔ آپ ﷺ کا اسوہء مبارکہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

امن کا مفہوم:

امن کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے ابن منظور بیان کرتے ہیں:

"**الأمن: ضد الخوف، والأمانة: ضد الخيانة، والإيمان: ضد الكفر.**"[1]

"امن خوف کی ضد ہے۔ اور امانت خیانت کی ضد ہے۔ اور ایمان کفر کی ضد ہے"۔

امام زمخشری' امن کا لغوی مفہوم بیان کرتے فرماتے ہیں:

"**فلان أمنةٌ أي يأمن كل أحد ويثق به، ويأمنه الناس ولا يخافون غائلته**"[2]

ایسی مجسمہ امن شخصیت جو دوسروں کی امن عطا کرے اور لوگ اس کے فتنہ سے محفوظ ہو کر امن وامان میں رہیں۔

یعنی ہر وہ شخص جو امن کی صفت سے آراستہ ہو اور اسے زندگی کا معمول بنالیتا ہے۔ وہ مجسمہ امن بن جاتا ہے۔ تو وہ دوسروں کو بھی امن وسلامتی بخشتا ہے۔ اور لوگ بھی اس سے بے خوف وخطر ہو جاتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی امن کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"أصل الأمن طمانية النفس وزوال الخوف"[۳]

"امن طبعیت میں امن کے حصول اور خوف کے زائل ہونے کا نام ہے"۔

امام جرجانی امن کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بأنه:"عدم توقع مكروه في الزمان الآتي"[۴]

"مستقبل میں کسی بھی ناپسندیدہ واقعہ کی توقع نہ کرنا۔"

امن کی ضرورت واہمیت:

کسی بھی معاشرہ کی ترقی و خوشحالی کیلئے امن وامان کا ہونا ضروری ہے۔ مہذب اور آئیڈیل معاشرہ وہی کہلاتا ہے جس میں امن وسکون اور اطمینان کی فضا ہو۔ سہمے ہوئے اور خوفناک ماحول میں پرورش پانے والے افراد معاشرتی خوبیوں سے عاری ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی رفیقہ حیات حضرت ہاجرہ اور فرزند حضرت اسماعیل علیہما السلام کو مکہ میں چھوڑتے وقت سب سے پہلے جو دعا کی وہ امن وامان کے بارے میں تھی۔ کیونکہ اس وقت حضرت ہاجرہ اور ان کے لخت جگر اسماعیل علیہما السلام کے سوا کوئی اور یہاں آباد نہ تھا۔ اتنے لق ودق صحرا اور سنگلاخ بیابان میں بس ماں بیٹا ہی تو تھے۔ اس لئے ان کے حفظ وامان کی فکر ایک فطری بات تھی۔ اس دعامیں یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ جس مقام پر امن و امان نہ ہو وہاں بسنے والے زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ لہذا کسی جگہ پر ٹھہرنے کیلئے پہلی ضرورت یہی ہو ا کرتی ہے کہ وہاں کے باسیوں کی ہر قسم کا سکون میسر ہو۔ اس کے بغیر کوئی علاقہ ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لیے چادر اور چار دیواری کی حفاظت حکومت کی اولین ترجیح ہونا چاہیے۔

معاشی ترقی اور تجارت کی کامیابی پر امن ماحول کی مرہون منت ہے۔ جس معاشرہ میں امن وامان کا ماحول جس قدر بہتر ہو گا اسی قدر کاروبار ترقی کا معیار بلند ہو گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ﴾[۵]

(لہذا ان کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔)

عرب کا حال اس دور میں یہ تھا کہ پورے ملک میں کوئی بستی ایسی نہ تھی جس کے لوگ راتوں کو چین سے سو سکتے ہوں۔ کوئی قافلہ ایسا نہ تھا جو اطمینان سے سفر کر سکے، کیونکہ راستے میں جگہ جگہ اس پر ڈاکہ پڑنے کا خطرہ نہ تھا۔ راستے بھر کے بااثر قبائلی سرداروں کو رشوتیں دیکر تجارتی قافلے بخیریت گزر سکتے تھے۔ لیکن قریش مکہ میں بالکل محفوظ تھے۔ انہیں کسی دشمن کے حملے کا خطرہ نہ تھا۔ ان کے چھوٹے اور بڑے ہر طرح کے قافلے ملک کے ہر حصے میں آتے جاتے تھے۔[6] مکہ کی تجارت اور خوشحالی کا راز پر امن ماحول میں مضمر تھا۔

ارشاد باری ہے:

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا ءَامِنًا وَيُتَخَطَّفُ ٱلنَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾[7]

(کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے ایک پر امن حرم بنا دیا ہے حالانکہ ان کے گرد و پیش لوگ اچک لیے جاتے ہیں۔)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سبا کی قوم کی ترقی و خوشحالی اور پھلوں کی فراوانی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ پر امن معاشرہ میں بستے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا ءَامِنِينَ ﴾[8]

(چلو پھرو ان راستوں میں رات دن پورے امن کے ساتھ۔)

دور حاضر میں مادی لحاظ سے انسان نے بعض اہم ایجادات ضرور کیں ہیں اور ظاہری طور پر انسان کو کچھ سہولتیں بھی میسر آئیں ہیں۔ مگر ان ایجادات کی بوقلمونی نے جہاں انسان کے ظاہر پر اثرات مرتب کیے، وہاں اس نے اس کے باطن بھی کو تاریک کر دیا، اس کو آنکھیں چندھیا دینے والی روشنی تو مہیا کی، مگر اس کی روشن ضمیری کو ختم کر کے رکھ دیا۔ دل کی بے قاعدہ دھڑکن کا علاج تو ڈھونڈ نکالا ہے۔ مگر اس کے اندرونی سوز و گداز کو چھین لیا ہے۔ اور مجموعی طور پر انسان سے آدمیت، اخوت، رحمت و شفقت، ایثار و ہمدردی، دل سوزی و دلنوازی کی ساری اقدار چھین کر اسے محض ایک کھاتے پیتے حیوان کی سطح پر

لا کھڑا کیا، بلکہ صحیح الفاظ میں یوں کہیے، انسان کو اس کے مقصد حیات سے بے گانہ کر کے محض ایک مشین کا کل پرزہ اور خود کار روبوٹ بنا کر رکھ دیا۔

قیام امن: آنحضرت ﷺ کے ارشادات

آنحضرت ﷺ کی زندگی ایک اچھا نقطہ آغاز ہے آپ ﷺ نے محض آئیڈیالوجی کی بنیاد پر زمرہ بندی کی مدافعت کی، آپ نے کبھی کبھی ایسے کام بھی کیے جنہیں قبول کرنا ہمارے لیے مشکل یا ناممکن ہوا۔ لیکن آپ عمیق جینیئس حامل تھے اور آپ نے ایک ایسے مذہب اور ثقافتی روایت کی بنیاد رکھی جس کی قوت تلوار نہیں بلکہ اسلام کا لفظ تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے دین کا متبع اپنے آپ کو یہودی کہلاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا پیروکار عیسائی اور نصرانی کہلاتا ہے۔ مگر دین اسلام اختیار کرنے والے کو مسلم اور مؤمن کہا جاتا ہے۔ گویا یہ مذہب اسے ہر جانب سے محفوظ کر کے امن و سلامتی کا لبادہ پہنا دیتا ہے۔ مؤمن کا علامتی نام ہی اس کے اوصاف اور کردار کا شاہد ہے۔

وہ شخصیت جو امن و سلامتی کی منبع ہے۔ مجسمہ رحمت و شفقت ہے۔ جس کے چشمہ صافی سے لوگ فیض امن پا رہے ہیں۔ وہ تو قاسم ہے۔ «إنما أنا قاسم واالله يعطى)) (۹) کے منصب پر فائز ہے اور اس کا فیض محض اپنوں تک ہی محدود نہیں بلکہ بیگانوں کیلئے بلکہ پوری انسانیت اور کائنات کیلئے ہے۔ حضور علیہ السلام پیکر امن و سلامتی کیوں نہ ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے ظروف واحوال ہی ایسے بنائے کہ وہ مجسمہ امن بنے۔ وہ شخصیت بلد امین میں جس کی ولادت ہوئی، امن کی گود میں پرورش پائی، حلم وبردباری کے شیر سے تربیت ہوئی، حدود حرم میں پھلا پھولا، «من دخله كا ن اٰمنا)) میں قرار پایا، متولی کعبہ کی سرپرستی میں زندگی گزاری، اس کا لقب پیغمبر امن نہ ہو تو اور کیا ہو۔

انسانی زندگی کے دو حالات ہیں:

۱۔ مجبور و مقہور، مظلوم اور مفتوح

۲۔ غالب و جابر، فاتح، ظالم

مجبور انسان مظلومیت کے عالم میں گندی زبان استعمال کرتا ہے۔ ظالم کے خلاف بددعائیں کرتا ہے۔ یا غالب ہو کر مفتوح کی عزت و ناموس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ مگر محمد عربی علیہ السلام نے دونوں

حالتوں میں اعتدال اور رحمت کا دامن تھامے رکھا۔ مکی دور میں مظلومانہ زندگی بسر کی، طائف میں ستائے گئے، تشدد کیا گیا، زخمی اور خون آلود ہوئے، مگر زبان پر یہ الفاظ جاری تھے:

«اللّٰهُمّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ» (۱۰)

"اے اللہ! میری قوم میری قدر و منزلت سے ناواقف ہے ان کی راہنمائی فرما۔"

مکہ میں فاتح اور غالب ہو کر داخل ہوئے، ظلم و تشدد کرنے والے ہاتھ باندھے، نظریں جھکائے فیصلے کے منتظر ہیں، قتل یا قید۔ تو پیغمبر امن ﷺ نے مجسمہ رحم و کرم بن کر فرمایا:

«لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اذهبوا فأنتم الطلقاء» (۱۱)

"آج تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم آزاد ہو۔"

دنیا میں امن کے کاغذی خاکے بنانے والے، قوانین و آئین کی گھتیاں سلجھانے والے، صلح و آشتی کی شرائط و حدود کا تعین کرنے والے دعوؤں اور نعروں سے لوگوں کے دل بہلانے والے، پر فریب وعدوں سے عوام کو پھنسانے والے، امن و سلامتی کے عملی میدان میں صفر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے امن کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا» (۱۲)

"جو شخص صحت و عافیت اور امن کا سایہ میں صبح کرے اور اسے ایک دن کی خوراک میسر ہو تو گویا اس نے دنیا بھر کی نعمتیں سمیٹ لیں۔"

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ ، وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ» (۱۳)

"مؤمن وہ جس سے لوگ بے خوف ہو کر مطمئن ہوں اور مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں۔"

گویا کہ مؤمن کی تعریف میں امن کی عادت و خو شامل ہے۔ مسلمان کو مؤمن بھی اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ امن پسند ہے یہ لفظ امن سے ماخوذ ہے۔ جو متعدی اور لازم دونوں معنوں میں استعمال ہوتا

ہے۔ متعدی کے معنی ہیں: امن دینے کے ہیں۔ جبکہ لازم کے ہیں پر امن ہونے کے ہیں۔ گویا مؤمن خود بھی پر امن رہتا ہے اور امن کا علمبر دار ہوتا ہے۔

امن کی تلاش اور غار حرا کی خلوت:

پیغمبر انسانیت ﷺ نے کسی اعتقاد، کسی نظریہ اور کسی نقشہ فکر کے بغیر اصلاح و تعمیر اور امن وامان کا کام یونہی شروع نہیں کر دیا۔ یہ محض ایک مبہم جذبہ نہ تھا، کوئی جنونِ خام نہ تھا، بلکہ حضور، کون ومکان کی عظیم ترین سچائی کی مشعل لے کر اٹھے۔ انتہائی حساس قلب کے ساتھ برسوں حضور ﷺ نے زندگی کے معمے پر کاوشیں کی تھیں، غار حرا کی خلوتوں میں اپنے اندرون کا بھی مطالعہ کیا۔ اور بیرونی عالم پر بھی غور کیا، تمدن کے صلاح وفساد (امن وامان) کے اصولوں کو سمجھنے میں بھی دماغ کھپایا۔ (۱۴)

عقیدہ توحید امن وسلامتی کا ضامن:

دین اسلام کا بنیادی رکن عقیدہ توحید ہے جس کے مطابق اس دنیا کا خالق ومالک، رازق، شہنشاہ صرف ایک اللہ کی ذات ہے، باقی ساری مخلوق اس کے عاجز بندے اور دست بستہ غلام ہیں۔ جو اس کے آگے جواب دہ ہیں کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ طاقتور بن کر بندوں کا مالک بن جائے اور ان کی جان ومال عزت وناموس سے کھیلنے لگے۔ بنیادی طور پر اسلام امن وسلامتی، مساوات، عدل وانصاف اور اخوت کا مذہب ہے۔ ظلم وزیادتی، جبر وتشدد، بدامنی ودہشت گردی، خون ریزی اور غارت گری کا شدید دشمن ہے، لہذا دین اسلام کو غالب کرنے کا مطلب، امن وسلامتی، عدل وانصاف، مساوات اور اخوت کا قیام اور ظلم وزیادتی جبر وتشدد، بدامنی دہشت گردی، خون ریزی اور غارت گری کا خاتمہ اور استیصال کرتا ہے۔

عقیدہ توحید اور پر امن معاشرہ:

رسول اللہ ﷺ نے عقیدہ توحید کے ذریعے بے خوف وخطر اور پر امن زندگی گزارنے کا سبق دیا، انسان اس جرأت آموز عقیدہ کے ذریعہ ایسی فکر کا حامل ہو جاتا ہے کہ پوری کائنات مل کر اسے خوف زدہ نہیں کر سکتی، اب وہ اللہ کے سوا کسی شئے سے نہیں ڈرتا۔ دنیا میں فساد، خوف، بدامنی، دہشت گردی شرک کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَيْفَ أَخَافُ مَآ أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ عَلَيْكُمْ سُلْطَٰنًا ۚ فَأَىُّ ٱلْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِٱلْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ (۱۵)

(اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جبکہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لیے اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے ؟ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی واطمینان کا مستحق ہے؟ بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: کہ ظلم سے مراد شرک ہے۔(۱۶) عقیدہ توحید امن وامان کا ضامن اور شرک وفساد پیدا کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا ٱللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ ﴾ (۱۷)

(اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا بھی معبود ہوتے تو ان (زمین و آسمان) میں فساد پیدا ہو جاتا۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَنَّهُۥ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ ٱلْإِنسِ ﴾ (۱۸)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تشریح میں بڑی خوبصورت بات لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نفع ونقصان کا مالک نہ سمجھ کر کس طرح انسان خوف ودہشت کا شکار ہو جاتا ہے، آقا کی بجائے غلام بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال كان الجن يفرقون من الإنس كما يفرق الإنس منهم أو أشد فكان الانس إذا نزلوا واديا هرب الجن، فيقول سيد القوم نعوذ بسيد أهل الوادى فقال الجن نرا هم يفرقون منا كنا نفرق منهم فدنوا من الإنس فأصابوهم بالخبل والجنون" (۱۹)

(جاہلیت کے زمانے میں جن، انسانوں ڈرتے تھے جس طرح آج انسان، جنوں سے خوف زدہ ہیں۔ جب وہ کسی سنسان وادی میں پڑاؤ ڈالتے (تو جن ان سے ڈر کر بھاگ جاتے) مگر قوم کا نمائندہ پکار کر کہتا کہ ہم جنوں کے سردار کی پناہ مانگتے ہیں۔ جن کہنے لگے زمین کا

خلیفہ انسان نے ہم سے ڈرنا شروع کر دیا ہے اور خدا کو چھوڑ کر وہ ہم سے پناہ مانگتے ہیں۔ تو جنوں نے انسانوں کو ستانا شروع کیا اور جنون جیسی بیماریوں میں مبتلا کر دیا۔)

تعلیمات اسلام اور امن:

دین اسلا م کی تعلیمات وہدایات میں انسانی زندگی کے لیے وہ بہتر راہنمائی ہے جو نہایت خوشگوار اور خوش حال پر امن اور پر مسرت زندگی کی ضمانت ہے ، راستی وآشتی ، سلامتی وعافیت ، راحت ورحمت اور ہر طرح کی فوزوفلاح کی ضمانت ہے ، وہ دین جو نماز کیلئے وضو میں مسواک پر زیادہ اجر سناتا ہے کہ منہ سے بدبو نہ آئے تاکہ مسجد میں کھڑے ہونے والے دوسرے نمازی کو کراہت محسوس نہ ہو ، وہ دین جو حلال جانور کو بھوکا پیاسا ذبح کرنے سے منع کرتا ہے۔ وہ دین جو راہ گزر سے کانٹے دور کرنے پر ثواب بتاتا ہے تاکہ راہ چلنے والوں کو دشواری نہ ہو، وہ دین جو جانور کی محض جان تلف کرنے کیلئے شکار کو پسند نہیں کرتا۔ اور وہ دین جو کسی کی عزت ، جان ، مال کے ناحق معمولی سے نقصان کو گناہ بتاتا ہے۔ وہ دین جو انسانی زندگی کی اتنی اہمیت واضح کرتا ہے کہ جس نے ایک جان بچائی گویا اس نے تمام لوگوں کو بچالیا اور جس نے ناحق ایک جان کو مارا گویا اس نے سب کو مارا۔ اس پاکیزہ اور سلامتی والے دین سے دہشت گردی بدامنی اور ظلم وتشدد اور ناانصافی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی عبادات بھی معاملات کی طرح امن پروگرام کی تنفیذ میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اور اسلام کا ہر رکن اپنی حیثیت میں الگ طور پر امن وسلامتی کا پیغام ہے۔ باہمی مروت ورواداری کا جو سبق ارکان اسلام سے آشکارا ہے وہ اس حقیقت پر شاہدِ عدل ہے کہ اسلام اپنی تعلیمات میں قدم قدم پر امن وسلامتی کا درس دیتا ہے۔

عبادات اور حصول امن:

نماز : نماز کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ﴾ (۲۰)

(بے شک نماز فواحش اور برائیوں سے روکتی ہے۔)

نماز کئی اعتبار سے فواحش اور برائیوں سے روکتی ہے۔ انہی فواحش و منکرات کی بنا پر تنازعات اور جھگڑے جنم لیتے ہیں اور نوبت قتل وغارت تک پہنچ جاتی ہے۔ بالآخر ان سے دہشت گردی جنم لیتی ہے ۔ نماز کے اوقات کی تقسیم اور مسجد میں پانچ وقت حاضری اور اس روحانی ماحول میں وقت صرف کرنا انسان کو روحانی امن واطمینان بھی عطا کرتا ہے اور جسمانی طور پر آدمی محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں امن پسندوں کی کثیر تعداد اجتماعی طور پر امن وسلامتی کو جنم دیتی ہے۔

زکوۃ وصدقات: زکوۃ وصدقات کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿ وَٱلَّذِينَ فِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ مَّعۡلُومٞ ۝٢٤ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ ﴾ (۲۱)

(اور جن کے مال میں مقرر حصہ ہے سوالی اور محتاج کیلئے۔)

لہذا یہ حق ادا کرنے سے سرمایہ دار اور غریب، زمیندار اور ہاری، امیر و فقیر میں طبقاتی نفرت کا خاتمہ ہوتا ہے اور امیر کے دماغ سے رعونت اور تکبر مٹ جاتا ہے۔

﴿ خُذۡ مِنۡ أَمۡوَٰلِهِمۡ صَدَقَةٗ تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيهِم ﴾ (۲۲)

(ان کے مال سے صدقہ وزکوۃ لیجئے تاکہ اس کے ذریعے ان کی طہارت اور تزکیہ کریں۔)

واقعات شاہد ہیں کہ اقتدار اور حصول دولت، دہشت گردی کے دو اہم اسباب ہیں۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام دہشت گردی کو جنم دیتا ہے۔ مگر اسلام نے اس نظام پر ضرب کاری لگا کر گردش دولت کا جو سنہری ضابطہ مقرر کیا ہے اس نے انسانیت دشمن عمل کو جڑ سے اکھاڑ کر امن وسلامتی کے شجرہ طبیہ کی آبیاری کی۔

روزہ: روزہ کے اندر بھی یہی حکمت وفلسفہ پنہاں ہے کہ روزہ سے نہ صرف کہ انسان اپنے حیوانی جذبات پر قابو پاتا ہے جو اسے کسی سطح پر بھی دہشت گردی کی طرف لے جاسکتے ہیں، بلکہ اس سے فحاشی و بدکاری پر بھی ضرب کاری لگتی ہے۔

نوجوان جو بے راہ روی کا شکار ہو کر فتنہ وفساد اور اخلاقی بگاڑ کا ذریعہ بنتے ہیں ان کے متعلق آپ ﷺ فرمایا:

« يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِيعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ» (۲۳)

"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جس کے پاس بھی نکاح کرنے کی مالی وجسمانی طاقت ہو اسے نکاح لرلینا چاہیے اور جو نکاح کی طاقت نہ رکھے اسے چاہیے کہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کی خواہشاتِ نفسانی کو توڑ دے گا۔"

حج: حج جذبہ وحدت پیدا کرتا ہے اور فرق رنگ و نسل مٹاتا ہے ہر طرح کی برائیوں اور جنگ وجدل سے روکتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے :

﴿اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ﴾ (۲۴)

(حج کے مہینے معلوم و مقرر ہیں چنانچہ جس شخص نے ان (مہینوں) میں حج کو لازم کرلیا تو حج کے دوران میں وہ جنسی باتیں نہ کرے۔ اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور نہ کسی سے جھگڑا کرے۔)

ارکان اسلام پر اس طائرانہ نظر سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام اپنی تعلیمات سے اپنے ماننے والوں کو کس مرکزی اور بنیادی فکر وفلسفہ پر چلانا چاہتا ہے۔

کائنات کے تمام طبقات کیلئے خواہش امن:

احترام انسانیت : اسلام ہی ہے جس نے انسانیت کے درجہ کو بلند کیا اور قدوسیوں کے بجائے استخلاف ارض کیلئے انسان کو منتخب کیا اور اسے مسجود ملائکہ بنا کر عزت وشرف سے نوازا اور کائنات کی تمام مخلوقات سے اسے برتر بنایا۔ گویا یہ تمام تکریم اور احترام دو وجوہ کی بنا پر ہے۔

۱۔ انسانیت کا قاتل نہ ہو۔

۲۔ معاشرہ میں فساد فی الارض اور بدامنی کا مرتکب نہ ہو۔ ان دو جرائم کے ارتکاب سے اس کا احترام و منصب اور سٹیٹس ختم ہو کر اعلیٰ علیین سے اسفل سافلین تک پہنچ جائے گا۔

تاریخی طور پر اس کی توضیح اس طرح کی جاسکتی ہے:

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓاْ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ ٱلدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ (۲۵)

(جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے فرمایا: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، فرشتوں نے سب سے پہلے استفسار کیا۔ کیا آپ زمین میں ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے۔)

تو گویا انسان کی عظمت اور اس کا شرف اس میں ہے کہ وہ فساد اور بدامنی کو مرتکب نہ ہو۔ اس طرح جب فرد اور معاشرے میں بدامنی پھیلانے والے عناصر کی روک تھام ہو جاتی ہے اور وہ امن وسکون کا نگہبان اور گہوارہ بن جاتا ہے تو اسلام قومی و بین الاقوامی سطح پر امن کی کوششوں کو سراہتے ہوئے ساری انسانیت کو ایک اکائی قرار دیتا ہے، اخوت کی جہانگیری قائم کرتا ہے، رنگ و نسل کی تمیز مٹاتا اور معیار فضیلت تقویٰ کو قرار دیتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ ﴾ (۲۶)

(لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادیاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔)

فرد واحد کا قتل نوع انسانیت کا قتل:

اسلام ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل تصور کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَن قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي ٱلْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعًا ﴾ (۲۷)

(جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔)

مولانا مودودیؒ نے اسکی تفسیر میں بڑی خوبصورت توجیہ لکھی ہے:

"دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس پر کہ ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقاء و تحفظ میں مدد گار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبہ سے خالی ہے۔ لہذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے۔ جو اگر تمام افراد انسانی میں پائی جائے تو پورے نوع کا خاتمہ ہو جائے اس کے برعکس جو انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے۔ وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے۔ کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے۔ جس پر انسانیت کے بقا کا انحصار ہے۔" (۲۸)

تحفظ حیوانات برائے امن:

جانور اللہ کی بے زبان مخلوق ہیں۔ رسول اللہ نے ان پر شفقت و رحمت کی تاکید فرمائی ہے۔ عرب کے معاشرے میں ان بے زبانوں پر جو ظلم مدت سے چلے آرہے تھے وہ تمام موقوف کرادیے۔ ایک بے رحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشق تیر اندازی کرتے تھے اس سنگ دلی کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ اور جانوروں کے مثلے یعنی ان کے اعضاء کی قطع و برید کرنا بھی حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جانوروں سے نیکی کرنے کا ثواب ہے۔ تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

« فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ » (۲۹)

ہر جگر رکھنے والے (کے ساتھ نیکی) کا ثواب ہے۔

زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیتے اور اس کو پکا کر کھاتے، چنانچہ آپ اس عمل کو ملعون قرار دیا۔

« لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا» (۳۰)

آپ ﷺ نے کسی ذی روح کو باندھ کر اذیت پہنچانے کی غرض سے نشانہ بازی کرنے والے پر بھی لعنت فرمائی۔

اور اسی طرح جانوروں کو باہم لڑانے سے منع فرمایا۔

انسان کی عظمت تو بہت بلند ہے، جہاں اس کے چہرے پر مارنے سے منع کیا، وہاں جانور کے چہرے کو بد نما کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ایک دفعہ ایک گدھا راہ میں دیکھا، جس کا چہرہ داغا گیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« لَعَنَ اللهُ الَّذِي وَسَمَهُ» (۳۱)

جس نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر خدا کی لعنت۔

علالت یا بعض دیگر ضرورتوں کی بنا پر اگر داغنا پڑے تو ان اعضاء کو داغنا چاہیئے جو زیادہ نازک نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« لا تتخذوا ظهور دوابكم كراسي» (۳۲)

جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشست گاہ اور کرسی نہ بناؤ۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ اس کی پیٹھ اس کے پیٹ سے لگ ہوئی تھی (یعنی بھوکا تھا)، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اتَّقُوا اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً وَكُلُوهَا صَالِحَةً» (۳۳)

ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرو، ان پر اچھے طریقے سے سوار ہوں اور اچھے طریقے سے ان کا گوشت کھاؤ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

« كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتْ الْحُمَرَةُ فَجَعَلَتْ تُفَرِّشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا» (۳۴)

کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ اپنی کسی ضرورت کے لئے تشریف لے گئے۔ ہم نے ایک چڑیا کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے۔ ہم نے اس کے بچے پکڑ لئے چنانچہ چڑیا آئی اور ہمارے سر پر منڈلانے لگی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے اس چڑیا کو اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے تکلیف دی ہے۔ جاؤ بچوں کو وہی رکھ کر آؤ۔

جو پیغمبرِ امن جانوروں کے قتل کو پسند نہیں کرتا ان کی اذیت اور دکھ انہیں بے قرار کر دیتا ہے، وہ انسانوں کے قتل کے اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ وہ حلال جانوروں کے ذبح کے وقت بھی ایسے اصولوں کی پابندی کرواتا ہے جس سے جانور کو تکلیف نہ ہو۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ» (۳۵)

اور جب جانور کو ذبح کرو تو احسن انداز سے ذبح کرو۔ ذبح کرنے والا اپنی چھری کو تیز کرے اور جانور کو آرام پہنچائے۔

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" ثبت النهى عن قتل البهيمة بغير حق والوعيد فى ذلك فكيف بقتل الآدميّ فيكف بالمسلم فيكف بالتقى الصالح" (۳۶)

اسلام نے جانوروں کو ناحق قتل کرنے کی ممانعت فرمائی اور اس سلسلہ میں وعید ثابت ہے تو سوچیئے کہ انسان کے ناحق قتل کرنے کی کتنی مذمت ہو گی اور اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کو قتل کرنے اور اس سے آگے متقی اور نیکوکار کے قتل کی وعید کیا ہو گی۔؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لا تقتلوا الضفادع » (۳۷)

مینڈک کو بلاوجہ قتل نہ کرو۔

ایک عورت بلی کو بھوکا باندھنے کی بنا پر جہنم رسید ہوئی:

« دَخَلت امْرَأَةٌ النَّارَ في هِرَّةٍ، ربطتها، فلم تُطْعِمها، ولم تَدَعْها تأْكُل مِن خَشاشِ الأرض» (۳۸)

ایک عورت جو بلی کو بھوکا باندھنے کی بنا پر جہنم رسید ہوئی جسے اس نے کھانے کے لئے نہیں چھوڑا۔

« مَنْ قَتَلَ عُصْفُورًا عَبَثًا عَجَّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، قَالَ : يَا رَبِّ إِنَّ فُلانًا قَتَلَنِي عَبَثًا وَلَمْ يَقْتُلْنِي لِمَنْفَعَةٍ» (۳۹)

جس نے کسی چڑیا کو بے کار مار ڈالا وہ قیامت کے دن چلائے گی کہ اے رب اس نے مجھے بے کار قتل کیا ہے اور کسی نفع کے لئے نہیں قتل کیا ہے۔

تحفظ نباتات برائے امن:

کھیتیاں، باغات، اور نباتات یہ اشیاء انسانی حیات ضروریات اور حسن وزیبائش کیلئے ضروری ہیں، اور بعض تو انسانی بقا کے کام آتی ہیں، اور یہی نباتات حیوانات کی خوراک بن کر انسانوں کی غذا کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ جب کوئی قوم ان سے محروم ہو جاتی ہے تو انسانیت کیلئے خطرہ بن جاتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے کھیتی باڑی پھلوں اور باغات تلف کرنے پر پابندی لگائی ہے۔

قرآن مجید نے اس منافق اور مفسد کی تصویر کھینچی جو دنیا میں فساد چاہتا ہے اور امن کو برباد کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي ٱلْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ ٱلْحَرْثَ وَٱلنَّسْلَ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلْفَسَادَ ﴾ (۴۰)

(جب اسے اقتدار حاصل ہوتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔)

گویا نباتات، کھیتیوں اور باغات کو تباہ کرنا نسل انسانی کو تلف کرنے کے مترادف ہے اور زمین کے امن کو فساد میں بدلنے کی مذموم حرکت ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فساد کی توجیہ اس طرح فرمائی ہے:

"فَهَذَا الْمُنَافِق لَيْسَ لَهُ هِمَّة إِلَّا الْفَسَاد فِي الْأَرْض وَإِهْلَاك الْحَرْث وَهُوَ مَحَلّ نَمَاء الزُّرُوع وَالثِّمَار وَالنَّسْل وَهُوَ نِتَاج الْحَيَوَانَات الَّذِينَ لَا قِوَام لِلنَّاسِ إِلَّا بِهِمَا". (۴۱)

"اس منافق کو فساد فی الارض اور کھیتوں کی تباہی کے علاوہ کوئی کام نہیں، جبکہ کھیت، چارہ، پھلوں اور افزائش نسل کا ذریعہ ہیں۔ حیوانات کی ضروریات اور انسانوں کا نفع بھی ان سے وابستہ ہے۔"

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

«من قطع سدرةً صوب الله رأسه في النار» (۴۲)

"جس شخص نے بیری کے درخت کو کاٹا اللہ تعالی اس کے سر کو جہنم میں جھونک ڈالیں گے۔"

حرف آخر

اسلام دین فطرت ہے، جامع دائمی اور عالم گیر دستور حیات ہے۔ اور پر امن معاشرے کے قیام کا داعی، تحفظ کائنات کا امین اور تمام بنی انسان کے تحفظ کا ضامن ہے اور انسانیت کو قدر مشترک قرار دے کر اس پر متحد ہونے کی تاکید کرتا ہے۔ اور وسیع فکر و نظر کے ذریعے انسانیت کے تحفظ وبقا کے اقدامات کرتا ہے، انہیں رنگ و نسل، زبان اور علاقائیت کی جکڑ بندیوں سے آزاد کرتا ہے تاکہ وہ ان تنگنائیوں سے نکل کر انسانیت کے وسیع سائبان کے نیچے سایہ افگن ہو اور کائنات، امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے، لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب سوچ اور فکر وسیع اور آفاقی ہو گی، اور یہی اسلام کی خصوصیت ہے۔ جس کا اعلان بر ملا ہر موقع پر کیا گیا۔

پیغمبر امن ﷺ کے فرمودات اور آپ کی ذات گرامی کا کردار امن وسلامتی کا پیغام اور محبت ومودت کی عملی تصویر ہے۔ سیرت نبوی کے تمام پہلو، معاشی ہوں یا معاشرتی، سیاسی ہوں یا دفاعی، امن کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ضرورت ہے کہ غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے کتاب وسنت کی روشنی، تاریخی شواہد اور واقعاتی دلائل وبراہین کے ساتھ واضح کیا جائے کہ اسلام ایک پر امن دینِ رحمت ہے، امن سلامتی کا داعی اور کائنات کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرنے والا مذہب ہے۔ جس کی برکات سے جن وانس حتی کہ جمادات ونباتات، طیور وحیوانات بھی مستفید ہوتے ہیں۔ اور یہ ثابت کیا جائے کی کائنات میں صرف ایک ہی

شخصیت ہے جس کی فکر اور عمل امن وسلامتی کے حوالے سے مشعل راہ ہے۔ وہ صرف اور صرف حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ انہیں پیغمبر اسلام اور پیغمبر امن کہنے میں کوئی فرق نہیں پیغمبر امن کی زندگی کا کوئی قول یا فعل ایسا نہیں جو امن وسلامتی کے منافی ہو۔ یہ چیلنج پیغمبر امن کی سیرت کے علاوہ کسی اور کے کردار سے متعلق نہیں کیا جاسکتا۔

اگر ہم پیغمبر امن ﷺ کی سیرت طیبہ پر بغور نظر ڈالیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یوں تو نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے بہت سے گوشے ہیں مگر آپ ﷺ کی زندگی کا اہم گوشہ بحیثیتِ داعیِ امن واخوت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ نے تائید غیبی کے ساتھ لوگوں کو محبت واخوت کی لڑی میں پرودیا۔ جو معاشرہ انتشار وافتراق کا شکار تھا اس کو توحید الٰہی کے رشتے میں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا کہ جس کی مثال مواخات، بھائی چارے کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، ۲۰۰۳م، ص:۱/۱۶۵

۲) الزمخشری، اساس البلاغۃ، دار الفکر – ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹م ص:۲۱

۳) الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مکتبہ نزار مصطفی الباز، ص : ۱/۲۴

۴) المناوی، محمد عبد الرؤوف، التعریفات، ص:۹۴، تحقیق د. محمد رضوان الدایۃ، دار الفکر المعاصر، بیروت، دمشق، ۱۴۱۰ھ،

۵) سورۃ القریش:۴-۳

۶) تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، ص: ۶/۴۷۸

۷) سورۃ العنکبوت:۶۷

۸) سورۃ سبا:۱۸

۹) مسند ابی یعلی، مسند ابوہریرہ، ص:۱۲/۱۱۰

۱۰) الیعمری، ابن سید الناس، عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، مکتبۃ ابن عبد الوھاب السالمی ص:۲/۴۲۱

۱۱) ابن اسحاق، السیرۃ، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۴ ص:۴/۳۱

۱۲) الترمذی ابو عیسی، سنن الترمذی ، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض، کتاب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب فی التوکل علی اللہ، حدیث رقم، ۲۳۴۶، ص:۲/۲۷۴

۱۳) ابن حنبل، مسند احمد، تحقیق احمد محمد شاکر وحمزۃ الزین، ط دار الحدیث، رقم الحدیث: ۲۳۳۲۷

۱۴) نعیم صدیقی، محسن انسانیت، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ص:۲۹

۱۵) سورۃ الأنعام:۸۱

۱۶) ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر دار طیبہ ص: ۲/۱۵۲

۱۷) سورۃ الأنبیاء:۲۲

۱۸) سورۃ الجن:۶

۱۹) ابن کثیر، ص:۴/۴۲۹

۲۰) سورۃ العنکبوت:۴۵

۲۱) سورۃ المعارج:۲۵، ۲۴

۲۲) سورۃ التوبۃ:۱۰۳

۲۳) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی ﷺ من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج، ط. الریان رقم الحدیث: ۵۰۶۶

۲۴) سورۃ البقرۃ:۱۹۷

۲۵) سورۃ البقرۃ:۳۰

۲۶) سورۃ الحجرات:۱۳

۲۷) سورۃ المائدۃ:۳۲

۲۸) تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، ص: ۶/۴۷۸

۲۹) صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۱۹۰

۳۰) مسلم، صحیح مسلم، تحقیق نظر بن محمد الفاریابی أبو قتیبہ، دار طیبۃ رقم الحدیث:۳۶۲۶

۳۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث:۳۶۹۰

۳۲) مسند أحمد، قم الحدیث: ۵۰۲۹

۳۳) سنن ابوداود، کتاب الجھاد، باب مایؤمر بہ من القیام علی الدواب، رقم الحدیث: ۲۱۸۸

۳۴) سنن ابوداود، کتاب الادب، ابواب النوم، باب فی قتل الذر رقم الحدیث: ۲۳۰۰

۳۵) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۶۱۵

۳۶) ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دارالریان للتراث ص: ۱۲/۱۸۹

۳۷) مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۵۶۶

۳۸) صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۳۱۸

۳۹) مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۹۰۳۴

۴۰) سورۃ البقرہ:۲۰۵

۴۱) تفسیر ابن کثیر، ص۱/۵۶۴

۴۲) سنن ابوداؤد، کتاب الادب، ابواب النوم، باب فی قتل السدرۃ رقم الحدیث: ۵۲۳۹

****

قیام امن میں اصحابِ صفّہ کا کردار

The Role of Aṣḥāb al-Ṣuffah in the Maintenance of Peace

ڈاکٹر مرسل فرمان*

ABSTRACT

Almighty Allāh sent his messengers to lead and guide the human beings. One of the lessons we learn from the lives of the prophets and their struggles is the significance of the presence of a peaceful environment. During the lifetime of our holy Prophet Muḥammad (ﷺ), we find numerous examples for the establishment and maintainance of peace. The Arab society was famous for battles and the people were wild in nature, but, with the arrival of Islām, they became the most loving and peaceful society in the world. This article focuses on the role of Aṣḥāb al-Ṣuffah in maintaining and promoting peace. Aṣḥāb al-Ṣuffah was a group of people who stayed at the northern corner of al-Masjid al-Nabawī under the constant watch of the Prophet (ﷺ) himself. Aṣḥāb al-Ṣuffah lived in a closed proximity to the Prophet (ﷺ). They observed his life and learnt from his lectures. So, it can truly be called the first school of the Islamic history. A number of students, schooled in al-Ṣuffah were sent to the different parts of the Arabia and later, to other parts of the Islamic empire, to disseminate the message of peace and love among the people. Their efforts are a significant part of the Islamic history in the promotion of peace.

Keywords: *Seerah; Aṣḥāb al-Ṣuffah; Peace through Education; Educational Institution; Preaching*

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ ودینیۃ، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

مذہب اسلام اور امن

کسی بھی پیغمبر کی بعثت کا اساسی مقصد قیام امن نہیں بلکہ انسانیت کو رسالت کی تبلیغ ہوتا ہے۔ تاہم تبلیغ رسالت اس وقت تک پوری طرح ممکن نہیں جب تک کہ معاشرہ میں امن قائم نہ ہو اور انسانوں کے لئے ایک ایسا پر سکون اور آزاد معاشرہ موجود نہ ہو جہاں ان کے لئے رسالت کے اہداف و مقاصد اور پیغمبر پر نازل کردہ تعلیمات میں غور و فکر ممکن ہو نیز انھیں اس معاشرہ میں پیغمبر کی لائی ہوئی تعلیمات کے مطابق خدا کی عبادت کی آزادی حاصل ہو۔ اسی وجہ سے پیغمبروں نے اللہ سے امن کا سوال کیا ہے۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے "بلداً آمناً" ہونے کی دعا مانگی۔[۱] یہ ایسی نعمت ہے جو اللہ تعالی نے بار بار اہلِ مکہ پر جتلائی۔[۲] نیز جب مسلمان بد امنی کے حالات میں تھے تو اللہ نے ان سے پر امن ہونے کے وعدے فرمائے۔[۳]

مکی زندگی اور حالتِ امن

رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک تو شاید مکہ میں امن کی حالت بہتر ہو، تاہم مکی معاشرہ کے وہ افراد جو اسلام کے ساتھی بن رہے تھے ان کے لئے یہاں زندگی نہایت دشوار تھی۔ باقی جزیرۃ العرب کی حالت سخت بری تھی۔Grunebaum نے اس زمانہ میں جزیرۃ العرب میں امن کی حالت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اسی صدی جس میں اسلام کو عروج حاصل ہوا، تمام قبائل کی کل توانائیوں کا مصرف ایک دوسرے کے خلاف گوریلا جنگیں تھیں۔[۴] Herbert J. Muller کے الفاظ میں جزیرۃ العرب میں کوئی حکومت ہی نہ تھی سوائے چند خود مختار قبائل اور علاقوں کے...[۵]

رسول اللہ ﷺ جو مکہ کے امن کے لئے بعثت سے پہلے حرب فجار[۶]، حلف الفضول[۷] اور تنصیب حجرِ اسود[۸] کے ذریعہ قابلِ قدر خدمات سر انجام دے چکے تھے، بعثت کے بعد قیام امن کے لئے یہ کیا کہ اہلِ ایمان کے ساتھ مل کر کوئی ایسی پر تشدد سرگرمی کی سرپرستی نہ کریں جس سے مکہ کے امن کو نقصان پہنچے۔ اور گوریلا جنگ جو سارے عرب قبائل کے مابین عام تھی،[۹] کے سمیت امن کو نقصان پہنچانے والی کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیا۔

رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان مکہ میں تیرہ سال یکطرفہ طور پر اذیتیں برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اپنے وطن، گھر بار، رشتہ داروں اور مال و دولت سے دستبردار ہو کر تھوڑے لوگ پہلے پہل

وقتی طور پر حبشہ [۱۰] اور بعد ازاں سب مستقل طور پر مدینہ منتقل ہو گئے۔ [۱۱] ان سب قربانیوں کا بنیادی سبب صرف اور صرف ایک تھا اور وہ ایک اللہ کی آزاد اور پر امن فضا میں عبادت۔ [۱۲]

ہجرت سے پہلے اہل مدینہ کی قابل قدر تعداد، جو پہلے سے آپ سے رابطہ میں تھی، اسلام قبول کر چکی تھی [۱۳] اور آپ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک معلّم کو روانہ کر دیا تھا [۱۴]۔ اہلِ مدینہ جو باہمی جنگ و جدل سے خود کو تباہ کر بیٹھے تھے، آپ کی آمد کے بعد آپ کی قیادت پر متفق ہو گئے اور مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد جلد ہی ایک بڑی اکثریت میں تبدیل ہو گئی [۱۵]۔ اسلام کی آمد و رسول اللہ ﷺ کی قیادت کے بعد مدینہ میں داخلی استحکام حاصل ہوا اور بہت جلد اس وقت کی دنیا میں اسے قیادتی حیثیت حاصل اور بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر (اسی سے پھوٹنے والے نئے مراکز کے ذریعہ) آئندہ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک دنیا پر اس کا غلبہ رہا۔ اس نے انسانیت کے لئے مذہبی اور غیر مذہبی دونوں میدانوں میں وہ خدمات سرانجام دیں جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھوں انجام پانے والی اس عظیم کامیابی کو مائیکل ہارٹ نے عظیم ترین اور آپ کو مذہبی اور غیر مذہبی دونوں میدانوں میں دنیا کا کامیاب ترین اور سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی شخصیت قرار دیا ہے۔ [۱۶] کرۂ ارض کا وہ خطہ جو امن کے لحاظ سے دنیا میں بدترین تھا، وہی امن کا گہوارا بنا۔

آپ ﷺ کے ہاتھوں ہونے والا یہ عظیم کارنامہ یکایک اور خود بخود ہو جانے والا کوئی واقعہ نہیں بلکہ اس عظیم انقلاب کے پیچھے اللہ تعالی کی پوشیدہ منصوبہ بندی کارفرما تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جو علمی، ثقافتی اور تہذیبی ارتقاء ہو رہا ہے اور نت نئے نظریات سامنے آرہے ہیں جن کے نتیجے میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعے ہونے والے اس انقلاب کے نئے نئے پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد مل رہی ہے۔ انہی نظریات میں سے ایک نظریہ امن بذریعہ تعلیم بھی ہے۔ سیرتِ رسول ﷺ پر اگر نظر ڈالی جائے تو آپ ﷺ نے فریضۂ تبلیغ رسالت کے ساتھ ساتھ دو چیزوں (امن اور تعلیم) کا خصوصی اہتمام کیا۔ درج ذیل سطور میں اس پر روشنی ڈالی جارہی ہے:

امن بذریعۂ تعلیم کا آغاز: نظریاتی بنیادیں

مکہ میں آپ ﷺ فروغ تعلیم کے لئے کوئی ادارہ قائم کیسے کر سکتے، وہاں تو انفرادی سطح پر بھی تعلیمِ دین پر پابندی تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ اور آپ کے دین کے قائلین کو آزادانہ طریقے سے عبادت

کی بھی اجازت نہ تھی۔ تاہم اگر غور کیا جائے تو علم کی نظری بنیادیں مکی دور ہی میں مستحکم ہوئیں اور علم سے متعلق اکثر آیات مکہ ہی میں نازل ہوئیں ہیں۔ وحی کا آغاز "اقرأ" کے لفظ سے ہوا[۱۷]۔ قلم[۱۸]، قرطاس، کتابِ مسطور، رقّ منشور[۱۹] جیسے تعلیم و تعلم سے تعلق رکھنے والے الفاظ کی قسم کھائی گئی۔ عالم و جاہل برابر نہیں[۲۰]، انسان کو تھوڑا علم دیا گیا ہے[۲۱]، اللہ سے علم رکھنے والے ہی ڈرتے ہیں[۲۲]، میرے رب میرے علم میں اضافہ کر[۲۳]، سمندر سیاسی اور درخت قلم بن جائیں تو پھر بھی تیرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں[۲۴]... جیسی افکار قرآن کریم میں مکی دور میں ہی نازل ہوئیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے مکہ ہی میں کتابتِ وحی کا اہتمام شروع کر دیا تھا اور آپ ﷺ کی دسترس میں ایسے لکھے پڑھے افراد ہوتے جو وحی کو بروقت لکھ سکتے تھے۔

امن بذریعۂ تعلیم: عملی اقدامات

علم کی اہمیت کی نظری بنیادیں تو مکہ ہی میں نزول قرآن کے ذریعہ مستحکم کر دی گئیں تھیں البتہ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس سلسلے میں عملی اقدامات اٹھائے جائیں اور کچھ ایسے ادارے قائم کئے جائیں جہاں انفرادی سطح سے آگے بڑھ کر زیادہ بڑے پیمانے پر حکومتی سطح پر معاشرے کے افراد کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کر سکیں۔ علم کے فروغ کے لئے آپ ﷺ نے جہاں متعدد چھوٹے بڑے ادارے قائم کئے انھیں میں سے ایک اہم ادارہ صفّہ کا مدرسہ بھی ہے۔ یہی ہمارا اصل موضوع بھی ہے جسے قدرے تفصیل کے ساتھ زیرِ بحث لایا جائے گا:

اہلِ صفّہ

أہل الصفۃ یا أصحاب الصفۃ کے لفظی معنی "چبوترے والے" ہے[۲۵]۔ یہ دراصل رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا وہ غریب گروہ تھا جن کے گھر بار نہیں تھے اور وہ مسجد نبوی کے شمالی حصے میں مٹی کے ایک مسقف چبوترے (صُفّہ) میں مقیم تھا[۲۶]۔ رسول ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو پہلے پہل جو مہاجرین آپ کے ساتھ آئے تو انصار سے جتنا ممکن ہو سکتا تھا انھیں مواخاۃ کے ذریعہ اپنے گھروں اور مالوں میں شریک کیا۔[۲۷] لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب مہاجرین کی تعداد بہت بڑھنے لگی، اسی طرح اسلام کے پھیلنے سے مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو جس کسی کو بھی سر چھپانے کی جگہ نہ ملتی تو رسول اکرم ﷺ نے انھیں اپنی مسجد کے ایک کونے میں کچے چبوترے

(صُفّہ) کے نیچے جگہ دی۔[۲۸] روایات سے صفّۃ النساء کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے[۲۹] جہاں سے صحابیات آپ ﷺ کا خطبہ سن سکتیں تھیں[۳۰]۔ جہاں ہفتہ میں ایک دن خواتین کی تعلیم ہوتی تھی۔[۳۱]

تعداد:

اصحاب صفّہ کی تعداد متعین نہ تھی بلکہ مختلف اسباب کی وجہ سے اس میں وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ بعض روایات میں یہ تعداد ۷۰،[۳۲] جبکہ بعض نے یہ تعداد اس سے کئی گنا زیادہ بتائی ہے[۳۳]۔ تاہم اکثر روایات کا میلان اس جانب ہے کہ ان کی تعداد ۴۰۰ کے لگ بھگ تھی[۳۴]۔

تعداد میں اضافہ کا سبب مکہ سے مہاجرین کی مدینہ آمد، نئے بے یار و مددگار لوگوں کا قبول اسلام اور یا مختلف وفود کی صورت میں طالبینِ دین کا حاضر ہونا ہوتا[۳۵]۔ اسی طرح کمی کا سبب یا تو یہ ہوتا کہ آپ ﷺ صحابہ کو دعوت و جہاد کی مختلف سرگرمیوں کے لئے بھیجتے[۳۶]۔ اور یا یہ کہ صحابہ میں سے جو گھر بار والے ہو جاتے تو وہ صفّہ پر مزید بوجھ نہ بنتے۔[۳۷]

اہل صفہ میں صرف ضرورت مند صحابہ ہی نہ ہوتے بلکہ ان میں قابلِ قدر تعداد میں ایسے انصار صحابہ بھی تھے جو مدینہ میں باوجود گھر اور وسائلِ زندگی کی فراہمی کے صفّہ میں زندگی کو صرف فقر، زہد، مجاہدہ اور زیادہ سے زیادہ صحبت نبوی سے فیض اٹھانے کی وجہ سے ترجیح دیتے جیسے کعب بن مالک الأنصاری، حنظلہ بن أبی عامر الأنصاری غسیل الملائکہ[۳۸] اور حارثہ بن نعمان الأنصاری وغیرہ تاکہ وہ اس ربانی سرچشمہ سے اپنے علم کی پیاس بجھا اور اپنی روحانی تسکین کر سکیں۔[۳۹]

إنی بعثت معلماً

"إنی بعثت معلماً" ایک نہایت اہم حدیث ہے جس میں آپ نے اپنے مقصدِ بعثت کے سلسلے میں ایک نہایت اہم نکتہ بیان فرمایا ہے اور وہ ہے آپ کا بحیثیتِ معلّم یعنی تعلیم دینے والا مبعوث کیا جانا۔

اس حدیث کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ یہ مسجدِ نبوی میں قائم درسگاہِ صفّہ ہی میں موجود اصحابِ صفّہ سے مروی ہے، جب اصحابِ صفّہ کے دو گروہ – جن میں سے ایک ذکر و عبادت جبکہ دوسرا تعلیم و تعلّم میں مصروف تھا' کو دیکھ کر آپ ﷺ تعلیم و تعلّم میں مصروف گروہ کے ساتھ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ میں تو معلّم ہی مبعوث کیا گیا ہوں۔[۴۰]

صفّہ درسگاہِ تعلیمی اور روحانی تربیت گاہ

صفّہ صرف ایک درسگاہ یا صرف ایک خانقاہ ہی نہ تھی بلکہ یہ دونوں کا جامع تھی۔ یہاں آنے والے مقیم و غیر مقیم طلبہ و طالبات کو ایک طرف قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، عقائد، عربی زبان کے لکھنے پڑھنے، خوشخطی، حفظ، قراءت و تجوید وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی تو دوسری طرف انھیں تعلق باللہ، خشیتِ الٰہی، توکل علی اللہ، اللہ و رسول کی محبت، دنیا و مادیت سے بالاتر ہونا، آخرت کی اہمیت، صبر و قناعت، تدبر اور غور و فکر، عبرت و نصیحت آموزی، حکمت و دانائی، سادگی، مساوات، میانہ روی، زہد، خودداری، عفت وغیرہ کی باقاعدہ تربیت بھی دی جاتی تھی۔

عدم امتیاز:

آپ ﷺ نے اپنے عمل سے خود کو ایک عام آدمی کی حیثیت سے پیش کیا اور باوجود برگزیدہ پیغمبر و رہنما ہونے کے کبھی امتیازی معاملہ نہیں فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر تعلیم و تعلّم کی کسی سرگرمی میں حلقہ لگائے بیٹھے ہوتے تو آپ ﷺ ایک عام فرد کی حیثیت سے ان کے بیچ میں جا کر بیٹھ جاتے[۴۱]۔ اسی طرح لوگوں میں دنیوی تفاوت کی بنیاد پر کسی قسم کے امتیاز کو نہیں برتا گیا۔ جس کا اشارہ قرآنی آیت ﴿ وَلَا تَطْرُدِ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِٱلْغَدَوٰةِ وَٱلْعَشِيِّ ... ﴾[۴۲] جبکہ تفصیل خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں مذکور ہے[۴۳]۔

صحبت نبوی:

قرآنی حکم﴿ وَٱصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِٱلْغَدَوٰةِ وَٱلْعَشِيِّ ... ﴾[۴۴] کی روشنی آپ ﷺ کا یہ وطیرہ ہو گیا کہ تعلیم و تربیت کے طالبعلم کو جس وقت تک آپ کے وقت کی ضرورت ہوتی، آپ ﷺ اس کے ساتھ خود کو لازم رکھتے یہاں تک کہ وہ خود ہی اٹھ کر چلا جاتا۔[۴۵]

یہاں قیام کے دوران صحبت نبوی سے سیکھنے کے وہ قیمتی تجربات ملتے جو انھیں کہیں اور حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔ وہ اہلِ بیت کے بعد آپ ﷺ کے قریب ترین لوگ تھے۔ وہ آپ ﷺ کے پڑوسی تھے جنھیں آپ ﷺ اپنے کھانے پینے میں شریک کرتے[۴۶] اور اگر آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ ہوتا تو پھر آپ ان کے لئے اتنا فکر مند ہوتے جتنا کہ اپنے گھر کے لئے بھی نہیں[۴۷]۔ جب آپ ﷺ اور کچھ نہ پاتے تو اس وقت اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے ہاتھوں ان کی ضروریات کی تکمیل کے لئے معجزات بھی

صادر کئے[۴۸]۔ آپ ﷺ انھیں خود دین کی تعلیم دیتے[۴۹] اور اگر کوئی خشیتِ الٰہی والی آیت نازل ہوتی تو ان کے ساتھ مل کر روتے[۵۰]۔ ذیل میں آپ ﷺ کی انداز تربیت کے چند پہلو پیش خدمت ہیں:

تفکر و تدبر:

آپ ﷺ تدبر و تفکر کا اعلیٰ پیکر تھے، آپ ﷺ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: "**طويل الصمت، دائم الفكر، متواصل الأحزان**"[۵۱] آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر بھی آپ ﷺ کے اسی طرز عمل کا گہرا اثر تھا، مثلاً حضرت اَبو الدرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا پسندیدہ عمل "**التفكر والاعتبار**" تھا[۵۲]۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ ایک گھڑی تفکر و تدبر ساری رات قیام سے بہتر ہے((**تفكر ساعة خير من قيام ليلة**))[۵۳]۔

زہد:

آپ ﷺ کا زہد ایسا تھا کہ ہفتوں تک آپ ﷺ کے گھر چولہا نہ جلتا اور آپ ﷺ کی خوراک کھجور اور پانی ہوتا[۵۴]۔ آپ ﷺ کی زندگی ایسے حال میں گزر گئی کہ آپ ﷺ نے دو وقت پیٹ بھر کر نہیں کھایا[۵۵]۔ آپ ﷺ اپنے عمل سے اصحاب صفّہ کی تربیت اس طرح کرتے کہ آپ ﷺ اور آپ کی آل نے ان سے بہتر کبھی نہیں کھایا۔ اگر انھیں فاقہ کرنا پڑتا تو ان سے دگنے فاقے سے آپ خود دوچار ہوتے جیسا کہ اَبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے[۵۶]۔ اور یہی حال لباس کے معاملہ میں بھی تھا۔

خودداری و عفت:

آپ ﷺ کی پوری کوشش یہ تھی کہ اہلِ صفّہ کی ساری توجہ کا مرکز تعلیم و تربیت ہو۔ لیکن آپ ﷺ نے اس جانب بھی دھیان کیا کہ کہیں ان کی غربت ان کی عزت نفس کم نہ کر دے۔ لہٰذا ایک طرف اگر آپ ﷺ نے مالدار صحابہ رضی اللہ عنہم کو صفّہ والوں پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر ابھارا، تو دوسری طرف اہلِ صفّہ کی خودداری کا بھی خصوصی اہتمام کیا۔ انھیں بتایا کہ ان کا حالیہ فقر ان کی مستقبل کی مالداری سے بہتر ہے۔ اور ان کے بارے میں نازل ہونے والی آیت ﴿ وَلَوۡ بَسَطَ ٱللَّهُ ٱلرِّزۡقَ لِعِبَادِهِۦ لَبَغَوۡاْ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٖ مَّا يَشَآءُۚ إِنَّهُۥ بِعِبَادِهِۦ خَبِيرُۢ بَصِيرٞ ﴾[۵۷] کی تفسیر کرتے ہوئے

انھیں فرمایا کہ آج اگرچہ تم حالتِ فقر میں ہو لیکن ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ تم لوگ اپنے گھروں کو ایسا ڈھانکو گے جیسا کہ لوگ کعبہ کو ڈھانکتے ہیں اور صبح شام تمہارے لئے کھانے ہوں گے۔ اس پر اصحاب صفّہ خوش ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں فرمایا کہ ان کی حالتِ فقر زیادہ بہتر ہے کیونکہ دنیا اپنے ساتھ باہمی حسد، بغض، کینہ اور قطعِ رحمی لائے گی(۵۸)۔

عبرت آموزی:

رسول اللہ ﷺ کی اصحابِ صفّہ کے ساتھ ایک مزید خصوصیت عبرت آموزی تھی یعنی وقوع پزیر ہونے والے ہر چھوٹے بڑے واقعے سبق لینا۔ آپ ﷺ کی اسی خصوصیت کو اصحابِ صفّہ کے ایک خاص صحابی حضرت اَبو ذرّ غفاری رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ((لَقَدْتَرَكَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَتَقَلَّبُ فِي السَّمَاءِ طَائِرٌ إِلَّا ذَكَّرَنَا مِنْهُ عِلْمًا))(۵۹)۔ آپ ﷺ کی بیان کردہ عبرت آموزی کی باتیں اتنی شاندار ہیں کہ وہ عربی ادب میں مثل کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں اور اتنی زیادہ ہیں کہ امثال نبوی پر باقاعدہ کتب تصنیف کی گئی ہیں(۶۰)۔ جن میں گردوپیش کی تقریباً ہر چھوٹی بڑی چیز سے کوئی نصیحت آمیز بات اخذ کی گئی ہے۔

زیرِ تربیت صحابہ رضی اللہ عنہم پر کڑی نظر:

آپ ﷺ کی صفّہ کے چبوترے میں زیرِ تربیت صحابہ کی تربیت پر کڑی نظر ہوتی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قضاء وقدر کے موضوع پر بحث ومباحثہ میں مصروف پایا، تو آپ ﷺ سخت غصہ ہوئے اور انھیں ایسے کرنے سے سختی سے منع کیا۔ نیز فرمایا کہ گزشتہ امتیں اسی قسم کے مسائل میں الجھ کر گمراہ ہوئیں(۶۱)۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو منہ کے بل سوتا پایا، تو اس سے منع فرمایا کہ ایسا سونا اللہ کو پسند نہیں(۶۲)۔

تقرری اساتذہ :

تعلیم وتربیت کا زیادہ تر کام آپ ﷺ ہی کے گرد گھومتا تھا، تاہم تربیتِ معلمین واساتذہ بھی ایک ضروری امر تھا، تاکہ آپ ﷺ کے بعد بھی رسالت کا کام آپ ﷺ کی نیابت میں آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سرانجام دے سکیں۔ لہذا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو دوسروں کی نسبت تعلیم میں بڑھے ہوئے ہوتے،

انھیں نئے آنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی سونپتے تاکہ وہ بھی نو مسلموں سے جہالت اور ناخواندگی دور کریں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جو بہت خوش نویس تھے، کو ناخواندہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم پر متعین کیا۔[۶۳] اسی طرح عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ صفہ میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کو لکھنا سکھانے اور قرآن کریم کی تعلیم دینے پر مأمور ہوئے۔[۶۴] تعلیم کا اتنا زیادہ اہتمام تھا کہ اسیر ان بدر جو فدیہ کی سکت نہ رکھتے تھے انھیں فدیۃً پڑھانے لکھانے کا معلّم مقرر کیا گیا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو اصحابِ صفّہ میں سے ایک تھے، نے انہی سے لکھنا سیکھا۔[۶۵]

مبلغین و معلمین اسلام:

صفّہ سے فارغ التحصیل طلبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل کی تعلیم و تربیت کے لئے بھیجتے، جہاں وہ تعلیمی و دعوتی سرگرمیاں سرانجام دیتے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیر معونہ کے مشہور واقعہ میں ستّر قراء قرآن کو بھیجا[۶۶]۔ اسی طرح جب مختلف قبائلی وفود آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی خاص تربیت یافتہ صحابی رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ اس لئے بھیجتے تاکہ وہ ان کی دینی تعلیم کا بندوبست کریں۔[۶۷]

ہیروز کی نرسی (مدرسہ صُفّہ ہی وہ نرسری تھی)

قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو امت کے لئے نمونہ قرار دیا ہے[۶۸] جبکہ ایک مستشرق فلپ ہٹی نے کو انھیں Nursery of Heroes کے الفاظ سے موصوف کیا ہے۔[۶۹] اصحابِ صفّہ میں سے چند اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیش کیا جاتا ہے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خصوصی لقب عطا کیا تھا۔

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ امت کے بڑے قرآن دان[۷۰]، اَبو الدرداء رضی اللہ عنہ امت کے حکمت دان[۷۱]، اَبو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اَمین الأمۃ[۷۲]، سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ سابق الفرس[۷۳] اور ایسے شخص کہ اگر ایمان ثریا پر بھی ہوتا تو وہ اسے پالیتے[۷۴]، حذیفۃ بن یمان رضی اللہ عنہ رازدانِ نبی[۷۵]، صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ رومیوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے[۷۶]، بلال رضی اللہ عنہ مؤذن الرسول اور غلاموں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے[۷۷]، اَبو ذر غفاری رضی اللہ عنہ امت کے سب سے سچے اور زاہد ترین افراد میں سے[۷۸]، حنظلۃ رضی اللہ عنہ فرشتوں کے غسل یافتہ[۷۹]، ... اسی طرح دونوں بار کے جمع القرآن کے سرپرست زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سب سے زیادہ حدیث روایت کرنے والے پہلے تین صحابہ اَبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ

(عہد عمر میں گورنر بحرین اور حضرت معاویہ کے عہد میں گورنر مدینہ)، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (عہد عمر میں کوفہ میں معلم قرآن)، ابن القرت رضی اللہ عنہ (عہد عمر میں گورنرِ حمص)... اصحابِ صفّہ ہی میں سے تھے۔

یہ اور ان جیسے دیگر لاکھوں ہیرو صحابہ رضی اللہ عنہم جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی و روحانی کیاری (صفّہ) میں اُگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھوں نے اسلام کی وہ تاریخ بنائی جو آج ہمارے سامنے ہے۔ ویسے تو ان کی خدمات بہت زیادہ ہیں تاہم موضوع کی مناسبت سے قیام یا بقاءِ امن میں ان کی خدمات کو سامنے لانے کی کوشش کی جائے گی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم برائے امن کی کامیاب پالیسی کی وضاحت ہو سکے:

وصالِ رسول کے بعد امت کو شیرازہ بندیوں سے بچانے کے لئے اصحابِ صفّہ کی خدمات

جمع القرآن اور اصحاب صفّہ: قرآن، امتِ اسلامیہ کا فکری مرکز و مصدر ہے۔ اگر قرآن محفوظ حالت میں نہ ہوتا تو امت کے پاس ایسی کوئی رسّی نہ ہوتی جسے وہ مشترکہ طور پر تھام سکتی۔ حفاظتِ قرآن میں صفّہ کی دیگر خدمات اپنی جگہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں کے عہد میں ہونے والے جمع القرآن کی ذمہ داری حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہی سونپی گئی جو اصحابِ صفّہ کی فارغ التحصیل ایک نامور شخصیت تھے۔ نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہونے والے جمع القرآن پر انھیں اس پر ابھارنے والی شخصیت حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ بھی اہلِ صفّہ ہی میں سے تھے۔ (۸۰)

تین سب سے زیادہ رواۃ حدیث: اسی طرح اگر حدیث کے میدان میں بھی دیکھا جائے تو پہلے تین صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایات کی تعداد سب سے زیادہ ہے وہ اصحابِ صفّہ میں سے ہیں۔ اسی طرح پہلے دس مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی ایک بڑی تعداد انہی کی ہے۔

یہی حال ائمۂ تفسیر (عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہما)، فقہ قراءات اور دیگر علومِ اسلامیہ کا بھی ہے۔

اصحاب صفہ اور داخلی امن

اصحابِ صفّہ نے ایک طرف ذکر و عبادت، تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کیا تو دوسری طرف اگر مدینہ میں قائم اسلامی حکومت کو کسی قسم کا خطرہ درپیش ہوتا تو ایسی صورت میں کسی

قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ اَبو عبیدہ بن الجراح[۸۱]، عبد اللہ بن رواحہ[۸۲]، عبادہ بن صامت[۸۳]، مصعب بن عمیر[۸۴]، سعد بن اَبی وقاص[۸۵]، اَبو مرثد[۸۶]، حنظلہ بن اَبی عامر غسیل الملائکۃ[۸۷]، عامر بن ثابت[۸۸]، زید بن خطاب[۸۹] رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اور ان کے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد اصحابِ صفّہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ میں سے ہے، جنہوں سے دین کی راہ میں قربانیاں دیں۔ بیر معونہ میں ستّر[۹۰] اسی طرح جنگ یمامہ میں بھی ستر کی تعداد میں قراء شہید کئے گئے۔[۹۱]

اصحابِ صفّہ بحیثیت بیوکریٹس

اپنے علم کی بدولت اصحاب صفّہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کو بعد ازاں پالیسی میکرز کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس کی ہم چند مثالیں پیش کریں گے۔ حضرت ابو الدرداء رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فتنوں میں گرفتار ہونے کے ڈر سے حجاز چھوڑ کر شام چلے آئے اور یہاں لوگوں کی دینی تعلیم و تربیت کا مرکز بنے۔ حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے عہد میں آپ دمشق کے قاضی بنے اور جب بھی حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ شام سے باہر جاتے تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہی کو اپنا قائمقام بنا جاتے۔[۹۲]

انہی صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ میں سے ایک ابو عبیدہ بن الجراح رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بھی ہیں جنھوں نے کئی نازک موقعوں پر حالات کو امن سے رکھنے میں اہم کردار ادا کیا مثلاً آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے بعد قریش میں سے انتخابِ خلیفہ پر انصار کو پر امن رکھنے میں[۹۳] اسی طرح ایک موقع پر حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے ساتھ غزوۂ ذات السلاسل کے دوران اختلاف کی صورت میں انھیں بے چون و چرا اَمیر مان لیا اور انھیں کہا کہ اگر آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے میری مخالفت بھی کی تو میں آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی اطاعت کروں گا[۹۴]۔ بعد ازاں آپ کو دمشق کی امارت بھی تفویض کی گئی۔[۹۵]

اسی طرح حضرت اَبو ہریرۃ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے بحرین کا والی بھی بنایا۔ عہد معاویہ میں مدینہ کے والی مروان کبھی کبھی انھیں اپنا قائمقام بنایا کرتے تھے۔[۹۶]

حضرت سلمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ جو غزوۂ احزاب میں خندق کھودنے کی کامیاب رائے دینے والے تھے، بعد میں بھی اسلام کی خدمت کرتے رہے اور عہدِ عمر میں مدائن کے والی بنائے گئے۔[۹۷]

یہ صفّہ سے تعلق رکھنے والے صحابی حذیفہ بن یمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہی تھے جنھوں نے حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو لوگوں کے درمیان اختلافِ قراءت کی وجہ سے جمعِ قرآن ثانی پر ابھارا۔[۹۸]

صفّہ سے مستفید تمام اصحاب کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو انھوں نے اسلامی دنیا کے مختلف شعبوں میں اہم کردار ادا کئے۔ اختصار کی غرض سے یہاں صرف ان کے ناموں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کوفہ کے امیر (۹۹)، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کے قاضی اور وزیر بنائے گئے۔ یہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی تھے جس کے طفیل کوفہ اسلامی دنیا کا ایک عظیم علمی مرکز بنا(۱۰۰)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے قاضی و معلم تھے۔(۱۰۱)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور انتخابِ خلیفۂ اول

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور انتخابِ خلیفہ امتِ مسلمہ کے لئے سب سے بڑا سانحہ تھا اور قریب تھا کہ اسلام کی تاریخ بننے سے پہلے ہی ختم ہو جائے۔ اس وقت مدینہ کی اکثریت انصار اور مکہ سے آئے ہوئے مہاجرین رضی اللہ عنہم کے درمیان خلیفہ کے انتخاب پر شدید اختلاف تھا اور یہ اختلاف کسی بھی بڑے بحران اور باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت کا سبب بن سکتا تھا۔ انصار رضی اللہ عنہم کے سردار اس وقت کسی صورت یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ خلیفہ کا انتخاب مہاجرین رضی اللہ عنہم میں سے ہو۔ اس نازک صورتحال میں اصحابِ صفّہ سے تعلق رکھنے والے ایک انصاری صحابی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصار کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہوئے کہ خلیفہ مہاجرین میں سے ہو۔ ان نے اپنی اس دلیل کے ذریعے انصار رضی اللہ عنہم کو لاجواب کر دیا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجر تھے اور ہم ان کے مددگار تھے اور اب رسول کا خلیفہ بھی مہاجرین میں سے ہی ہو گا اور ہم ان کے مددگار (یعنی انصار) ہی ہوں گے"۔(۱۰۲)

اصحابِ صفہ اور فتن

سرزمین عرب جنگ و جدل کی سرزمین رہی ہے۔ یہاں قتل و غارت کی حالت یہ رہی ہے کہ معمولی باتوں پر قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے اور صدیوں تک جنگیں ختم ہونے کا نام نہ لیتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت سے تھوڑا پہلے یہاں جنگ بعاث ہوئی۔(۱۰۳)

بعثت نبوی کے بعد کچھ وقت کے لئے جنگ و قتل و غارت کی یہ فضا پسِ منظر میں چلی گئی اور وہ لوگ جو کینہ، بغض، حسد، نفرت، حسب و نسب کے لئے لڑتے تھے وہ دین کی راہ میں لڑنے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حقیقت کا گہرا ادراک تھا کہ سارے جزیرۃ العرب میں اسلام کے غلبہ کے بعد نئے مسلمان ہونے والے عرب قبائل جن کی ابھی ویسے تربیت نہیں ہوئی ہو گی، میں دوبارہ مختلف

اسباب سے قبائلیت عصبیت کے واپس آنے کا امکان ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو سختی کے ساتھ باہمی جنگوں میں شرکت سے منع کیا تھا۔ ذیل میں اصحابِ صفّہ سے ہی روایت کردہ بعض احادیث کریمہ اور پھر بعض اصحابِ صفّہ کا مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کے موقف کا جائزہ لیتے ہیں:

صحابیٔ رسول اور اصحابِ صفّہ میں سے ایک حضرت ابو ذرّ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے دوست رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کی ہے کہ اگر تمہارا امیر ایک اعضاء کٹا غلام ہی کیوں نہ ہو، تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو[۱۰۴]۔ اسی طرح ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہو گا کہ جب لوگ تمہیں مدینے سے نکال دیں گے تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ارض مقدس آجاؤں گا۔ فرمایا کہ اگر وہاں سے نکال دیں؟ جواب دیا کہ مدینہ آجاؤں گا۔ پوچھا: اگر وہاں سے بھی نکال دیں؟ جواب دیا کہ پھر تو میں لڑوں گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ سنو اور اطاعت کرو چاہے امیر ایک غلام ہی کیوں نہ ہو۔[۱۰۵]

اسی طرح ایک اور صحابی اور اہل صفہ میں سے ایک حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اصحابِ صفہ کے پاس تشریف لائے اور لوگوں کو ترغیب و ترہیب والا وعظ کیا پھر فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ اور اپنے والی کی اطاعت کرو اور اس کے ساتھ تنازعہ نہ کرو چاہے وہ ایک سیاہ غلام ہی کیوں نہ ہو۔[۱۰۶]

اصحابِ صفہ میں سے ایک مشہور صحابی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو مسلمانوں میں باہمی طور پر لڑنے والے تمام گروہوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ ان کے ساتھ بھی نماز پڑھتے ہیں اور ان کے ساتھ بھی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جو بھی ہمیں حی علی الصلاۃ یا حی علی الفلاح کہے گا تو ہم ضرور اس کی دعوت کا جواب دیں گے۔ لیکن جو ہمیں مسلمان بھائی کے قتل اور اس کا مال چھیننے کی دعوت دے گا، تو نہیں[۱۰۷]۔ اسی طرح آپ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حجّاج بن یوسف کے مابین ہونے والی لڑائیوں سے بھی الگ رہے۔ اہل مدینہ نے جب یزید بن معاویہ، جس کی اہل مدینہ بیعت کر چکے تھے، کی بیعت سے دستبرداری کا ارادہ کیا تو اس وقت بھی آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کو جمع کیا اور بیعت سے دستبردار ہونے سے سختی سے روکا اور ایسا کرنے والے کو قطع تعلق کی دھمکی دی۔[۱۰۸]

اسی طرح کی روایات[۱۰۹] حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور دیگر صفّہ سے تعلق رکھنے اور نہ رکھنے والے

صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ہیں۔ انہی میں سے سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ عنہ، صہیب رومی رضی اللہ عنہ، شداد بن اَوس رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ان تمام باہمی جنگوں سے دور رہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسجدِ نبوی اور صفّہ میں مقیم اور غیر مقیم صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو تعلیم اور تربیت دی تھی اس کا اس وقت کی اسلامی دنیا میں امن کے قیام کا گہرا اثر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف اگرچہ یہ جنگیں جاری رہیں تو اس کے پہلو بہ پہلو اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اسلامی علوم نے بہت زیادہ ترقی کی۔ اگر امن کے میدان میں یہ صحابہ رضی اللہ عنہم دعوتی و علمی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے ساری دنیا میں نہ پھیلتے تو کبھی بھی ہمارے سامنے اسلام کی وہ عظیم تاریخ نہ ہوتی جو کہ آج ہے۔

صفہ، بے روزگاری اور امن

جزیرۃ العرب زمانۂ قدیم میں ان ممالک میں سے تھا جہاں کم بارش، زمین کا قابلِ زراعت نہ ہونا، بدامنی اور دیگر مختلف اسباب کی وجہ سے اہلِ عرب غربت، افلاس اور بے روزگاری میں گھرے ہوئے تھے۔ نیتجتاً لوگوں کی معیشت کا ایک بڑا ذریعہ چوری اور ڈاکہ تھا۔ انھیں لوگوں میں سے جنھوں نے شہرت پائی وہ صعالیک کے نام سے مشہور ہوئے۔[۱۱۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خود لڑکپن میں چرواہے[۱۱۱] اور نوجوانی میں تجارت کے پیشے سے منسلک رہ چکے تھے[۱۱۲] اور اہلِ عرب کی زندگی کے اس پہلو سے بخوبی واقف تھے - نے بھیک مانگنے کی شناعت[۱۱۳] انسان کے اپنے ہاتھ سے کمائے ہوئے حلال رزق کی تعظیم کی اور اسے پیغمبرانہ شیوہ قرار دیا۔[۱۱۴]

جزیرۃ العرب کے وہی جوان جنھیں کوئی سیدھی راہ دکھانے والا نہیں تھا اور وہ اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی نہ پا کر بھٹک جاتے اور اپنی اور دوسروں کی زندگی کے لئے خطرہ بنتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کے بعد صفّہ میں مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان نوجوانوں کو بھی رہنے کے لئے جگہ دی اور ممکن حد تک انھیں ضروریات زندگی فراہم کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں ان کے لئے تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحرا میں موجود ان ہیروں کو تراشا اور جزیرۃ العرب کے وہی افراد جو اپنے اور دیگر اہلِ عرب کے وجود کے لئے خطرہ تھے، معاشرہ اور انسانیت کے لئے مفید اور کارآمد بنایا۔

نیز آپ ﷺ نے بارہا اپنے عمل سے لوگوں کو عملاً اپنا پاؤں پر کھڑا ہونا سکھایا۔ مثلاً ایک مرتبہ ایک سوالی کو آپ ﷺ نے گھر سے سب کچھ لانے کو کہا۔ وہ سامان آپ ﷺ نے وہیں دو درہم میں بیچ دیا اور ان پیسوں سے اس کے لئے ایک درہم کی کلہاڑی خریدی اور ایک درہم اسے دیا کہ اپنے لئے کھانا خریدے۔ نیز اسے کہا کہ اس کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹو اور بیچو۔ اور یہ بھی کہ میں تمہیں ۱۵ دن تک نہ دیکھوں۔ وہ جب دوبارہ آیا تو اس کے پاس ۱۰ درہم تھے جس سے اس نے کپڑا اور کھانا خریدا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھانا اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن تم اس حال میں اٹھو کہ تمہارے چہرے پر ایک سیاہ داغ ہو۔ (۱۱۵)

آپ ﷺ کی اسی نظری اور عملی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کی صحبت سے مستفید نسل اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی اور جیسا کہ مکرر گزرا ہے کہ صفّہ سے فارغ التحصیل صحابہ رضی اللہ عنہم بہت جلد مختلف اداروں مثلاً گورنر، والی، قاضی، معلمین، داعی، اور مختلف عسکری خدمات وغیرہ کے عہدوں پر فائز ہوئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جزیرۃ العرب پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ لوگ زکاۃ اور خیرات کے پیسے لے کر گھومتے لیکن اس کا لینے والا کسی کو نہ پاتے (۱۱۶)۔ اور یہ یقیناً دوسرے اسباب کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی دو طرفہ تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ اولاً ہر صاحبِ مال زکاۃ و خیرات دے اور دوم یہ کہ سوال اور بھیک مانگنے کی شناعت اور اپنے ہاتھ سے کمائے گئے مال کی فضیلت۔

صفہ، سرچشمۂ تصوف

اہلِ صفّہ کی شخصیت کا ایک خاص پہلو ان کا اللہ اور اس کے رسول سے محبت، دنیا سے بے رغبتی، مادّی اغراض سے بالاتر ہونا، خواہشات پر قابو پاتے ہوئے سنت سے موافق زندگی گزارنا، مصرف اوقات کو ذکر و عبادت بنانا، غور و فکر اور عبرت آموزی، کوشش کرنا کہ زندگی کا ادنی سے ادنی پہلو بھی سنت کے خلاف نہ ہو۔ نیز خدمتِ خلق میں ہمہ تن تیار رہنا، زیادہ سے زیادہ دعوت و اصلاح کی سرگرمیوں میں پیش پیش رہنا... اصحابِ صفّہ کی سادہ و ربانی زندگی اتنی پرکشش ہوتی کہ لوگ جوق در جوق ان کا پیغام سننے کے لئے خود حاضر ہوتے۔ (۱۱۷)

گزشتہ چودہ سو سال کے دوران پے در پے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جنھوں نے اپنے بس کے

مطابق یہ کوشش کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت و اطاعت میں اہلِ صفّہ کے درجہ کا سا کمال پیدا کریں اور انسانیت کے لئے سراپا امن اور خیر خواہی بنیں۔ گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران پیدا ہونے صوفیاء نے کروڑوں روحوں کو فیضیاب اور انھیں اسلام کے نور سے روشن کیا ہے۔[۱۱۸]

اہلِ تصوف کے نظریات و افکار کے ساتھ اختلاف یا اتفاق ایک مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے تاہم اس بات میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ دنیا کے مختلف حصوں میں پرامن طریقوں سے اسلام کی دعوت کو پہنچانے میں صوفیاء کا ایک اہم کردار رہا ہے۔ ترکی ہو یا افریقہ، ایران ہو یا ہندوستان، دنیا کے تمام مقامات میں انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔[۱۱۹]

متعدد علماء کی جانب سے لعن و طعن[۱۲۰] کے باوجود، لاکھوں لوگ جو ایک طرف تو کسی خاص فقہی مسلک سے منسلک ہوتے ہیں تو دوسری طرف کسی نہ کسی سلسلۂ تصوف سے بھی بیعت شدہ ہوتے ہیں۔ ان کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا کہ وہ طریقت سے منسلک کسی ماہر عالم (مرشد) سے اپنی داخلی اصلاح، تربیتِ اخلاق اور صفائے قلب کر سکیں۔

اہلِ تصوف جو اپنا روحانی نسب اہلِ صفّہ سے جوڑتے ہیں ان کا اصحابِ صفّہ کی سی سادہ زندگی، اخلاق و اطوار اپنانا عوام الناس کے لئے بہت پرکشش ہوتا ہے۔ ان کی بے غرضانہ زندگی انھیں ہر طبقہ سے جوڑے رہتی ہے۔ ان کا شفیق، حلیم اور خیر خواہ ہونا دنیا کے کسی بھی مسلک کے ماننے والوں کے لئے انھیں محترم رکھتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں صوفیاء نہ پہنچے ہوں اور دنیا کے تمام ادیان کے پیروکار یکساں طور پر ان کی عزت کرتے ہیں۔

نتائج

۱- جہالت اور ناخواندگی کسی بھی معاشرہ میں عدم برداشت، انتہا پسندی، جنونیت، سختی اور دہشت گردی کو فروغ دینے میں اشتعال انگیز عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جدید تحقیقات حتمی طور پر یہ ثابت کرتی ہیں کہ تعلیم اور امن کا باہم نہایت گہرا رشتہ ہے۔ پوری دنیا پر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو بدامنی اور جہالت اور ناخواندگی کی شرح میں راست تناسب نظر آتا ہے اس طرح سے کہ اگر ایک کی شرح بلند ہو تو یقیناً دوسری کی شرح میں بلند ہوتی نظر آتی ہے۔ مثلاً اگر جنوبی ایشیا اور افریقہ دونوں میں جہالت اور ناخواندگی کی شرح جتنی زیادہ ہے اتنی ہی بدامنی کا تناسب بھی بلند ہے۔ اس کے برعکس یورپ، امریکہ اور

آسٹریلیا میں جہالت وناخواندگی اور بدامنی دونوں کی شرح یکساں کم ہے۔

۲- بدامنی صرف حال ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ اسلام نے جس خطۂ ارض پر جنم لیا وہ اپنے وقت امن کے لحاظ سے دنیا کا خطرناک ترین خطہ تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے دعوت کا کام تقریباً ۲۳ سال تک کیا۔ اس دوران آپ نے جس موضوعات پر سب سے زیادہ زور دیا ان میں ایک تعلیم بھی تھا۔ ہجرت کے فوراً بعد آپ ﷺ کے ابتدائی کاموں میں سے ایک مسجدِ نبوی اور صفّہ کا قیام بھی تھا۔

۳- صفّہ میں آپ ﷺ نے مکہ و مدینہ بالخصوص اور جزیرۃ العرب کے بالعموم گھر بار نہ رکھنے والے نوجوانوں کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ انھیں علمی وروحانی تربیت دے کر ایک ٹیم تشکیل کی۔

۴- آپ ﷺ کی زیرِ صحبت یہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد کارنمایاں سرانجام دیئے جن میں باہمی لڑائیوں سے اعتزال اور دوسروں کو اس سے الگ رہنے کی دعوت، نازک موڑوں میں معتدل و پرامن رہنے، سیاسی تنازعات میں حصّہ نہ لینے اور دوسروں اس سے منع کرنا شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے سیرت و کردار سے کچھ ایسی سادہ اور پرامن طرزِ زندگی سے اسلام کی دعوت دینا کہ یہ اور امن ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہو جائے جسے آج کی اصطلاح میں تصوف کہتے ہیں۔ نیز اصحابِ صفّہ نے اس وقت کی قائم حکومت میں ایک اعلیٰ بیوروکریسی کا سا کردار ادا کیا اور گورنر، والی، کمانڈر، جج و معلّم بن کر آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو نہایت وسیع پیمانے پر فروغ دیا۔

۵- مسلمانوں کے لئے اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ ان کی آبادی دودھاری تلوار ہے اور اگر وہ اس آبادی کو ایک تخلیقی نسل میں تبدیل نہیں کریں گے تو یہ انھیں ہی کاٹ ڈالی گی، جیسا کہ آج اسلامی ممالک میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) سورۃ البقرۃ:۱۲۶

۲) سورۃ القصص:۵۷؛سورۃ العنکبوت:۶۷؛سورۃ الأنفال:۲۶؛سورۃ البقرۃ:۱۲۶

۳) سورۃ النور:۵۵؛سورۃ الفتح:۲۷

4) Classical Islam - A History, G. E. Grunebaum, 1970, p.

5) The Loom of History, Herbert J. Muller, 1958, p.

۶) السیرۃ النبویۃ،ابن ہشام، تحقیق:مصطفی السقاوغیرہ، ط۲: ۱۹۵۵ء، مکتبۃ مصطفی البابی وأولادہ، مصر، ص:۱/۱۸۶

۷) سیرۃ ابن ہشام،۱/۱۳۴

۸) سیرۃ ابن ہشام،۱/۱۹۷

9) Classical Islam – A History, G. E. Grunebaum, 1970, p.

۱۰) سیرۃ ابن ہشام، ۱/۳۲۱-۳۲۲

۱۱) سیرۃ ابن ہشام، ۱/۴۶۸-۴۸۰

۱۲) سورۃ الحج:۴۰؛ سورۃ الحشر:۸

۱۳) سیرۃ ابن ہشام، ۱/۴۲۸-۴۳۰

۱۴) سیرۃ ابن ہشام، ۱/۴۳۴

۱۵) سیرۃ ابن ہشام، ۱/۵۰۰

16) The 100: Ranking of the Most Influential Persons in History, Michael H. Hart, Carol Publishing Group, NY, p.3

۱۷) سورۃ العلق:۱-۵

۱۸) سورۃ القلم:۱

۱۹) سورۃ الطور:۱-۳

۲۰) سورۃ الزمر:۹

۲۱) سورۃ الإسراء:۸۵

۲۲) سورۃ فاطر:۲۸

۲۳) سورۃ طہ:۱۱۴

۲۴) سورۃ لقمان: ۲۷

۲۵) لسان العرب، محمد بن مکرم، ط۳: ۱۴۱۴ء، دار صادر، بیروت، مادہ: صفف، ۹/ ۱۹۵

۲۶) الطبقات الکبری، ابن سعد، تحقیق: عبد القادر عطا، ط۱: ۱۹۹۰ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱/ ۱۹۶

۲۷) الفتاوی الکبری، ابن تیمیہ، ط۱: ۱۹۸۷ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲/ ۸۱

۲۸) أیضاً؛ السنن الکبری للبیہقی، تحقیق: عبد القادر عطا، ط۳: ۲۰۰۳ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، کتاب الصلاۃ، باب المسلم یبیت فی المسجد

۲۹) سنن أبی داوٗد، لأبی داوٗد، تحقیق محمد محی الدین، ط: المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت، کتاب الحدود، باب مایقطع فیہ السارق

۳۰) مسند أحمد، لأحمد بن حنبل، تحقیق: شعیب الأرنؤوط وآخرون، ط۱: ۲۰۰۱ء، مؤسسۃ الرسالۃ، ۴۵/ ۱۰۰

۳۱) صحیح البخاری، للإمام البخاری، تحقیق: محمد زہیر، ط۱: ۱۴۲۲ھ، دار طوق النجاۃ، کتاب العلم، باب ہل یجعل للنساء یوم علی حدۃ فی العلم

۳۲) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب نوم الرجال فی المسجد

۳۳) فتح الباری، ابن حجر، ط: ۱۳۷۹ء، دار المعرفہ، بیروت، ۱۱/ ۲۸۷

۳۴) مجموع الفتاوی، ابن تیمیہ، تحقیق: عبد الرحمن بن محمد، ط: ۱۹۹۵ء، مطبع الملک فہد، السعودیۃ، ۱۱/ ۴۱؛ تفسیر جلالین، جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی، ط۱: دار الحدیث، القاہرۃ، ص ۶۱

۳۵) حلیۃ الأولیاء، لأبی نعیم، ط: ۱۹۷۲ء، دار السعادۃ، مصر، ۳/ ۳۴۸

۳۶) صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونۃ...؛ صحیح مسلم، للإمام مسلم، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی، ط: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، کتاب الإمارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید

۳۷) حلیۃ الأولیاء، ۱/ ۳۴۰؛ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، أکرم ضیاء العمری، ط۶: ۱۹۹۶ء، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ، ۱/ ۲۶۰

۳۸) حلیۃ الأولیاء، ۱/ ۳۵۷

۳۹) السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، ۱/ ۲۵۹

۴۰) سنن ابن ماجہ، لابن ماجہ، محمد فؤاد عبد الباقی، ط: دار إحیاء الکتب العربیۃ، افتتاح الکتاب فی الإیمان، باب فضل العلماء والحث علی العلم

۴۱) سنن ابن ماجہ، افتتاح الکتاب فی الإیمان، باب فضل العلماء والحث علی العلم؛ حلیۃ الأولیاء، ۱/ ۳۴۲

۴۲) سورۃ الأنعام:۵۲

۴۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب مجالسۃ الفقراء

۴۴) سورۃ الکہف:۲۸

۴۵) حلیۃ الأولیاء، ۱/۱۴۶

۴۶) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ

۴۷) مسند الحمیدی، للحمیدی، ط۱: ۱۹۹۶ء، دار السقا، سوریا، أحادیث علی بن أبی طالب

۴۸) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ

۴۹) المعجم الکبیر، للطبرانی، تحقیق: حمدی بن عبد الحمید، ط۲: مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ، ۲۵/۱۰۶

۵۰) الترغیب فی فضائل الأعمال وثواب ذلک، ابن شاہین، ص۷۷

۵۱) معرفۃ الصحابۃ، لابن نعیم، تحقیق: عادل بن یوسف، ط۱: ۱۹۹۸ء، دار الوطن للنشر، الریاض، ۵/۲۷۵۱

۵۲) تاریخ دمشق، ابن عساکر، تحقیق: عمرو بن غرامۃ، ط: ۱۹۹۵ء، دار الفکر، بیروت، ۴۷/۱۴۹

۵۳) سیر أعلام النبلاء، محمد بن أحمد الذہبی، ط: ۲۰۰۶ء، دار الحدیث، القاہرۃ، ۴/۲۰

۵۴) وقالت أيضا رضي الله عنها :(إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ ، ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ ، وَمَا أُوقِدَ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَارٌ ، فسئلت : فَمَا كَانَ يُعَيِّشُكُمْ ؟ قَالَتْ : الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ ، إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ جِيرَانٌ مِنْ الْأَنْصَارِ وَكَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ ، فَكَانُوا يُرْسِلُونَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ أَلْبَانِهَا فَيَسْقِينَاهُ)[صحیح البخاری، کتاب الہبۃ وفضلہا]

۵۵) لَقَدْ مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَزَيْتٍ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ)[صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق]

۵۶) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی

۵۷) سورۃ الشوری:۲۷

۵۸) المستدرک علی الصحیحین، للحاکم، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، ط۱: ۱۹۹۰ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، کتاب الہجرۃ، ۳/۱۶؛ حلیۃ الأولیاء، ۱/۳۴۰

۵۹) مسند أحمد، ۳۵/۳۴۶

۶۰) أمثال الحدیث، الرامہرمزی، تحقیق: أحمد عبد الفتاح، ط۱: ۱۴۰۹ء، دار الکتب الثقافیۃ، بیروت

۶۱) سنن ترمذی، للإمام الترمذی، تحقیق أحمد محمد شاکر، ط۲: ۱۹۷۵ء، مطبعۃ مصطفی البابی، مصر، کتاب أبواب القدر، باب ماجاء فی التشدید فی الخوض فی القدر

۶۲) سنن أبي داوٗد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینطبح علی بطنہ؛ جامع معمر بن راشد، باب الضجعۃ علی البطن

۶۳) الاستیعاب، ۳/۹۲۰

۶۴) أبو داوٗد، کتاب البیوع، باب کسب العلم؛ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الأجر علی تعلیم القرآن

۶۵) الطبقات الکبری، ۲/۱۶

۶۶) صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونۃ...؛ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشھید

۶۷) التراتیب الإداریۃ، الکتانی، تحقیق: عبداللہ الخالدی، ط۲: دار الأرقم، بیروت، ۱/۱۰۸

۶۸) سورۃ البقرۃ:۱۳۸

69) The Arabs: A Short History، Philip K. Hitti، p.42

۷۰) مسند أحمد، ۲۰/۲۵۲

۷۱) مسند الحارث، الحارث بن محمد، تحقیق: حسین أحمد صالح الباکری، ط۱: ۱۹۹۲ء، مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ، المدینۃ المنورۃ، ۲/۹۲۵

۷۲) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قصۃ أہل نجران

۷۳) المستدرک علی الصحیحین، ۳/۳۲۱

۷۴) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ: "وآخرین منھم لما یلحقوا بھم..."

۷۵) أسد الغابۃ، فی معرفۃ الصحابۃ، لابن الأثیر، تحقیق: علی محمد معوض وعادل أحمد عبد الموجود، ط۱: ۱۹۹۴ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱/۴۶۸

۷۶) أسد الغابۃ، ۲/۴۲۰

۷۷) الطبقات الکبری، ۳/۱۷۵

۷۸) أسد الغابۃ، ۱/۵۶۲

۷۹) مسند أحمد، ۳/۵۰۰

۸۰) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن

۸۱) الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، ابن عبد البر، تحقیق: علی محمد البجاوی، ط۱: ۱۹۹۲ء، دار الجیل، بیروت، ۴/۱۷۷۷ وبعدہ

۸۲) الاستیعاب، ۳/۸۹۸وبعدہ

۸۳) الاستیعاب، ۲/۸۰۷وبعدہ

۸۴) الاستیعاب، ۴/۱۴۷۳وبعدہ

۸۵) الاستیعاب، ۲/۶۰۶وبعدہ

۸۶) الاستیعاب، ۴/۱۷۵۴وبعدہ

۸۷) الاستیعاب، ۱/۳۸۰وبعدہ

۸۸) الاستیعاب، ۲۴/۷۸۸وبعدہ

۸۹) الاستیعاب، ۲/۵۵۰وبعدہ

۹۰) صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونۃ...؛ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید

۹۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین یوم أحد

۹۲) الاستیعاب، ۴/۱۶۴۷-۱۶۴۸

۹۳) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب قول النبی لو کنت متخذا خلیلًا

۹۴) أرسله رسول الله ﷺ في مدد إلى عمرو بن العاص في غزوة ذات السلاسل وقال لعمرو بن العاص))::إن رسول الله ﷺ قال لي"لا تختلفا "والله إنك إن عصيتني يا عمرو فإني أطيعك حباً في رسول الله ﷺ ((فقال عمرو))::أنا الأمير أنت مدد لي ((فقال أبو عبيدة))::لك ما شئت)) ۔ [أسد الغابۃ، ۴/۲۳۲]

۹۵) الاستیعاب، ۲/۷۹۴

۹۶) الاستیعاب، ۴/۱۷۷۲

۹۷) أیضاً، ۲/۶۳۵

۹۸) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن

۹۹) الاستیعاب، ۳/۱۱۴۰

۱۰۰) أیضاً

۱۰۱) أیضاً، ۳/۱۴۰۳

۱۰۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَامَتْ خُطَبَاءُ الأَنْصَارِ فَجَعَلَ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَقُولُ يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا اسْتَعْمَلَ رَجُلا مِنْكُمْ قَرَنَ مَعَهُ رَجُلا مِنَّا فَنَرَى أَنْ يَلِيَ هَذَا الأَمْرَ رَجُلانِ أَحَدُهُمَا مِنْكُمْ وَالآخَرُ مِنَّا. قَالَ فَتَتَابَعَتْ خُطَبَاءُ الأَنْصَارِ عَلَى ذَلِكَ فَقَامَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَإِنَّ الإِمَامَ إِنَّمَا يَكُونُ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَنَحْنُ أَنْصَارُهُ كَمَا كُنَّا أَنْصَارَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ: جَزَاكُمُ اللَّهُ مِنْ حَيٍّ خَيْرًا يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ وَثَبَّتَ قَائِلَكُمْ. ثُمَّ قَالَ: أَمَا وَاللَّهِ لَوْ فَعَلْتُمْ غَيْرَ ذَلِكَ لَمَا صَالَحْنَاكُمْ. [الطبقات الکبری، ۳/۱۵۹]

۱۰۳) تفصیل کے لئے دیکھیں: أیام العرب فی الجاہلیۃ، محمد أحمد جاد وغیرہ، ط۱: ۱۹۴۲ء، دار إحیاء الکتب العربیۃ، مطبع عیسی البابی وشرکاؤہ، مصر

۱۰۴) إِنَّ خَلِيلِي أَوْصَانِي أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِيعَ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ [مسلم، کتاب الجہاد والسیر، بَابُ وُجُوبِ طَاعَةِ الْأُمَرَاءِ فِي غَيْرِ مَعْصِيَةٍ، وَتَحْرِيمِهَا فِي الْمَعْصِيَةِ]

۱۰۵) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي ذَرٍّ: «مَا لِي أَرَاكَ لَقَّابَقًّا؟ كَيْفَ بِكَ إِذَا أَخْرَجُوكَ مِنَ الْمَدِينَةِ؟» قَالَ: آتِي الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ قَالَ: «فَكَيْفَ بِكَ إِذَا أَخْرَجُوكَ مِنْهَا؟» قَالَ: آتِي الْمَدِينَةَ قَالَ: «فَكَيْفَ بِكَ إِذَا أَخْرَجُوكَ مِنْهَا؟» قَالَ: آخُذُ سَيْفِي فَأَضْرِبُ بِهِ قَالَ: «فَلَا، وَلَكِنِ اسْمَعْ وَأَطِعْ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا أَسْوَدَ» قَالَ: فَلَمَّا خَرَجَ أَبُو ذَرٍّ إِلَى الرَّبَذَةِ وَجَدَ بِهَا غُلَامًا لِعُثْمَانَ أَسْوَدَ [ص:۳۸۲]، فَأَذَّنَ وَأَقَامَ، ثُمَّ قَالَ: تَقَدَّمْ يَا أَبَا ذَرٍّ قَالَ: لَا، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَنِي أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِيعَ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا أَسْوَدَ قَالَ: فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى خَلْفَهُ. [مصنف عبد الرزاق، لعبد الرزاق الصنعانی، تحقیق: حبیب الرحمن الأعظمی، ط۲: ۱۴۰۳ھ، المکتب الإسلامی، بیروت، کتاب الصلاۃ، باب الأمراء الذین یؤخرون الصلاۃ]

۱۰۶) عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ وَكَانَ عِرْبَاضٌ رَجُلًا مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ مِنْ أَهْلِ الصُّفَّةِ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمًا فَقَامَ فَوَعَظَ النَّاسَ وَرَغَّبَهُمْ وَحَذَّرَهُمْ وَقَالَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ ، ثُمَّ قَالَ: " اعْبُدُوا اللهَ لَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَطِيعُوا مَنْ وَلَّاهُ اللهُ أَمْرَكُمْ وَلَا تُنَازِعُوا الْأَمْرَ أَهْلَهُ ، وَلَوْ كَانَ عَبْدًا أَسْوَدَ، وَعَلَيْكُمْ بِمَا تَعْرِفُونَ مِنْ سُنَّةِ نَبِيِّكُمْ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، وَعَضُّوا عَلَى نَوَاجِذِكُمْ بِالْحَقِّ ". [المعجم الکبیر، للطبرانی، حمدی بن عبد المجید، ط۲: مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ، ۱۸/۲۴۷]

۱۰۷) قِيلَ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ زَمَنَ ابْنِ الزُّبَيْرِ وَالْخَوَارِجِ وَالْخَشَبِيَّةِ: أَتُصَلِّي مَعَ هَؤُلَاءِ وَمَعَ هَؤُلَاءِ، وَبَعْضُهُمْ يَقْتُلُ بَعْضًا؟ قَالَ: " مَنْ قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ أَجَبْتُهُ، وَمَنْ قَالَ: حَيَّ عَلَى

الْفَلَاحِ أَجَبْتُهُ، وَمَنْ قَالَ: حَيَّ عَلَى قَتْلِ أَخِيكَ الْمُسْلِمِ وَأَخْذِ مَالِهِ قُلْتُ: لَا ". [حلیۃ الاولیاء، لأبی نعیم، ۱/۳۰۹؛ الطبقات الکبری، ابن سعد، ۴/۱۲۷]

۱۰۸) حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ لَمَّا ابْتَزَّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ وَخَلَعُوهُ دَعَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بَنِيهِ وَجَمَعَهُمْ فَقَالَ: إِنَّا بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ. وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ هَذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ.
وَإِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْغَدْرِ إِلا أَنْ يَكُونَ الشِّرْكُ بِاللَّهِ أَنْ يُبَايِعَ رَجُلٌ رَجُلا عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﷺ ثُمَّ يَنْكُثَ بَيْعَتَهُ. فَلا يَخْلَعَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَزِيدَ وَلا يُسْرِعَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ فِي هَذَا الأَمْرِ فتكون الصيلم بيني وبينه. [الطبقات الکبری، ابن سعد، ۴/۱۳۸]

۱۰۹) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «سَتَكُونُ فِتَنٌ القَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ القَائِمِ [ص:۱۹۹]، وَالقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ المَاشِي، وَالمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، وَمَنْ يُشْرِفْ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ، وَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ» [صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الإسلام]

۱۱۰) المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام، د/جواد علی، ط۴: ۲۰۰۱ء، دار الساقی، ۱۸/۱۶۸

۱۱۱) صحیح البخاری، کتاب الإجارۃ، باب رعی الغنم علی قراریط

۱۱۲) سیرۃ ابن ہشام، ۱/۱۸۸

۱۱۳) سنن أبی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب ما تجوز فیہ المسألۃ

۱۱۴) سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الحثّ علی المکاسب

۱۱۵) سنن أبی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب ما تجوز فیہ المسألۃ

۱۱۶) مسند أحمد، ۱/۵۶۷

۱۱۷) حلیۃ الأولیاء، ۱/۳۳۷-۳۳۸

۱۱۸) طبقات الصوفیۃ، محمد بن الحسین السلمی، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، ط۱: ۱۹۹۸ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱/۳۳۷-۳۳۸؛ الأربعون من شیوخ الصوفیۃ، أحمد بن محمد المالینی، تحقیق: عامر حسن صبری، ط۱: ۱۹۹۷ء، دار البشائر، بیروت

119) Sufis and the spread of Islam, Dr Masood Bhutto, online article, last accessed 12/12/2014 on: http://www.apnaorg.com/articles/dawn-25/

۱۲۰) الفکر الصوفی فی القرآن والسنۃ، عبد الرحمن بن عبد الخالق، ط۳: ۱۹۸۶ء، مکتبۃ ابن تیمیۃ، الکویت

****

قیامِ امن اور حیاتِ نبوی (ایک مثالی دور)

Establishment of Peace and the Life of the Holy Prophet (ﷺ) (An Ideal Era)

سیدہ سعدیہ*

ABSTRACT

Peace initiatives during the regime of the Prophet Muḥammad (ﷺ) needs to be studied to understand how to attain and maintain peace in a diverse society. The measures for peace, taken by the Prophet (ﷺ) can be divided into two types: The Internal Steps and The External Steps.

One of the fundamental objectives of his prophetic annunciation was 'purification and refinement', which was the core of his internal measures for peace. These measures produced moral values such as love and harmony, reconciliation and sacrifice among them. These personality traits were then translated into the establishment of equitable justice system and reciprocally, a just system leads to shape behaviors contributing to peace and harmony.

The Prophet (ﷺ) also focused on the external steps for peace. These external measures include the treaty of al-Madīnah, the agreement with the Christian delegation of Najrān, the treat of Ḥudaybiyah and the announcement of the amnesty at the conquest of Mekkah. Thus, the study of the Prophet's (ﷺ) life unfolds that if we want global peace, we have to follow the principles, practiced and laid down by the Prophet(ﷺ).

Keywords: *Peace Initiatives; Peaceful Rreligion; External Measures; Arab civilization; Global Peace*

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

امن وسلامتی کا تصور اسلام میں ایک بنیادی اور گہرا تصور ہے۔ یہ تصور اسلام کے مزاج سے گہری وابستگی رکھتا ہے، کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں اسلام کے کلی نظریے کے ساتھ اس کے شدید تعلق ہے۔ اسلام کا پورا نظام حیات، اس کے قوانین وضوابط، اس کے احکام ونواہی اور رسوم سب اس تصور کے ساتھ منسلک ہیں۔

امن کا معنی ومفہوم: عربی، اردو اور انگریزی لغات میں امن کے معنی ہیں چین، اطمینان، سکونِ آرام کے علاوہ صلح وآشتی اور پناہ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ اور امان کے معنی کبھی حالت امن کے آتے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائے۔[1]

امن عالم صرف جنگ وقتال کی عدم موجودگی ہی کا نام نہیں رہ جاتا، بلکہ یہ انسان کی انفرادی معاشرتی، مذہبی واخلاقی اور بین الاقوامی زندگی میں اطمینان اور بے خوفی کے وسیع مفہوم کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اور اس مثالی کیفیت کا نام ہے جہاں زندگی کے تمام شعبے شاہراہ ترقی پر اندیشہ رہزنی کے بغیر سفر کرتے رہیں۔ اسلام کا نظریہ امن وسلامتی دائمی اصولوں کے تحت لازوال بنیادوں پر قائم استوار ہے جس میں مملکت کی عمارت کو امن کی مضبوط ومستحکم بنیادوں پر اٹھایا گیا ہے۔[2]

ایمان اور عمل دونوں لازم وملزوم ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مسلم اور مومن کی تعریف ہی یہ کی ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده [3] وہ دوسروں کے لئے امن کا پیامبر ہوتا ہے اور وہ ہر اس چیز سے کنارہ کش رہتا ہے جو فتنہ وفساد کا موجب ہو۔

قیام امن کے لئے رسول ﷺ نے جو اقدامات کئے، وہ دو طرح کے تھے۔

۱) داخلی امن ۲) خارجی امن

داخلی امن کے لئے رسول ﷺ کے اقدامات:

ظہور اسلام کے وقت روئے زمین کے جس جس حصے پر ذریت آدم متمکن تھی وہاں وہاں فساد اور انتشار اپنے عروج پر تھا۔ تمام معاشرتی ادارے شکست وریخت کا شکار ہو چکے تھے۔ خونریزی، اخلاقی تنزلی، اخلاقی معائب کی لپیٹ میں پورا معاشرہ آچکا تھا۔ معاشرے کی اسی حالت کی جانب قرآن مجید میں ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ ظَهَرَ ٱلْفَسَادُ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِى ٱلنَّاسِ ﴾ [4]

(خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔)

معاشرے کو امن وسکون سے آراستہ کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ داخلی امن کی طرف بھی بھرپور توجہ دی۔ داخلی امن کے لئے جو اقدامات کئے گئے، ان میں سے اہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

ا۔ عقیدہ وضمیر کا امن:

حقیقت یہ ہے کہ دینی عقیدہ کلی فکر کا نام ہے جو انسان کو ظاہری اور باطنی قوتوں سے مربوط کر دیتا ہے۔ وہ روح انسانی کو اعتماد اور سکون سے بھر دیتا ہے اور اسے ایسی قدرت اور طاقت بخشتا ہے، جس سے زوال پذیر قوتوں اور باطل نظاموں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ وہ ان کو منزل مقصود، نصب العین اور راہ عمل واضح طور پر ان کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ وہ ان کی ساری قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے انہیں ایک راہ پر لگا دیتا ہے۔ انسانی قوتوں کے ساتھ خود اس عقیدے کی قوت اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ اور یہ سب قوتیں مل کر ایک محور کے گرد لگا دیتے ہیں۔[۵]

اسلام ساری انسانیت کے لئے آیا ہے۔ اس لیے کلمۃ اللہ کے بروئے کار لانے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی لائی ہوئی بھلائی تمام انسانوں تک پہنچ جائے، اور جو لوگ اس عقیدے کی راہ میں حائل ہوں اسلام ان سے قتال کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ كُلُّهُۥ لِلَّهِ ﴾[۶]

(اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے۔ اور دین اللہ کا ہی ہو جائے۔)

۲۔ مذہبی منافرت کا خاتمہ ومذہبی رواداری:

اسلام نے انسانیت کو ﴿ لَآ إِكْرَاهَ فِى ٱلدِّينِ ﴾ (دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے)[۷] کہہ کر مذہبی آزادی عطا کی ہے۔ قیام امن کے لئے کئے گئے نبوی ﷺ اقدامات میں سے اہم اقدام مذہبی منافرت کا خاتمہ اور مذہبی رواداری کا فروغ بھی تھا۔ کیونکہ ظہور اسلام کے وقت امن وامان کو ختم کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا۔ اسلام کے خلاف عربوں کا اٹھ کھڑے ہونا اور اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے کی جانے والی قریش مکہ کی تمام کاوشیں اس حقیقت کی غماز ہیں۔ جبکہ آپ ﷺ نے جس دین کی دعوت دی وہ تمام مذہبی منافرتوں سے ماورا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡۖ لَنَآ أَعۡمَٰلُنَا وَلَكُمۡ أَعۡمَٰلُكُمۡۖ لَا حُجَّةَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمُۖ ٱللَّهُ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَاۖ وَإِلَيۡهِ ٱلۡمَصِيرُ ﴾[۸]

(اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لئے تمھارے اعمال، ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔)

اسی طرح سورۃ کافرون میں ارشاد بھی اس پیام کی اہم مثال ہے۔[۹]

۳۔ نسل در نسل انتقام کا خاتمہ:

نسل در نسل انتقام کا سلسلہ دنیا میں کشت و خون کا بازار گرم کئے رکھتا ہے اور جب تک آتش انتقام ٹھنڈی نہیں پڑ جاتی یہ سلسلہ دراز رہتا ہے۔ بعثت محمدی ﷺ سے قبل نہ صرف جزیرۃ العرب بلکہ کم و بیش تمام دنیا اس خلق رذیلہ میں مبتلا تھی۔ اسلام قیام امن کے لئے نسل در نسل انتقام کے جذبات کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اور کسی ایسی کوشش کو جس میں کسی کا ناحق خون بہے اسے پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مِنۡ أَجۡلِ ذَٰلِكَ كَتَبۡنَا عَلَىٰ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفۡسَۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ أَوۡ فَسَادٖ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعٗا وَمَنۡ أَحۡيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحۡيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعٗا ﴾[۱۰]

(اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچائے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔)

اس آیت مبارکہ کا مقصود یہ ہے کہ ایسا آدمی جو ناحق کسی انسان کو قتل کرتا ہے اس سے بھلائی اور خیر کی کوئی توقع نہیں لہٰذا ایسا آدمی پوری انسانیت کا اور امن عامہ کا دشمن ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی مظلوم قتل ہوتا ہے تو اس کے خون کا گناہ آدم کے پہلے بیٹے پر لاد دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو جاری

کیا۔[۱۱] ارشاد نبوی ہے کہ لوگوں میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔[۱۲]

اسلام امن وسلامتی کے فروغ کے لئے کسی کو قتل کرنا تو کجا قتل کرنے میں معاونت کو بھی حرام قرار دیتا ہے۔**من اعان علی قتل مؤمن بشطر کلمة لقی الله عزوجل، مکتوب بین عینیه: آیس من رحمة الله**[۱۳]۔ قیامت کے دن جس چیز کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا وہ خون بہا کا معاملہ ہو گا۔[۱۴]

اسلام نہ صرف اس طرح کے ہر قدم کی مذمت کرتا ہے جس سے نقص امن کا خطرہ ہو۔ بلکہ اسلام ہر طرح کے ایسے معاملے کی بھی بیخ کنی کرتا ہے جس سے ذرا برابر بھی فساد وانتشار پھیلنے اندیشہ ہوتا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے: بلکہ کس مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ڈرائے اور اسے خون زدہ کرے۔[۱۵] **من اشار الی اخیه بحدیدة فان الملائکة تلعنه حتیٰ ینزعه**[۱۶]

اسلام میں کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے خواہ وہ کوئی اعلیٰ عہدے دار ہی کیوں نہ ہو؟ بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ بلا امتیاز تمام افراد سے عدل وانصاف کا برتاؤ کیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ﴾[۱۷]

(کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔)

اسلام ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت دیتا ہے مگر یہ بدلہ صرف ان لوگوں سے لیا جائے گا جنہوں نے ظلم وجور کا ارتکاب کیا ہے، وہ لوگ جن کا ظالم کے مذہب، نسل، وطن، یا خاندان سے تعلق ہے مگر وہ اس ظلم میں شریک نہیں ہیں، یعنی وہ جسمانی طور پر شریک ہیں، نہ اس کی مالی معاونت کی ہے، اور نہ ہی منصوبہ سازی وپلاننگ میں ساتھ رہے ہیں، تو ایسے بے قصور، غیر مکلف افراد سے صرف اس بنیاد پر بدلہ لینا کہ وہ ظالم کے ہم مذہب یا ہم وطن ہیں اسلامی اصول وقوانین کے خلاف ہے۔[۱۸] ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانون کے دائرہ میں رہ کر قانون کے ذریعہ جو زیادتی اس پر کی گئی ہے اس کا بدلہ لے سکتا ہے۔

﴿فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَٱعْتَدُوا۟ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا ٱعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ﴾ (۱۹)

(جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔)

اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ساتھ عفو و درگزر کا حکم دیتے ہیں ان کے ہاں رحمت و مغفرت کا درجہ بہت بلند ہے:

﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ﴾ (۲۰)

(اور جو شخص صبر کرلے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے۔)

نفس انسانی میں غیظ و غضب کے اثرات و امکانات ایسے حقائق ہیں جنہیں ناپید نہیں کیا جاسکتا اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں بعض تو خود انسانی شعور وادراک سے پھوٹتے ہیں۔ بعض کا منشا مصلحتوں کا تصادم ہوتا ہے۔ اور بعض مسلک و رویے کے اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسلام فیاضی، نرم مزاجی اور خندہ روئی کا حکم دیتا ہے لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کہ غیظ و غضب کے جذبات بھی فطری جذبات ہیں اسی لئے اسلام یہ حکم نہیں دیتا کہ ان جذبات کو اپنے نفوس سے بالکل مٹادیں۔ (۲۱)

نبی رحمت ﷺ کی حیات مبارکہ سے بکثرت ایسی امثال پیش کی جاسکتی ہیں جن میں آپ ﷺ نے باوجود قدرت کے اپنے دشمنوں کو معاف فرمادیا۔ کفار مکہ نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی ایذائیں دیں آپ ﷺ پر آوازیں کسیں، توہین کی، آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ دندان مبارک شہید کیے گئے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کی لاش کی بے حرمتی کی گئی مگر فتح مکہ کے روز آپ ﷺ اپنے بدترین دشمنوں کو یہ حیات افزا پیغام سنایا: ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ ٱلْيَوْمَ﴾ (۲۲)

آپ ﷺ نہ صرف اپنے بدترین دشمنوں کو معاف فرمایا بلکہ ان کے گھروں کو دارالامان قرار دے کر اعزاز و اکرام عطا فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آج رحم اور امن و عافیت کا دن ہے۔ (۲۳)

۴۔ اخوت و محبت کا فروغ:

جس معاشرے میں باہمی اخوت و بھائی چارہ کی فضا قائم ہو وہاں عمومی مزاج صلح و آشتی کا ہوتا

ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و ہمدردی، اخلاص و ایثار کے جذبات رواج پذیر ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں جس معاشرے کی بنیاد رکھی وہ اخوت و بھائی چارہ کے زریں اصول پر قائم تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد جو اولین اقدامات کیے ان میں انصار و مہاجرین کے درمیان مواخاۃ کا ازلی و ابدی رشتہ قائم کیا۔ اس مواخاۃ کی جہاں اور بہت سی حکمتیں تھیں وہیں ایک پر امن معاشرے کیلئے وہاں کے باشندوں کو ایک ایسے رشتے میں باندھنا جو باہمی خلوص و اتحاد پر مبنی ہو بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اخوت کے رشتے میں منسلک کرنے کے ساتھ اس رشتے کو مزید مستحکم کرنے اور ہر طرح کے فساد اور فتنہ انگیزیوں سے بچانے کے لئے ایسی تعلیمات دیں جس پر عمل کر کے ہر فرد امن و سکون سے اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے مومنین پر ان کی پابندی اس قدر لازم ٹھرائی کہ انہیں ایمان کی شرائط میں سے داخل فرمایا۔ مومنین کے باہمی تعلقات کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا۔ «**المسلم اخوالمسلم لا یظلمه ولا یسلمه ومن کان فی حاجته اخیه کان الله فی حاجته**»[۲۴] مومنین کی باہمی کیفیت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: «**تری المومنین فی تراحمهم و توادهم و تعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی له سائر الجسده باسهر و الحمی**» [۲۵]

اسلام نے صرف زیادتی کرنے سے ہی منع نہیں کیا، بلکہ اس نے انسانوں سے رحم، شفقت اور محبت کے تعلقات استوار کرنے کا حکم دیا گیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، باہم حسد مت کرو، اور ایک دوسرے سے روگردانی مت کرو، اے خدا کے بندو، بھائی بھائی بن جاؤ۔ [۲۶] تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔ [۲۷] کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کی تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ رکھے کہ جب آپس میں ملیں تو یہ اس سے اور وہ اس سے منہ پھیر لے اور ان میں سے بہتر وہی ہے جو سلام میں پہل کرے۔ [۲۸] نبی کریم ﷺ کی یہی رحمت و محبت کی صفات قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَٱعْفُ عَنْهُمْ ﴾ [۲۹]

(اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر رحم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے سو آپ ان سے درگزر کریں۔)

اسلام صرف رحمت کو صرف اہل اسلام کے ساتھ ہی مخصوص قرار نہیں دیتا، بلکہ یہ سب تمام انسانوں کے لئے مطلوب ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا ت، پر رحم کریگا۔ (۳۰) اور اے ہمارے رب ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کوئی میل نہ رکھ۔ (۳۱) تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین انسان وہ ہے جو اس کے کنبے کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ہے۔ (۳۲)

مودت مدنی معاشرے کی اساس تھی۔ اسلامی تعلیمات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ معاشرے میں محبت کا فروغ ہو، آپ ﷺ نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی وہ ہر طرح کے استحصال اور خود غرضی اور نفانفسی سے پاک تھا۔ لہذ آپ ﷺ نے افراد معاشرہ کے آپس کے تعلقات کی بنیاد باہمی احترام پر رکھی۔ کوئی امیر کسی غریب کو حقیر نہیں سمجھ سکتا، کوئی حاکم کسی کو محکوم اور نہ کوئی طاقتور کسی کمزور کو نیچا دکھا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی انسان کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ (۳۳)

ان تعلیمات سے ایک مومن کی دوسرے مومن کے لیے خیر خواہی، ہمدردی، خلوص جھلکتا ہے۔ لہذا آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی۔ نیز یہ تعلیم دی کہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔ (۳۴) بلکہ تحفے اور ہدایا کہ ذریع سے اس تعلق کو مزید مستحکم اور خوشگوار بنانے کی جانب توجہ مبذول کروائی گئی۔

۵۔ بدعہدی کی ممانعت:

بدعہدی ایک بدترین اخلاقی جرم ہے۔ اور نقص عہد بہت سے مفاسد و معاشرتی بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔ اس سے عموماً لڑائی جھگڑا، دست درازی، نقص امن، اور بعض حالات میں جنگوں کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ قرآن واحادیث میں عہد کی پاسداری پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اربعة من كن فيه وجد كان من منافقا خالصا و من كانت فيه خلة منهن كانت فيه خلة من نفاق حتىٰ ئيد عها اذا حدث كذب و اذا عهد غدرو اذا وعد اخلف واذا خاصم فجر (۳۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قتل معاهد لم يرح رائحة الجنة [۳۶]

ایک اور حدیث میں بد عہدی کی مذمت ان الفاظ میں آئی ہے:

لكل غادر لواء يوم القيمة يرفع له بقدر غدرة، الا ولا غادر اعظم غدرا من امير عامة [۳۷]

۶۔ معاشرتی اصلاح کے اقدامات:

کسی بھی پر امن معاشرے کا خواب تب تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا، جب تک افراد معاشرہ صالح نہ ہو۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد امت کی فکری تطہیر و تربیت کا اہم فریضہ بھی ادا کیا۔ درج ذیل آیت مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی منصب کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ﴾ [۳۸]

(بیشک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب سکھاتا ہے۔)

معاشرہ افراد کا مجموعے کا نام ہے۔ لہذا اسلام معاشرے کی اصلاح کے ساتھ ساتھ فرد کی اصلاح پر بھی زور دیتا ہے اس کی نظر میں فرد اور سماج دونوں کی اصلاح و تربیت یکساں اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام ہر فرد کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے وہ معاشرے کے ہر فرد کے ذہن میں یہ احساس بیدار کرتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار اور اپنی پوری زندگی کے لئے خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ [۳۹]

ارشادات باری تعالیٰ ہیں:

(جو اچھے عمل کرے گا وہ اس کے لئے ہے اور جو برے کام کرے گا اس کا گناہ اس کے نفس پر ہے۔) [۴۰]

(جو ذرا برابر بھی بھلائی کرے گا وہ بھی اس کو پالے گا اور جو ذرا برابر بھی برائی کرے گا وہ بھی اس کو پالے گا۔) [۴۱]

علم دین کا ایک بڑا مقصد عملی زندگی کی اصلاح ہے اس لئے اسلام ہر فرد میں یہ جذبہ عمل بیدار کرتا ہے اور سعی وجدوجہد کی اہمیت اس کے ذہن پر نقش کرتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

(اور انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی۔)(۴۲)

احادیث مبارکہ میں بھی ہر فرد کو مسؤلیت کے لئے تیار رہنے کا کہا گیا ہے:

کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته(۴۳)

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تزول قدما عبد یوم القیمة من عند ربه حتیٰ یسال عن خمیس، عن عمرہ فیما افناه، وعن شبابه فیما ابلاه، وعن ماله من این اکتسبه وفیما انفه، وماذا عمل علم(۴۴)

ان احادیث میں افراد معاشرہ کی تربیت کی گئی ہے کہ وہ خود کو مسؤلیت کے لئے تیار کریں۔ اسلام ایک ایسے معاشرے کا خواہاں ہے جو ہمہ گیر ہو۔ ہر طرح کے تعصبات سے مبرا اور ایک فکری لحاظ سے ایک اصولی اور پاکیزہ اخلاق پر مبنی ہو۔ اس سلسلے میں سیرت طیبہ ﷺ ہماری کامل رہنمائی کرتی ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

من رای منکم منکرا فلیغیر بیده فان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه (۴۵)

احادیث مبارکہ ہیں:

الدین النصیحة قلنا لمن هی یارسول اللهﷺ قال:لله و لرسوله و لکتابه ولائمه المسلمین وعامتهم(۴۶)

والذی نفسی بیده لتامرون بالمعروف ولتنهون عن المنکر او لیوشکن الله ان یبعث علیکم عقابا منه ثم تدعونه فلا یستجب لکم(۴۷)

۷۔ خاندانی امن کا قیام:

خاندان معاشرتی ادارات میں اولیت درجے میں ہے، خاندان کی حیثیت ایک چھوٹی سی ریاست

کی ہے اگر اس چھوٹی ریاست میں سکون و اطمینان ہو گا تو یہ دائرہ وسعت اختیار کرتے ہوئے پورے معاشرے پر محیط ہو گا۔ نبی کریم ﷺ اس ادارے کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اکمل ترین تعلیمات دیں۔ اسلام سب سے پہلے عائلی زندگی کے تعلقات کی ایک روشن اور شاداب تصویر پیش کرتا ہے۔

> اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کی اس نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے بنادیئے تاکی تم ان سے سکون حاصل پاؤ اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی۔ (۴۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ (۴۹)

اس تعلق میں ایک دوسرے کے لئے احترام، مودت، محبت، شفقت ہے۔ خاندان کے تمام افراد کے باہمی تعلقات کو منظم ہوتے ہیں اور ان سب میں باہمی کفالت میں کچھ حقوق و فرائض، کچھ آسائشیں اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں اس سب کا نتیجہ باہمی اعتماد، زندگی اور مستقبل کا سکون و اطمینان اور امن و قرار کا شعور ہوتا ہے۔

اسلام مردوں کو جہاں عائلی زندگی میں قوام بناتا ہے، ﴿ ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ ﴾ (۵۰) وہیں انہیں یہ تعلیم بھی دیتا کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ (۵۱)۔ ماں کے قدموں تلے جنت کی نوید دیتا ہے (۵۲)۔ تو بیٹی کی پرورش اور تربیت پر جنت کی بشارت (۵۳)۔ اور نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع (۵۴) قرار دے کر خاندانی نظام میں اعتدال و توازن پیدا کرتا ہے تاکہ نہ تو ٹکراؤ اور نہ ہی کسی حق تلفی۔

۸۔ ظلم کی ممانعت:

ظلم جس معاشرے میں روا ہو وہاں پر امن ایک خواب ہوتا ہے۔ لہذا نبی کریم ﷺ نے ظلم کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ حدیث مبارکہ ﷺ ہے:

«انصر اخاک ظالما او مظلوما» (۵۵)

۹۔ نظام معیشت کی اصلاح:

داخلی امن واستحکام کے لئے نظام معیشت کی اصلاح ناگزیر ہے۔ اگر کسی معاشرے میں معیشت مستحکم نہ ہو تو وہاں پر جرائم کی شرح میں اضافہ ہو گا۔ ایک دوسرے کے حقوق غصب کرنے کے لئے ہر کوئی تیار ہو گا اور کرپشن، رشوت ستانی اور بہت سی مالی بدعنوانیاں جنم لیں گی۔ لہٰذا اسلام نظام معیشت کی اصلاح کرتا ہے اور اس کو ایسی مستحکم بنیادوں پر استوار کرتا ہے جس میں زکوٰۃ، صدقات، انفاق فی سبیل اللہ، قرض حسنہ کے ذریعے معاشرے کے محروم طبقے کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ اسلام نے معاشی اصول یہ عطا فرمایا:

{توخذ من اغنیاءھم و ترد الی فقراءھم} (۵۶)

اسلام خرید و فروخت اور قرض کے تقاضے کے معاملات میں وسیع النظری کی دعوت دیتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ بیع وشراء اور تقاضے میں وسیع القلب آدمی پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔ (۵۷)

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تجارت میں خیر سگالی کا حکم دیا ہے۔ خرید و فروخت کرنے والے فریقین کو فسخ کا اختیار ہے جب تک کہ جدا نہ ہو جائیں۔ اگر وہ سچ بولیں اور حقیقت ظاہر کر دیں تو ان کے سودے میں برکت ہو گی۔ اگر حقیقت کو چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کے سودے سے برکت ضائع کر دی جائے گی۔ (۵۸) نبی کریم ﷺ نے ایسی تمام چیزوں سے اجتناب کرنے حکم دیا ہے جس سے عداوت بھڑکے اور کینہ پیدا ہو۔ مثلاً جوئے بازی کی مجلسیں وغیرہ۔

۱۰۔ مساوات:

اسلامی معاشرے میں تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت وامتیاز حاصل نہیں۔ ذریت آدم کی اصل ایک ہی ہے۔ رنگ، نسل، قبیلہ برادری، ملک و قوم وغیرہ کی فطری تقسیم صرف باہمی تعارف کے لئے ہے۔ ان کی اصل ایک ہے۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ﴾ (۵۹)

سورۃ الحجرات میں ارشاد فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾ (۶۰)

آپ ﷺ نے متعدد احادیث میں و مساوات کو درس دیا اور ہر طرح کی فضیلت اور برتری کا معیار صرف تقویٰ کو قرار دیا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

- **ایها الناس ان الله قد اذهب عنكم عصبية الجاهلية و تعاظمها بآباءها** (۶۱)
- **لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا بالتقوی** (۶۲)
- **الناس بنو آدم و خلق الله آدم من تراب** (۶۳)
- **الناس سواسية كاسنان المشط** (۶۴)

ان تمام آیات اور احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرے میں مساوات کو فروغ دیا اور ہر طرح کی طبقاتی کشمکش کا خاتمہ کیا۔ اسلام بالحاظ تخلیق تمام ذریت آدم کو یکساں اہمیت دیتا ہے۔ اور ہر طرح کے امتیاز کا خاتمہ کرتا ہے، اگر کوئی شرف اور برتری ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

۱۱۔ قانون کی بالادستی وحدود و تعزیرات کا نفاذ:

داخلی امن و استحکام پائیدار بنیادوں پر تب تک قائم نہیں ہو سکتا، جب تک بلا امتیاز تمام افراد پر قانون کا یکساں اطلاق ہو۔ عہد نبوی میں قانون کی یہ بالادستی قائم تھی، اسی وجہ سے تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان تو مسلمان، یہودی اور دیگر مذاہب کے پیروکار بھی انصاف کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں اپنا مدعا پیش کرتے تھے۔ داخلی امن کے قیام کے لئے نبی کریم ﷺ نے نظام حدود کا نفاذ فرمایا۔ ان کا بنیادی مقصد دوسرے انسانوں کے حقوق کا تحفظ کرنا اور معاشرت میں پیدا ہونے والی ہر طرح کی بد نظمی، بے راہ روی، انتشار اور فساد کا خاتمہ کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ان برائیوں اور جرائم کی سزا بہت سخت رکھی ہے جن کا براہ راست اثر نہ صرف اصل مجرم تک محدود رہتا ہے بلکہ پورے معاشرے پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ ان جرائم کی روک تھام اور تدارک کے لئے ضروری ہے کہ صرف معمولی سزاؤں اور محض ترغیب و ترہیب ہی پر اکتفانہ کیا جائے، بلکہ سخت سزا دینا عین مصلحت اور حکمت عملی پر محمول ہوتا ہے۔ تمام حدود زنا، قذف، سرقہ، حرابہ، لعان، خمر نافذ کرنے اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت کا یہ

اثر ہوا کہ لوگ خود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف جرم کرتے اور آپ ﷺ سے حد نافذ کرنے کی استدعا کرتے۔ (۶۵)

اسلام نہ صرف یہ کہ جرائم پر سزا نافذ کرتا ہے بلکہ وہ ایسے تمام اسباب و عوامل کو تدارک بھی کرتا ہے جس سے برائی فروغ پائے۔ پردے کے احکامات، مخلوط محافل سے اجتناب، محرم کے بغیر سفر کرنے کی ممانعت، حلال ذرائع سے روزی کمانے کی فضیلت، معاشرے کے محروم افراد کی اعانت کا حکم، قرض حسنہ کی ترغیب، اور اس جیسے متعدد احکامات اس بات کا صریح ثبوت ہیں۔

۱۲۔ فرقہ واریت کا خاتمہ:

عصر حاضر میں داخلی امن و استحکام کے لئے فرقہ واریت کا خاتمہ ناگزیر ہے۔ مسلمانوں کی آپس کی تفرقہ بازی کا فائدہ اغیار اٹھا رہے ہیں اور خود مسلمان کو مسلمان ہی کے ہاتھ سے قتل کیا جا رہا ہے۔ فرقہ واریت دوسروں کے ہاتھ مضبوط کرنے کا باعث بنی ہوئی ہے۔ یہ صورتحال ملک کی سلامتی کے بہت بڑا خطرہ ہے۔ اسلام تو ہر طرح کی گروہ بندیاں مٹانے اور ایک دوسرے کو ملانے کے لئے آیا تھا۔ علماء و زعمادین اگر خلوص نیت سے ان فرقہ بندیوں کا خاتمہ کرنا چاہیں، تو کر سکتے ہیں۔ اور اس کے لئے انھیں اپنے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر ملی اور قومی مفاد میں سوچنا ہو گا۔ کیونکہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ (۶۶)

۱۳۔ مواخاۃ مدینہ اور امن کا قیام:

نبی کریم ﷺ نے مواخات کے ذریعے مدینہ میں امن کی بنیاد رکھی۔ رسول العالمین کو مسلمانوں کے درمیاں مواخات قائم ہو جانے سے ایک گونہ طمانیت حاصل ہو گئی۔ اگر اس پر غور کیا جائے کہ مدینہ کے منافقین قبیلہ اوس و خزرج کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لئے کس طرح پر تلے ہوئے تھے، تو اس مواخات کی حکمت و سیاست کی اہمیت تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ مدینہ کے انہی منافقوں نے مہاجر و انصار کے درمیاں منافرت پیدا کرنے کی مہم بھی شروع کر رکھی تھی۔ مگر مواخات نے ان کی چالیں ختم کر دیں۔ (۶۷)

۱۴۔ میثاق مدینہ استحکام امن کے لئے بین الاقوامی معاہدہ:

مدینہ میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ نبی ﷺ نے مدینے پہنچ کر ہجرت کے پہلے ہی سال یہ مناسب خیال فرمایا کہ جملہ اقوام سے ایک معاہدہ بین الاقوامی اصول پر کر لیا جائے۔ تاکہ نسل اور

مذہب کے اختلاف میں بھی قومیت کی وحدت قائم رہے اور سب کو تمدن و تہذیب میں ایک دوسرے سے مدد و اعانت ملتی رہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کی شہری ریاست کو ایک مستحکم نظم عطا کیا اور اس کے لئے خارجی خطرات سے نبٹنے کے لئے بنیاد قائم کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کی ایک ایسا نظام قائم ہونے سے ریاست کے کندھوں سے ایک بڑا بوجھ اتر جاتا ہے جو آج کل جدید ریاستوں میں ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہ معاہدہ رسول پاک ﷺ کے پر امن ارادوں اور نیک آرزؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ (۶۸)

خارجی امن کے لئے رسول اللہ کے اقدامات:

وحدت نسل انسانی:

دنیا تب تک امن نہیں ہو سکتا جب تک انسان اپنے ہی جیسے بنائے ہوئے آدم کو خود سے کمتر خیال کرتا رہے۔ اگر غور کیا جائے اس برتری اور تفوق کے رویے نے بہت سی جنگوں کو جنم دیا ہے۔ جبکہ آپ ﷺ نے اس طرح کے ہر رویے کی مذمت فرمائی۔ اس کی وجہ یہ کہ تمام بنی نوع انسان کی اصل ایک ہے، ان کا معبود ایک ہے، نسل انسانی کا مقصد تخلیق ایک ہے، نسل انسانی کا مرجع ایک ہے، ان تمام باتوں کی وجہ سے تمام انسان برابر ہیں۔

عہد نبوی میں چونکہ نظریات اور نظائر میں فرق نہیں ہوتا تھا، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آقا و غلام، قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی، حبشی و رومی و ایرانی ایک ہی صف میں شانہ بہ شانہ رہتے اور ان میں ان قدیم جاہلی اختلافات کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی اس سیاست کو آپ ﷺ کے جانشینوں نے پوری وفاداری سے جاری رکھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمانوں کی ذہنیت میں تواتر و توارث کے باعث اتنی رچ گئی کہ پھر اسلام اور مساوات لازم و ملزوم سمجھے جانے لگ گئے۔ (۶۹)

وطنیت پرستی کا خاتمہ:

وطن ایک ایسا بت ہے جس کی پوجا کرنے والے کسی غیر وطن کو برداشت نہیں کرتے۔ اور مخلوق خدا کے درمیان منافرت اور تعصب کو ہوا دی جاتی ہے جدید دور میں بھی بہت سے افراد کا خون وطن پرستی کے نام پر بہایا جا چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے وطن پرستی کی ہر ممکنہ صورت کا سدباب فرمایا۔ حدیث مبارکہ ﷺ ہے: «**لیس منامن دعا الی عصبیة ان الارض لله**» (۷۰)

رسول اللہ ﷺ اپنی فکر نو میں سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام سے منفرد تھے۔ ایک نئی طرح فکر تھی جسے آں حضرت نے اس وقت نظر اور دور اندیشی کے بعد قائم کیا کہ صاحب دانش کو آپ ﷺ کی اصابت فکر کے سامنے سر جھکائے بغیر چارہ نہ رہے، یہ کہ جدید وطن کو ایسی وحدت میں منسلک کیا جائے جو آج تک عرب کے وہم وخیال میں بھی نہ آسکی۔(۷۱) نبی کریم ﷺ نے وطنیت کے برعکس نظریہ ملت دیا۔ اور ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بنادیا۔

رواداری اور برداشت کا فروغ:

رواداری کا مطلب ہے: ہر نوع کے نسلی، لسانی، علاقائی اور مذہبی امتیازات و اختلافات کو ان کا جائز مقام دینا اور برداشت کرنا، یعنی کوئی گورا اس لئے کسی کالے کے پیچھے نہ پڑ جائے کہ چونکہ وہ خود گورا ہے کالے کو جینے کا حق کیوں دے؟ کوئی عربی بولنے والا کسی دوسری زبان بولنے والے کی گردن ناپنا شروع نہ کردے، کوئی ایرانی کسی افغانی کے لئے محض علاقائی اختلاف کے جرم کی پاداش میں خون ارزانی کا فتوی صادر نہ کردے، اور ایک مذہب کا پیروکار دوسرے کے لئے غیر مہذب اور موجب آزار نہ بن جائے۔(۷۲)

قیام امن کے لئے رواداری اور برداشت وہ بنیادی نکات ہیں جن کے بغیر امن کا خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا باشندگان مکہ و مدینہ اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ آپ ﷺ کا حسن سلوک و رواداری اس کا بین ثبوت ہے۔ سورۃ کافرون بھی اسی روادارانہ طرز عمل کو واضح کرتی ہے۔(۷۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَآ أَعْمَٰلُنَا وَلَكُمْ أَعْمَٰلُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ ٱلْمَصِيرُ ﴾(۷۴)

(اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لئے تمھارے اعمال، ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔)

بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کو بہت سارے حقوق عطا کیے ہیں، آزادی

کا حق، عزت نفس کا حق وغیرہ، اور یہ حقوق اسے بغیر رنگ و نسل اور مذہب کی تفریق کے ملے ہیں اور انسان کی پیدائش کا مقصد بھی انھی حقوق کے تحفظ پر موقوف ہے۔(۷۵)

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اسلام اپنے قانون میں فرد کے لئے ہر قسم کی ضمانت کا پورا اہتمام کرتا ہے۔ وہ اس کی جان، مال اور ناموس کی حفاظت کرتا ہے، خدائی حق کے سوا کوئی اسے چھو بھی نہیں سکتا۔ اسلام اسے تمسخر، جاسوسی، غیبت اور شکوک و شبہات کی بناء پر گرفتاری سے حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔"(۷۶)

یہ حقوق بلا امتیاز رنگ و نسل و مذہب تمام افراد معاشرہ کو حاصل تھے۔ ان حقوق کی فراہمی میں تمام افراد یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ اس میں یہ وہ تمام حقوق ہیں جو معاشرتی امن قائم برقرار رکھنے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شریعت کا مقصد بھی انہی حقوق کا تحفظ ہے۔

ارشاد قرآنی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُواْ ..... وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٞ رَّحِيمٞ ﴾(۷۷)

(اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ، اور نہ کسی کو برے لقب دو، ایمان کے بعد فسق برا نام ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔ اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں، اور بھید نہ ٹٹولا کرو، اور نہ تم کسی کی غیبت کرو، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔)

امام غزالی فرماتے ہیں:

مخلوق کی بابت مقاصد شریعہ پانچ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ ان کے دین، ان کی جان، ان کی عقل اور ان کی نسل اور ان کے مال کی حفاظت کرے۔(۷۸)

فساد اور دہشت گردی میں اضافہ کا باعث یہ بھی کی انسانی جان کا احترام دلوں سے نکل گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے خون کو اپنے لئے حلال کئے ہوئے ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں بزرگی عطا کی ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ﴾(۷۹)

(یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی۔)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔(۸۰) ظلم وجور، فتنہ و فساد، تخریب کاری اور دہشت گردی کا سخت مخالف ہے۔ اور دنیا میں فساد پھیلانے کو سختی سے منع کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی مت ڈالو(۸۱)۔

صلح حدیبیہ:

صلح حدیبیہ کی شرائط اگر قبائلی عصبیت کی نظر سے دیکھی جائیں تو اہل قریش کے لئے مفید تھیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کی نظر امن و سلامتی کے پہلوؤں پر تھی۔ رسول پاک ﷺ نے کسمپرسی میں بھی وظیفہ رسالت ادا فرمایا اور حصول اقتدار کے بعد بھی اسی پر اکتفا کیا۔(۸۲) اس معاہدے کے ذریعے آپ ﷺ کے دو مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ پہلا امن و سکون کا قیام اور دوسرا مسلمانوں کی کسی تیسری طاقت سے جنگ کی صورت میں قریش مکہ سے غیر جانبدار رہنے کے وعدہ کا حصول۔(۸۳)

فتح مکہ:

فتح مکہ کے دن سے مکہ از سر نو امن و سلامتی کا گہوارہ بن گیا، جہاں سے پیغام امن و سلامتی کی کرنیں آسمان عالم سے ٹکرائیں۔ فتح مکہ کے روز آپ ﷺ کے مختصر خطاب کا بے پایاں اور بے کراں نفسیاتی اثر ہوا۔ صرف ایک ہی رات میں پورا شہر (مکہ مکرمہ) دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا(۸۴) نیز اس موقع پر آپ ﷺ نے امان نامہ جاری کیا اور فوج کو بھی امن و امان کے حوالے سے ہدایات دیں(۸۵) وہ بھی اپنے بدترین دشمنوں کے خلاف جو آپ ﷺ کی امن دوستی کا بین ثبوت ہے۔

وفد نجران سے مکالمہ اور معاہدہ قیام امن:

نبی کریم ﷺ نے بین الاقوامی تعلقات کی استواری اور بقائے باہمی کو پروان چڑھانے کے لئے مکالمے کو فروغ دیا، یہ اصول خود قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے:

﴿ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾[۸۶]

(آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔)

لہذا نبی کریم ﷺ نے مکالمے کی فضا کو فروغ دیا۔ جب کوئی اسلام کے بارے میں جاننا چاہتا آپ ﷺ ان نکات سے تعلیم دینے کا آغاز کرتے جو یکساں ہوتے تھے۔ وفد نجران کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مکالمہ کی عملی شکل پیش کی گئی۔ ان کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا اور ان کے ساتھ جو معاہدہ طے پایا، وہ بین المذاہب ہم آہنگی، مذہبی رواداری اور سماجی آزادی کا بین ثبوت ہے۔ اس معاہدہ کے اہم نکات میں ان کے جان، مال اور عبادت گاہوں کے تحفظ کی ضمانت، اور ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ شامل تھا۔[۸۷]

آنحضور ﷺ نے احترام آدمیت اور انسانی مساوات پر مبنی ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں اگر کسی غیر مسلم شہری کے ساتھ کوئی مسلمان زیادتی کرتا، تو خود محسن انسانیت ﷺ مظلوم غیر مسلم کی طرف سے ولی بن کر، مسلمان کے خلاف فیصلہ صادر فرماتے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ جو شخص کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کرے گا یا اس کے حق میں کمی کرے گا یا اس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس کی کوئی چیز لے گا تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے حجت کروں گا[۸۸]۔ نبی کریم ﷺ کا یہ معاہدہ مکالمہ کی نتیجے میں وجود میں آیا تھا۔ یہ معاہدہ سماجی امن اور معاشرتی رواداری کا مظہر ہے اور یہی قیام امن ہی مکالمہ کا مقصد ہے۔ سیرت طیبہ ﷺ ایسی بے شمار مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع: انسانیت کا منشور اعظم

نبی کریم ﷺ نے تیئس سال کے عرصے میں جس طرح فریضہ نبوت کا ادا کیا اور جو تعلیمات

عطا کیں، جامعیت، اختصار اور جوامع الکلم کے بہترین نمونہ کی صورت میں ان کا اعادہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اس عالمگیر خطبہ میں کیا ۔ نبی کریم ﷺ نے اس فرمان سے عالمی امن کے قیام کی بنیادیں رکھ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تمھاری جانیں اور تمھارے اموال اور تمھارے مال اور تمھاری عزتیں تم پر حرام کر دی گئیں ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت اور اس مہینے کی حرمت تمھارے شہر میں بر قرار ہے۔[۸۹] عالمی امن قائم کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ کالے اور گورے کے درمیان کوئی فرق نہ رہے اب فضیلت وبرتری کے تمام دعوے، جان ومال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں[۹۰]۔

بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے یہ خطبہ بنیادی نوعیت کا حامل ہے۔ اس میں آپ ﷺ نے تمام محروم اور استحصال زدہ طبقے کو اس کے حقوق عطا کیے۔ آپ ﷺ نے انسانی حقوق کے چارٹر میں ان پر روا رکھے گئے ہر ظلم وزیادتی کے خاتمے کی تاکید فرمائی[۹۱]۔ یہ عالم گیر خطبہ آج بھی دنیا کو ایسے اصول فراہم کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر پوری دنیا امن و سلامتی کا گہوارا بن سکتی ہے، چنانچہ اس سے ایسے بین الاقوامی معاشرے کا وجود عمل میں آیا جس میں خیر، تعمیر، ارتقاء اور عدل بھی تھا جو انسان کے بنیادی اہم حقوق کا ضامن بھی تھا اور اس میں بین الاقوامی قوانین کی پاسداری، عالم امن کا قیام، غلامی سے نجات، حق کی معاونت اور ظلم سے نجات کے سنہری اصول دیئے گئے تھے[۹۲]۔

آپ ﷺ نے اس وقت امن کی بات کی، جب قبائل عرب صد سالہ جنگ کی تھکن سے چور چور تھے، آپ ﷺ نے اس وقت رواداری کی ریت ڈالی جب دنیا تعصب، امتیاز اور جھوٹے پندار کی چار دیواری میں مقید تھی۔ آپ ﷺ نے اس وقت زیر دستوں کا ساتھ دیا جب ان میں فریاد کی سکت نہیں تھی، آپ ﷺ نے اس وقت امن کا علم اٹھایا جب جذبہ ترحم دفن ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے اس وقت عفو ودرگزر کا پرچار کیا جب صحرائے عرب اپنی پیاس بجھانے کے لئے اپنے فرزندوں کے تازہ خون کا پیاسا طلب گار تھا، جب دنیا رزم گاہ بنی ہوئی تھی آپ ﷺ کی ذات سب انسانوں کے لئے پناہ گاہ ثابت ہوئی، جب لوگ ایک دوسرے کا گوشت نوچ رہے تھے، آپ ﷺ اس وقت ساکنان ارض کو عفو عام کی سوچ دے رہے تھے۔[۹۳]

حواشی وحوالہ جات

۱۔ المعجم الوسیط، القاہرہ، ۱۹۷۲، ج:۱، ص:۲۸؛. ابن منظور، لسان العرب، دار الحیاء والتراث العربی، والنشر و التوزیع۔۱۹۸۸ء، ج:۲۲۴،۱،. المنجد: کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۴ء، ص:۶۳؛. فیروز اللغات لاہور، فیروز سنز، ص:۱۲۲؛. اصفہانی، راغب، امام، مفردات القرآن، لاہور، اسلامی اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص:۴۹؛
Encyclopedia of religion; Sally wehneier, Oxford Dictionary, Oxford University press, 2000,P:931

۲) حمید اللہ، ڈاکٹر، پیغمبر امن حضرت محمد ﷺ، لاہور، مکتبہ دانیال، ۲۰۱۰ء، ص:۸

۳) البخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول الله و سنته و ایامه، الریاض، دارالسلام، ۱۹۹۹ء، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یدیه، ص:۵، حدیث نمبر:۱۰

۴) سورۃ الروم:۴۱

۵) سید قطب، امن عالم اور اسلام، لاہور، گلستان پبلیکیشنز، ۱۹۷۴ء، ۱۰۔۱۱

۶) سورۃ الانفال:۳۹

۷) سورۃ البقرۃ:۲۵۶

۸) سورۃ الشوریٰ: ۱۵

۹) سورۃ الکافرون:۱-۷

۱۰) سورۃ المائدہ:۳۲

۱۱) صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب و السنة، باب۱۵، من لاثم من دعا الی ضلالة، ص:۱۲۶۰، حدیث نمبر:۷۳۲۱۔ابن ماجہ، ابواب الدیات، باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما، ص:۳۷۶، حدیث نمبر:۲۶۱۶

۱۲) الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب النصات للعلماء، ص۲۶، حدیث نمبر:۱۲۱

۱۳) ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء، کتاب الدیات، باب التغلیظ فی قتل المسلم ظلما، ص۳۷۶، حدیث نمبر:۲۶۲۰،

۱۴) ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء، کتاب الدیات، باب التغلیظ فی قتل المسلم ظلما، ص۳۷۶، حدیث نمبر:۲۶۱۵،

۱۵) ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، دار السلام للنشر والتوزیع،۱۹۹۹ء، کتاب الادب، باب:۸۵،من یاخذ الشئی من مزاح، ص:۷۰۴، حدیث نمبر:۵۰۰۳

۱۶) مسلم، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض،۱۹۹۹ء، کتاب البر، باب النهی عن اشارة بالسلاح الی المسلم، ص:۱۱۴۲حدیث نمبر:۲۶۱۶

۱۷) سورۃ المائدہ:۸

۱۸) اسلام اور امن عالم، انڈیا، ایفا پبلیکیشنز،۲۰۱۰ء، ص:۱۴۴

۱۹) سورۃ البقرہ:۱۹۴

۲۰) سورۃ الشوریٰ: ۴۳

۲۱) امن عالم اور اسلام، ص:۶۴

۲۲) سورۃ یوسف:۹۲

۲۳) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، لبنان، داراحیاء التراث العربی، ج:۱۔۲، ص:۳۱۸

۲۴) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأکراہ، باب:یمین الرجل لصاحبه: انه اخوه خاف علیه القتل أو نحوه، ص:۱۱۹۹، حدیث نمبر:۶۹۵۲

۲۵) ایضا، ص:۳۹۴، حدیث نمبر:۲۴۴۴

۲۶) صحیح المسلم، کتاب البر والصله، باب تحریم التحاسد والتباغض و التدابر، حدیث نمبر:۶۵۲۶، ص:۱۱۲۲

۲۷) الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه، ص:۵، حدیث نمبر:۱۳

۲۸) ایضا، کتاب البر والصله والأدب، باب: تحریم الهجر فوق ثلاثة وأیام، بلا عذر شرعی، ص:۱۱۲۲، حدیث نمبر:۲۵

۲۹) سورۃ آل عمران: ۱۵۹

۳۰) الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب:من ترک صبیة غیره حتی تلعب به، أو قبلهاأو مازحها، حدیث نمبر:۵۹۹۷

۳۱) سورۃ الحشر:۱۰

۳۲) بیہقی، امام، ابی بکر احمد بن الحسین، شعب الایمان لبنان، دارالکتب العلمیہ،۱۹۹۰ء، فصل : فی نصحیة الولاة ووعظم، حدیث نمبر:۷۴۴۴، ص:۳۴

۳۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب البغی، حدیث نمبر:۴۲۱۳، ص:۶۱۳
۳۴) صحیح المسلم، کتاب البر والصله، باب:تحریم الهجرفوق با مذدحم من ثلاثة ایام، حدیث نمبر:۶۵۳۲، ص:۱۱۲۲
۳۵) الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب :خصال المنافق، ص:۴۶، حدیث نمبر:۱۰۶
۳۶) صحیح البخاری، کتاب الجذیة باب اثم من قتل معاهدا، حدیث نمبر:۱۳۶۶، ص:۵۳۷
۳۷) صحیح المسلم، کتاب الجهاد، حدیث نمبر، ۱۶، ج:۳، ص:۱۳۶۱
۳۸) سورۃ آل عمران: ۱۶۴
۳۹) عبدالرؤف ظفر، ڈاکٹر، عصر رواں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں، لاہور، مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۱۲ء، ص:۳۶
۴۰) سورۃ حم سجدۃ: ۴۲ (اس سورۃ میں آیت نمبر ۴۲ نہیں ہے۔)
۴۱) سورۃ الزلزال:
۴۲) سورۃ النجم:۳۹
۴۳) بخاری، الجامع الصحیح، ص:۱۲۲۹، حدیث نمبر:۱۷۰۵
۴۴) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، ریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، کتاب ابواب الصفة القیامة ، باب: فی القیامة، ص:۵۵۰، حدیث نمبر:۲۴۱۶
۴۵) الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب:بیان کون النهی عن المنکر من الایمان، ص:۴۲، حدیث نمبر:۱۷۷
۴۶) الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحة ص: ۴۵، حدیث نمبر:۱۹۶۔ الجامع الصحیح، ص:۱۳، حدیث نمبر:۵۷
۴۷) النووی، محی الدین ابی بکر، امام، ریاض الصالحین، قطر، ادارہ احیاء التراث الاسلامی، ۱۹۸۷ء، باب الامر بالمعروف و نهی عن المنکر، ص:۱۰۷، حدیث نمبر:۱۹۲
۴۸) سورۃ روم:۲۱
۴۹) سورۃ البقرہ:۱۸۷
۵۰) سورۃ النساء:۳۴
۵۱) الصحیح المسلم، کتاب الرضاعة، باب الوصیة بالنساء، ص:۳۶۳۳، حدیث نمبر:۶۲۶
۵۲) سنن نسائی، کتاب الجهاد، باب الرخصة فی التخلف لمن له والده، ص:۴۶۲، حدیث نمبر:۳۱۰۶

۵۳) ابن ماجہ، کتاب الادب، باب برالولدوالاحسان الی البنات،ص:۵۲۶،حدیث نمبر:۳۶۷۰

۵۴) الصحیح المسلم،کتاب الرضاعت، باب:خیر متاع الدنیا المراۃ الصالحۃ،ص:۶۲۷،حدیث نمبر:۳۶۳۹

۵۵) الجامع الصحیح،کتاب البر والصلہ و الأداب، باب:نصر الأخ ظالما أو مظلوما،ص:۱۱۳۰، حدیث نمبر:۲۵۸۳

۵۶) الجامع الصحیح،کتاب الزکوۃ،باب: اخذ الصدقۃ من اغنیاء و ترد فی الفقراء حیث کانوا، ص:۲۴۳،ص:۱۴۹۶

۵۷) ایضا،کتاب البیوع، باب السھولۃ و السماحۃ فی الشراء و البیع، ومن طلب حقا فلیطلبہ فی عفاف،ص:۳۳۳،حدیث نمبر:۲۰۷۶

۵۸) ایضا،کتاب البیوع،باب اذا بین البیعان ولم یکتما و نصحا،ص:۳۳۴،حدیث نمبر:۲۰۷۹

۵۹) سورۃ النساء:۱

۶۰) سورۃ الحجرات:۱۳

۶۱) ترمذی، جامع،ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورۃ الحجرات،ص؛۷۴۳،حدیث نمبر:۳۲۷۰

۶۲) الطبقات الکبریٰ،ج:۲،۱،ص:۳۹۲

۶۳) ترمذی، جامع،ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورۃ الحجرات،ص؛۷۴۳،حدیث نمبر:۳۲۷۰

۶۴) محمد بن سلامہ،مسند الشھاب(موئسۃ الریان،بیروت)ج:۱،ص:۱۴۵

۶۵) الجامع الصحیح،کتاب المحاربین من أھل الکفرو الردۃ،ص۱۱۷۶،حدیث نمبر۶۸۲۸

۶۶) سورۃ الحجرات:۹:۴۹

۶۷) مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتم، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء:۱۲۳۔۱۲۲؛طبقات الکبریٰ،ج:۱،ص،۲۳۸؛سیرۃ،ج:۲،ص۱۵۰ ؛محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، ۱۹۹۳ء، ص:۲۶۶

۶۸) طبقات الکبری، ج:۱،ص،۱۱؛ابن ہشام، السیرۃ النبویہ دار الکنوز العربیہ، س۔ن، ج:۱۔۲،ص۵۰۷؛محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہ، بیکن بکس، ۲۰۰۵ء، ص:۱۵۴؛محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، ۱۹۹۳ء، ص:۲۶۲۔۲۶۳؛سلیمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ اللعالمین، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۱ءایضا، ص:۹۵؛۔ سیرۃ النبویہ، ج:۲، ص:۱۸۷؛۔ عہد نبوی مین نظام حکمرانی، ۸۲،؛ مدنی معاشرہ، عہد رسالت میں، ص:۱۵۷؛۔ سید قاسم محمود، دنیا اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر حمید اللہ، لاہور، بیکن

بکس اردو بازار، ۲۰۰۵ء، ص:۱۵۸؛ محمد اسماعیل، سید، رسول عربی اور عصر جدید، لاہور، احمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۱۳۲

۶۹) محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، ۱۹۹۳ء: ص:۲۷۰؛ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہ ﷺ، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۱۶۸۔۱۷۰؛ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، کراچی، دار اشاعت، ۲۰۰۳ء، ص:۳۱۴

۷۰) سنن ابی داؤد، کتاب الاداب، باب: فی العصبیة، حدیث نمبر:۵۱۲۱، ص:۷۲۰

۷۱) محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، ۱۹۹۳ء، ص:۲۶۴

۷۲) حضور اکرم ﷺ پیغمبر امن و سلامتی، مرتب: قریشی، محمد اسحق، ڈاکٹر، فیصل آباد، شعبہ عربی گورنمنٹ کالج، ۱۹۹۸ء، ص:۳۶

۷۳) سورۃ الکافرون:۱۔۷

۷۴) سورۃ الشوریٰ:۱۵

۷۵) اسلام اور امن عالم، انڈیا، ایفا پبلیکیشنز، ۲۰۱۰ء، ص:۱۴۶

۷۶) امن عالم اور اسلام، ص:۵۷

۷۷) سورۃ الحجرات ۱۱۔۱۲

۷۸) غزالی، محمد بن محمد، المستصفی من علم اصول، مصر، منشورات الشریف الرخی، ۱۳۲۲ھ، ج:۱۔، ص:۲۸۷

۷۹) سورۃ بنی اسرائیل:۷۰

۸۰) سورۃ المائدہ : ۳۲

۸۱) سورۃ الاعراف: ۵۶

۸۲) محمد اسماعیل، سید، رسول عربی اور عصر جدید، لاہور، احمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۱۵۴۔۱۶۰

۸۳) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہ، بیکن بکس، ۲۰۰۵ ص:۱۶۵؛ ایضا، ص؛۱۸۴

۸۴) ایضاص:۱۸۶؛ ایضا، ص:۱۸۷؛ سلیمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ اللعالمین، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص:۱۱۳

۸۵) جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ نحل؛ اکرم ضیاء العمری، ترجمہ: عذرا نسیم فاروقی، مدنی معاشرہ، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۵ء، ص:۴۳۳

۸۶) سورۃ آل عمران : ۶۴

۸۷) البلازری، احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، بیروت، ۱۹۸۷ء، ص ۷۱۔ ۷۲

۸۸) ابی داؤد، ج:۲، حدیث نمبر:۱۲۸۵

۸۹) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، ص:۷۴۷، حدیث نمبر:۴۴۰۶

۹۰) سنن ابی داؤود، کتاب الدیات، قتل خطاء بحوالہ: شبلی نعمانی، سیرت النبی، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ج:۱، ص:۳۰۹

۹۱) طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (شرکہ ومطبعۃ مصطفی البانی الحلبی و اولادہ بمصر الطبعۃ الثالثۃ، ۱۹۶۷ء، ج:۲، ص:۲۰۶؛ الطبقات الکبریٰ، ج:۱۔۲، ص:۳۷۶

۹۲) عصر رواں، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں، ص:۲۸۵

۹۳) حضور نبی اکرم ﷺ پیغمبر امن و سلامتی، مرتب: ڈاکٹر محمد اسحق قریشی، لاہور، مکتبہ زاویہ، اردو بازار، ۱۹۹۸ء، ص:۳۶

****

قیامِ امن کیلئے عہدِ رسالت کے مثالی اقدامات

The Ideal Initiatives for Peacekeeping during the Period of the Prophethood

پروفیسر ڈاکٹر حافظ سعید احمد چنیوٹی *

ABSTRACT

A peaceful society is necessary for the development of any country and nation. Peace means rest of mind and satisfaction. Peace means to create such type of environment where each and every person can perform his or her daily functions of life without any fear and threat. To establish a peaceful society, two types of steps are required to be taken: Ideological Steps; Practical Steps

The sayings, the personal character and the practical steps of the Prophet of Peace (ﷺ) are a perfect picture of love and fraternity in society. The Prophet (ﷺ), through his teachings and actions, spread the sense of human rights and respect for the humanity. He taught to observe equality in law and justice. He united various nations through Mīthāq al-Madīnah. He signed contracts of peace with other nations, too. The Treaty of Ḥudaybiyah is a brilliant example of how to end war and terrorism and to initiate peace to the utmost possible extent.

In the end of this discourse, it has been proved with arguments and references from history that al-Jihād al-Islāmī was used as a last resort to eradicate mischief and persecution to create peace in the land.

Keywords: *Peaceful Society; Satisfaction; Fraternity; Teachings; Humanity*

* صدر شعبہ علوم عربیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجوٹ ٹی۔ آئی کالج چناب نگر (چنیوٹ)

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین نبینا محمد وعلیٰ اٰله وصحبه أجمعین ۔ وبعد

یہ موضوع حساس بھی ہے، اہم بھی اور دور حاضر کی ضرورت بھی ہے۔ پیغمبر امن ﷺ کے فرمودات اورآپ کی ذات گرامی کا کردار امن وسلامتی کا پیغام اور محبت ومودّت کی عملی تصویر ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کے تمام پہلو معاشی ہوں یامعاشرتی، سیاسی ہوں یادفاعی امن کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

موجودہ پرفتن حالات میں اشد ضروری ہے کہ سادہ لوح عوام اور مغرب کے فریب خوردہ سکالرز کو حقیقت سے آگاہ کیا جائے اور ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے کتاب وسنت کی روشنی تاریخی شواہد اور واقعاتی دلائل وبراہین کے ساتھ واضح کیا جائے کہ اسلام ایک دین رحمت ہے۔ اور یہ ثابت کیا جائے کہ کائنات میں صرف ایک ہی شخصیت ہے جس کی فکر اور عمل امن وسلامتی کے حوالے سے مشعل راہ ہے اور وہ صرف اور صرف حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ انہیں پیغمبر اسلام اور پیغمبر امن کہنے میں کوئی فرق نہیں۔ پیغمبر امن کی زندگی کا کوئی قول یا فعل ایسا نہیں جو امن وسلامتی کے منافی ہو۔ یہ چیلنج پیغمبر امن کی سیرت کے علاوہ کسی اور کے کردار سے متعلق نہیں کیا جاسکتا۔

وہ شخصیت بلد امین میں جس کی ولادت ہوئی، امن کی گود میں پرورش پائی، حلم وبردباری کے شیر سے تربیت ہوئی، حدود حرم میں پھلا پھولا، متولی کعبہ کی سرپرستی میں زندگی گزاری، اس کا لقب پیغمبر امن نہ ہو تو اور کیا ہو۔

دوسری طرف دنیا میں امن کے کاغذی خاکے بنانے والے ، قوانین وآئین کے گھتیاں سلجھانے والے ، صلح وآشتی کی شرائط وحدود کا تعین کرنے والے دعوؤں اور نعروں سے لوگوں کے دل بہلانے والے، پرفریب وعدوں سے عوام کو پھنسانے والے، امن وسلامتی کے عملی میدان میں زیرو ہیں۔

امن وسلامتی کیلئے سیرت رسول ﷺ کے تطبیقی اور عملی مظاہر ملاحظہ فرمایئے۔

سیرت طیبہ کی تطبیقی تقسیم:

تاریخی اور زمانی اعتبار سے سیرت طیبہ کے دو بڑے عنوان ہیں۔

۱۔ سیرت قبل از نبوت ۲۔ سیرت بعد از نبوت

پھر سیرت نبوی کو دو ادوار مکی اور مدنی میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مؤلفین اور سیرت نگاروں نے کتب سیرت کے واقعات کو اسی ترتیب سے ذکر کیا ہے۔ لیکن کانفرنس کا عنوان، "امن عالم سیرت طیبہ کی روشنی میں" کا تعلق، معاشرت،، باہمی روابط، اور معاملات سے ہے۔ کہ پیغمبر امن نے اپنوں اور غیروں سے دوستوں اور دشمنوں سے، حامیوں اور مخالفین سے کیسا برتاؤ کیا؟ اور مخالفین کا پیغمبر اسلام سے رویہ کیسا تھا اور رد عمل کیا تھا؟

انسانی زندگی کے دو حالات ہیں:

۱) مجبور و مقہور، مظلوم اور مفتوح

۲) غالب و جابر، فاتح، ظالم

مجبور انسان مظلومیت کے عالم میں گندی زبان استعمال کرتا۔۔۔۔۔ ظالم کے خلاف بد دعائیں کرتا ہے، یا غالب ہو کر مفتوح کی عزت و ناموس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ مگر محمد عربی ﷺ کے اقدامات دونوں حالتوں میں اعتدال اور رحمت کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔

مکی دور میں مظلومانہ زندگی بسر کی، طائف میں ستائے گئے، تشدد کیا گیا، زخمی اور خون آلود ہوئے، مگر زبان پر یہ الفاظ جاری تھے: ((**اللهم أهد قومی فإنهم لا يعلمون**)) (اے اللہ! میری قوم میری قدر و منزلت سے ناواقف ہے ان کی راہنمائی فرما۔)

اسوہ نبوی کا مکمل نقشہ:

مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار میں درگزر، تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں، جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔

جنگ و صلح کی دو متضاد حالتیں:

جنگ و صلح کی متضاد حالتوں میں انسان کا نظام اخلاق دفعتہً بدل جاتا ہے۔ ایک شخص بذاتِ خود نہایت رحم دل ہے لیکن میدان جنگ میں جا کر نہایت بے رحم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص ذاتی معاملات میں نہایت حلیم الطبع ہے، لیکن کسی فوج میں شامل ہو کر سخت مشتعل اور مغلوب الغضب ہو جاتا ہے۔ ایک شخص امن و صلح کے زمانے میں نہایت صادق القول اور پابند عہد ہے لیکن زمانہ جنگ میں اتنا ہی خداع اور عہد شکن بن جاتا ہے۔ ایک جماعت، ایک قوم، ایک ملک، امن و سکون کے دور میں انسانیت کا بہتر سے

بہتر نمونہ ہوتا ہے۔ لیکن جنگی اغراض، طامعانہ اقدامات اور حربی مصالح کے عہد فساد میں آکر چار پایوں سے زیادہ وحشی اور درندوں سے زیادہ خونخوار ہو جاتا ہے۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ فِىٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَٰهُ أَسْفَلَ سَٰفِلِينَ﴾[1]

اسی بناء پر بعض حکماء کا قول ہے کہ: سیاست اپنے پہلو میں دل نہیں رکھتی۔[2]

مظلومانہ زندگی:

مکی زندگی کا ایک ایک واقعہ ظلم و تشدد کی بھیانک تصویر ہے۔ جسے پڑھ کر قاری کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۱۔ جنگ احد کے دوران زخمی حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا! اللہ کے رسول ﷺ، کیا اس سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آپ ﷺ پر گزرا ہے؟ فرمایا: ہاں! طائف کا دن۔[3]

۲۔ عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ مجھے بتایئے کہ مشرکین کی رسول اللہ ﷺ کے خلاف شدید ترین کاروائی کون سی تھی؟ فرمانے لگے رسول اللہ ﷺ حطیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبۃ بن معیط نے آپ کا گلا گھونٹ دیا کہ آپ ﷺ کو سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دفاع کیا۔[4]

۳۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے چشم دید واقعہ بیان کیا کہ آپ ﷺ کعبہ میں سجدہ کی حالت میں تھے۔ مشرکین کی مجلس سے کسی نے کہا کہ کون اٹھے گا اور فلاں کے گھر ذبح شدہ اونٹ کی اوجری، گندگی سمیت آپ ﷺ پر رکھ دے۔ چنانچہ ایک بدبخت نے یہ کارنامہ سرانجام دیا۔ عین سجدہ کی حالت میں آپ ﷺ کی کمر پر اوجھڑی رکھ دی گئی۔ اور مشرکین ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ اور میں بے بسی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔[5]

۴۔ عقبہ بن معیط سجدہ کی حالت میں آپ ﷺ کی گردن پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

۵۔ قریش کے اوباش آپ ﷺ کے چہرہ اقدس اور سر پر مٹی پھینک دیتے۔

۶۔ اور کبھی کبھی یہ نوجوان آپ ﷺ کے گھر گندگی پھینک دیتے اور آپ ﷺ لکڑی پر اسے اٹھا کر اسے باہر لاتے اور فرماتے: اے بنی عبد مناف! یہ کیسا پڑوس ہے؟

۷۔ ایک مرتبہ امیّہ نے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر تھوک دیا"۔[6]

علاوہ ازیں سفر طائف کا ایک ایک لمحہ کرب والم تشدد اور درندگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مگر سرور کائنات ان تمام ظالمانہ کاروائیوں کے باوجود حکم الٰہی ﴿ فَٱصۡبِرۡ كَمَا صَبَرَ أُوْلُواْ ٱلۡعَزۡمِ مِنَ ٱلرُّسُلِ ﴾[۷] پر شدت سے کار بند رہے۔ رد عمل میں نہ بد عا ہے نہ آہ وزاری، گالیاں ہیں نہ بد گوئی۔ بلکہ زبان رحمت سے یہ الفاظ نکلے " مجھے امید ہے کہ ان کی نسل سے توحید کے علمبر دار قوم تیار ہو گی"۔[۸]

فتح مکہ اور پیغمبر امن:

مکہ میں فاتح اور غالب ہو کر داخل ہوئے، ظلم و تشدد کرنے والے ہاتھ باندھے، نظریں جھکائے فیصلے کے منتظر ہیں، قتل یا قید۔

اس موقعہ پر حضور ﷺ نے قریش کو مخاطب کر کے پوچھا:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم کو معلوم ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ ان الفاظ کے گونجتے ہی ظلم اور مکر، تشدد اور خونخواری کی وہ ساری گندی تاریخ قریش کی نگاہوں کے سامنے سے ایک فلم کی طرح گزر گئی ہو گی جسے انہوں نے بیس اکیس برس میں تیار کیا تھا، ان کے ضمیر پھٹ جانے کو ہیں، بے بسی اور تضرع کے عالم میں وہ لوگ پکار اٹھے : «أَخٌ كَرِيمٌ، وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ»[۹] جواباً آواز آئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾[۱۰] «اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ» [۱۱]

امن وسلامتی کے پیغام کے اس ایک جملہ نے آتش انتقام اگلتی زبانوں کو گنگ کر دیا اور خون آشام چمکتی تلواروں کو میانوں میں داخل اور جذبہ انتقام سے سموم لہراتے نیزوں کو سرنگوں کر دیا۔

فاتحانہ پالیسی کا اعلان:

« مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ،
وَمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ دَارَهُ فَهُوَ آمِنٌ،
وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ»[۱۲]

حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان کو دیکھ کر جوش انتقام سے مغلوب پا کر یہ اعلان کیا «اليَوْمَ يَوْمُ المَلْحَمَةِ » آج جی بھر کر انتقام لینے اور خون بہانے کا وقت ہے۔

پیغمبر امن رؤف الرحیم اور انسانیت کے شفیق نے فرمایا: « اليَوْمَ يَوْمُ المَرحَمَةِ» « اليَوْمَ تُسْتَحَلُّ الكَعْبَةُ» کے جواب میں فرمایا: « وَيَوْمٌ تُكْسَى فِيهِ الكَعْبَةُ» "[۱۳]

حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے کہا « الْيَوْمَ أَذَلّ اللهّ قُرَيْشًا» آج قریش کی ذلت ہو گی۔ پیغمبر امن صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « الْيَوْمَ أَعَزّ اللهُ فِيهِ قُرَيْشًا» آج قریش صاحب عزت ہوں گے۔[۱۴]

ایک موقعہ پر بیت اللہ کے چابی بردار عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کعبہ کا دروازہ بند کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان رضی اللہ عنہ! ایک روز یہ چابی میرے قبضہ میں ہو گی۔ جسے چاہوں عطا کروں گا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا! کہ وہ دن تو قریش کی ہلاکت وذلت کا ہو گا۔ فرمایا: بلکہ وہ تو ان کی ناموری اور عزت کا دن ہو گا۔[۱۵]

کوئی اور ہوتا تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔:

کوئی اور ہوتا تو آج اکڑ کر مکے میں داخل ہوا ہوتا، ایک ایک واقعہ کا انتقام لیتا، چن چن کر ان افراد کو تلوار کا لقمہ بناتا جنہوں نے ذرا بھی کوئی زیادتی کی ہوتی، مفتوح شہر میں قتل عام کرا دیتا، لوگوں کے مال اور عورتوں کی عصمتیں نیلام چڑھ گئی ہوتیں۔ لیکن فاتح چونکہ محسن انسانیت تھا انسانوں کو فتح کرنا چاہا اور جسموں پر قابو پانے سے بڑھ کر دلوں کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔[۱۶]

فتح مکہ کے دن ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کرنے آیا تو ہیبت نبوت سے اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر فرمایا: «هَوِّنْ عَلَيْكَ، فَإِنِّي لَسْتُ بِمَلِكٍ إِنَّمَا أَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ، كَانَتْ تَأْكُلُ الْقَدِيدَ» [۱۷] (سنبھل جاؤ میں کوئی بادشاہ نہیں! میں تو قریش کی ایک سادہ مزاج عورت کا بیٹا ہوں۔ جو دھوپ میں خشک کیے ہوئے قیمہ پر گزارا کر لیتی۔)

قیام امن کیلئے عملی تدابیر:

پیغمبر امن کا عظیم کارنامہ: اگر ہم پیغمبر امن صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر بغور نظر ڈالیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یوں تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے بہت سے گوشے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اہم گوشہ بحیثیت داعی امن واخوت ہے۔ کیونکہ آپ کے اخلاق کریمانہ نے تائید غیبی کے ساتھ لوگوں کو محبت واخوت کی لڑی میں پرو دیا۔ جو معاشرہ انتشار وافتراق کا شکار تھا اس کو توحید الٰہی کے رشتے میں ایک

دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا کہ جس کی مثال مواخات، بھائی چارے کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

تعمیر ملت کا سنگ بنیاد:

"دنیا میں کوئی کام انسانوں کیلئے اس سے زیادہ مشکل نہیں کہ بکھرے ہوئے انسانی دلوں کو ایک رشتہ الفت میں پرو دے، اور یہ کام تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے، جب معاملہ ایسے انسانوں کا ہو۔ جو صدیوں سے باہمی جنگ وجدل کی آب وہوا میں پرورش پاتے رہے ہوں اور جن کے نفسیاتی سانچوں میں باہمی آمیزش واتلاف کا کوئی ڈھنگ باقی نہ رہا ہو۔"(۱۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ﴾(۱۹)

(تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے۔ مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے۔)

مواخات:

مواخات پر عمل مکہ میں بھی ہوا اور مدینہ میں بھی، مواخات مکہ میں مکی اصحاب کی سلسلہ بندی مقصود تھی، نصرت علی الحق اور مواسات مطلوب تھی اور مواخات مدینہ میں مکی و مدنی اصحاب میں وحدت اسلامی کا پیدا کرنا ملحوظ تھا۔ توسیع محبت اور استحکام انس ومودت اس کی بنیاد تھی۔

مواخات مکہ:

محمد رسول اللہ ﷺ	حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
حضرت امیر حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ	حضرت زبیر بن حارثہ رضی اللہ عنہ
حضرت زبیر بن العوّام رضی اللہ عنہ	حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۲۰)

مواخات مدینہ اور طریقہ مواخات:

ہجرت سے پانچ چھ ماہ کے بعد جن دنوں مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی، ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ اخوت و معاقدت سے قوی دل قوی بازو بنایا گیا۔

«ثم أخى رسول اللهﷺ بين المهاجر ين والأنصار فى دار أنس ابن مالک، وكانوا تسعين رجلاً: نصفهم من المهاجرين ونصفهم من الأنصار آخى بينهم على المواساة ويتوارثون بعد الموت دون ذوى الأرحام»

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا۔ وہ تقریباً ۹۰ افراد تھے۔ نصف مہاجرین اور نصف انصار اور یہ رشتہ ہمدردی اور غمخواری کے بنیاد پر قائم ہوا۔ اس کے نتیجہ میں وہ خونی رشتہ داروں کو چھوڑ کر باہمی ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے۔ (۲۱)

مواخات کا اثر:

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کیلئے قائم کیا گیا، کہ بے خانماں مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے، لیکن در حقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔

اس بنا پر جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم گیا، ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحاد مذاق موجود ہو، جو تربیت پذیری کیلئے ضروری ہے تفحص اور استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا۔ دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ شان نبوت (داعی امن و محبت) کی خصوصیات میں سے ہے۔ (۲۲)

سرور عالم ﷺ نے عقیدے، نظریے اور مقصد کی صحیح معنوں میں ایک نئی برادری پیدا کر دکھائی اور ایک ایک انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ایک مہاجر رضی اللہ عنہ کا برادرانہ رشتہ قائم کر دیا۔

انصار رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مال، مساکن، باغات اور کھیت آدھے آدھے بانٹ کر رفقائے اسلام کو دے رہے تھے بلکہ بعض تو یہاں تک تیار ہو گئے کہ دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اپنے دینی بھائی کے نکاح میں دے دیں۔ دوسری طرف مہاجرین رضی اللہ عنہم کی خودداری کا عالم یہ تھا کہ وہ کہتے تھے، **"دُلّنی علی السّوق"** (ہمیں بازار کا راستہ دکھادو) (۲۳)

حصول امن کیلئے حقوق انسانی کا احترام اور سیرت طیبہ:

اسلام نے جس قدر احترام انسانیت کو بلند کیا ہے اس کی کوئی مثال کسی مذہب میں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو علمی اور عملی راستہ دنیا کو دکھایا اور ورثہ میں دیا اس میں انسانی ہمدردی اور امن وسلامتی ہی قدر مشترک ہے، جسے دوسرے الفاظ میں ہم یوں تعبیر کرسکتے ہیں۔ حقوق اللہ کے ساتھ رسول ﷺ نے جس قدر حقوق العباد پر تاکید فرماتی ہے، وہ صرف اور صرف اس باہمی محبت اور امن وسلامتی کی خاطر ہے، بغض ونفرت کے جذبات اس وقت پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ احساس محرومی پیدا ہوتا ہے اور حق تلفی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنے حقوق کا تحفظ کرنے اور ان کے حصول کی طرح دوسرے کا بھی حق سمجھے تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرتی امن وسکون میسر نہ آسکے اور منافرت ودھشت کا راستہ نہ رک سکے۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے پوری انسانیت کو یہ احساس دلایا، آپ نے باب بیت اللہ کے دونوں بازو پکڑ کر تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا: اس میں قریش کو مخاطب کرتے ہوئے انسانی مساوات کے خلاف ان کے وضع کردہ قوانین اور طبقاتی ونسبی امتیازات کے خاتمے کا تاریخ ساز اعلان فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، أَنْتُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ»[۲۴]

اے قریش:! جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار اللہ تعالیٰ نے مٹادیا، تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے، تاکہ انسان کے دل ودماغ ہیں یہ حقیقت موجود رہے کہ جس دھرتی پر وہ چلتا ہے، یہی دھرتی سب کی مشترکہ مادہ تخلیق ہے جس طرح اس سے پیدا کیے جائے اور پھر اس میں لوٹانے جانے ہیں سب برابر ہیں، اس طرح اس پر رہنے کا سب کو یکساں حق ہے۔

حقوق انسانی اور احترام آدمیت کو جو سبق پیغمبر رحمت ﷺ نے دیا، اس پیغام امن میں اپنے اور بیگانے کا کوئی امتیاز نہیں وہاں اولیت انسانی قدر مشترک کو ہے۔ ایک مرتبہ کسی یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو یہودی کا جنازہ تھا، پیغمبر رحمت ﷺ فرماتے ہیں: «أَلَيْسَتْ نَفْسًا» کیا وہ انسان نہیں؟[۲۵]

آزادی:

اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے کہ خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ لیکن اس نے یا خود ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہن لیں یا ظالمانہ روایات اور جابر انسانوں نے اپنے ہم جنسوں کو پابہ زنجیر کر دیا۔ کسی انقلاب کو حقیقی مصلحانہ انقلاب نہیں کہہ سکتے جب تک اس انقلاب سے انسان کا قدم غلامی سے آزادی کی طرف نہ بڑھے۔

انسان کی یہی حقیقت اس مصرع میں بیان کی ہے کہ:

خلق را از انبیاء آزادی است

پیغمبر امن ﷺ جب مبعوث ہوئے اس وقت تمام دنیا کے انسان گوناگوں غلامیوں میں جکڑے ہوئے تھے، ظالم حکمرانوں نے رعایا کو غلام بنا رکھا تھا، مذہبی پیشواؤں احبار و رھبان نے لوگوں کے دل و دماغ کو توہمات کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور فطرت کے گلے میں بھاری طوق ڈال رکھے تھے۔ پیغمبر ﷺ نے وہ سارے بوجھ اتار دیئے اور وہ تمام بندشیں توڑ کر زندگی کو آزاد کر دیا۔

قرآن مجید نے ان الفاظ میں اس کی تصویر کشی کی:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَٱلْأَغْلَٰلَ ٱلَّتِى كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (۲۶)

(اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں جکڑے ہوئے تھے۔)

پیغمبر امن ﷺ نے انسانی وجود کو آزادی کے ساتھ اس کے ضمیر کی آزادی کا علم بھی بلند کیا اور اسے آزادی اظہار کسی کے شخص کے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے پر کوئی نہیں۔ وہ کم از کم انسانی حدود میں رہ کر جس طرح چاہے اظہار خیال کرے اور جس خیال کو چاہے اپنائے۔ حتّٰی کہ فرمایا: ﴿لَآ إِكْرَاهَ فِى ٱلدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشْدُ مِنَ ٱلْغَىِّ ۚ﴾ (۲۷) (دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو گی۔)

عدل و مساوات برائے حصول امن:

مساوات کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو شرعًا و قانونًا و اخلاقًا وہ تمام حقوق حاصل ہوں، جو کسی دوسرے شخص کو اسی ملک یا اسی دین کے اندر حاصل شدہ ہوں۔

کسی شخص کو محض نسلی، علاقائی اور لسانی اور خاندانی بنیاد پر برتری کا حق نہ ہو، قانون کی نظر میں تمام پر برابر ہوں، قانون کا اگر منصفانہ اور غیر جانبدار نفاذ نہ ہو تو وہ اپنی روح تخلیق سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر وہی قانون امن و سلامتی کا ذریعہ بننے کی بجائے تخریب و فساد دہشت گردی اور بدامنی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے اسلام نے عدل اجتماعی اور مساوات کو معاشرتی استحکام کیلئے از بس ضروری قرار دیا ہے تاکہ انسانی امن و سلامتی کے خلاف ابھرنے والے جذبات کو فتنہ سامانی اور فساد خیزی کا موقعہ نہ مل سکے۔

اس سلسلہ میں یہ حکم کس قدر واضح ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ﴾ (۲۸)

(اور تمہیں کسی قوم سے دشمنی عدل کرنے سے ہرگز نہ روکے، عدل وانصاف کرو یہی بات قرین تقویٰ ہے۔)

قانونی مساوات اور معاشرتی امن:

پیغمبر اسلام نے اگر اپنے پیغام امن و سلامتی کو انسانی معاشرہ میں ایک محسوس حقیقت کے طور پر منوایا تو اس میں اس عادلانہ ومنصفانہ نفاذ قانون کے اجراء کا بہت بڑا عمل دخل تھا۔ ایک دفعہ قریش کے ایک معزز گھرانے کی عورت نے چوری کی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ان کی سفارش کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»(۲۹)(اللہ کی قسم بالفرض اگر فاطمۃ محمد ﷺ کی لخت جگر بھی چوری کرے تو اللہ کا رسول ﷺ اس کا بھی ہاتھ کاٹ دے گا)۔

مشاورت ومشارکت:

کسی بھی منزل و مدینہ کے افراد جب احساس محرومی پائیں گے تو منفی جذبات کو انگیخت ملے گی۔ خانگی وملکی سیاست میں کامیاب ریاست کا خواب تب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے جب وہاں کے متعلقہ افراد کو اعتماد میں لیتے ہوئے مشاورت وشراکت کا عمل اپنایا جائے۔ اگر جبر واکراہ اور ڈکٹیٹر شپ ہو گی تو کسی بھی وقت تخریب کاری اور دہشت گردی کا لاوا پھوٹ سکتا ہے۔ جبکہ مشارکت وشراکت کا عمل ہر لمحہ ہر فرد کو بذات خود ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور یہی احساس ہر قسم کے منفرد جذبات کو روکنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے، چنانچہ انسانی معاشرہ میں امن و سلامتی اور استحکام کی خاطر اس پہلو میں مشاورت کا جو قدم اٹھایا

ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگاسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو پابند کیا جارہا ہے۔(۳۰)

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ (۳۱)

(اور ان سے معاملات میں مشورہ کیجئے۔)

جبکہ عام مسلمان سوسائٹی کی خوبی یہ بیان کی جاتی ہے:

﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾ (۳۲)

(معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔)

اسلام جس معاشرہ کو جسد واحد دیکھنا چاہتا ہے، وہ اس عمل مشاورت و شراکت ہی کی برکت سے ممکن ہے۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں مشاورت کا فائدہ نقل کرتے ہیں:

« فَإِنَّ ذَلِكَ أَعْطَفُ لَهُمْ عَلَيْهِ وَأَذْهَبُ لِأَضْغَانِهِمْ، وَأَطْيَبُ لِنُفُوسِهِمْ. فَإِذَا شَاوَرَهُمْ عَرَفُوا إِكْرَامَهُ لَهُمْ » (۳۳)

"اپنے ساتھیوں سے مشاورت ان سے نرمی و محبت کا مظہر ہے اور ان کے دلوں میں چھپی نفرت کو ختم کرنے کا سبب، نیز ان کیلئے اطمینان کا ذریعہ ہے اور جب ان سے مشورہ ہو گا تو وہ سمجھیں گے ان کی عزت واحترام ہوا ہے۔"

مختلف قبائل واقوام سے معاہدات امن

معاہدہ حدیبیہ اور امن وسلامتی: یہ معاہدہ پیغمبر امن ﷺ، ان کے ساتھیوں اور کفار مکہ کے درمیان ۶ ہجری میں طے پایا۔ جس میں کفار نے مسلمانوں کی سیاسی، مذہبی اور آزاد حیثیت کو تسلیم کرلیا۔ جو کام کئی جنگوں سے نہیں ہوسکا وہ صلح کے ذریعے منوایا گیا۔

"حضور ﷺ کی اسلامی تحریک کی تاریخ میں معاہدہ حدیبیہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کے نتیجے میں حالات کے دھارے نے ایک اہم ترین موڑ موڑا اور تحریک حق ایک ہی جست لگا کر اپنی توسیع کے عوامی دور میں داخل ہوگئی۔ محسن انسانیت کی سیاسی بصیرت کی انتہائی معراج کمال اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ درجہ اوّل کے معاند اور برسر جنگ

طاقت کو حضور نے کس آسانی سے مصالحت پر تیار کر لیا اور اس کے ہاتھ کئے برس کیلئے باندھ دیے"۔ (۳۴)

فتح مبین جنگ یا صلح: قرآن مجید نے جنگ کو "فتح مبین" نہیں کہا بلکہ صلح کے معاہدہ کو کہا ہے۔ اسلام نے اپنی تعلیمات میں ایک عام تصور دیا ہے کہ ہر معاملہ میں جنگ و جدال کی بجائے صلح بہتر ہے۔

﴿وَٱلصُّلۡحُ خَيۡرٌۗ﴾ (۳۵)

(اور صلح ہی بہتر ہے۔)

دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے:

﴿وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلۡمِ فَٱجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللَّهِۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ﴾ (۳۶)

(اور اگر وہ صلح کیلئے مائل ہوں تو تم بھی صلح کیلئے تیار ہو جاؤ۔ اور تم اللہ پر بھروسہ کرو بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔)

آنحضرت ﷺ کی سیرت بتاتی ہے کہ کفار میں سے جو بھی آپ سے صلح کرتا، تو آپ ﷺ اس سے لڑائی نہیں کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت پاک سے یہ چیز تواتر سے ثابت ہے۔

تقریباً یہی بات علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے:

« وَمَنْ تَأَمَّلَ سِيرَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ لَمْ يُكْرِهْ أَحَدًا عَلَى دِينِهِ قَطُّ، وَأَنَّهُ إِنَّمَا قَاتَلَ مَنْ قَاتَلَهُ وَأَمَّا مَنْ هَادَنَهُ فَلَمْ يُقَاتِلْهُ مَا دَامَ مُقِيمًا عَلَى هُدْنَتِهِ، لَمْ يَنْقُضْ عَهْدَهُ» (۳۷)

جو شخص بھی آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں غور کرے گا اس پر واضح ہو گا کہ آپ ﷺ نے اس سے جنگ کی جس نے خود آپ ﷺ سے جنگ کی ورنہ جس نے صلح کی اس سے آپ ﷺ نے جنگ نہیں کی۔

ہندو ادیب اور سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد صلح حدیبیہ پر "فتح مبین" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

"اس کی (صلح حدیبیہ) ذلت آمیز شرائط ہی میں ملک و ملت کے لیے امن و امان اور انسانی فلاح و بہبود کا راز مضمر تھا۔ بعد میں پیش آنے والے واقعات سے قطع نظر اس وقت بھی

اگر بنظر عمیق دیکھا جاتا تو یہ صلح جسے عام مسلمان اپنی "شکست فاش" قرار دے رہے تھے ،انہیں فتح مبین ہی نظر آتی۔

اسلام کی جنگ وجدال، صلح وآشتی اور امن وامان کے لیے مخصوص تھی، پھر جب ان شرائط پر بغیر تلوار کو میان سے نکالنے کے خونریزی کا سدباب ہو گیا تو یہ اسلام کی فتح ہوئی یا شکست ؟ اسلام کی سب سے بڑی ظفر مندی یہ نہیں کہ وہ ملک کو شعلہ زار جنگ وجدل بنادے بلکہ اس کی سب سے بڑی ظفر مندی شعلہ زار جنگ وجدال کو فردوس زار امن ورافت میں تبدیل کرنا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت محمد ﷺ کی بلند نظری نے دیکھ لیا تھا اور ان شرائط پر جنہیں عربوں کی اقتدار پسند طبیعت ذلت آمیز قرار دے رہی تھی ، صلح وآشتی کا معاہدہ مترتب کر کے ملک کو جنگ کی شعلہ ریزیوں اور خونچکانیوں سے ایمن کر دیا تھا۔ اگر حضور انور ﷺ ذرا سی اقتدار پسندی کے جذبے سے بھی کام لیتے تو ہزاروں سر تن سے جدا ہو جاتے، سینکڑوں عورتیں بیوہ اور سینکڑوں بچے یتیم ہو جاتے ۔ مگر آپ ﷺ نے انتہائی دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے متبعین مخلصین کی کثرت رائے کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے بغیر تیر و تلوار کے وہ حیرت انگیز کار نمایاں کر دکھایا جسے جنگجویانِ اسلام تیر و تلوار کی قوت سے بھی سر انجام نہ دے سکتے اور ساتھ ساتھیہ "ذلت آمیز شرط" بھی کہ اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی مدینہ سے مکہ آجائے تو قریش اسے مسلمانوں کو واپس نہ دیں گے لیکن اگر قریش کا کوئی آدمی مدینہ آجائے تو مسلمانوں کو واپس دینا ہو گا، زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ خود قریش اس کے منسوخ کر دینے پر مجبور ہوئے۔"(۳۸)

جنگ سے قبل معاہدہ امن: رسول اللہ ﷺ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز جنگ کی بجائے معاہدہ امن سے کیا۔ نبی مکرم علیہ السلام کی زندگی دو ادوار میں منقسم ہے۔ مکی دور صبر و تحمل برداشت اور عفو درگزری کی اعلیٰ مثال ہے۔ اور مدنی دور نوع انسانیت کے ساتھ رواداری، اتحاد واتفاق، ترک انتقام، صلح و آتشی اور امن وسلامتی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

یہود کے ساتھ معاہدہ: نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد جن مسلمانوں کے درمیان، عقیدے، سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعے ایک نئے اسلامی معاشرے کی بنیادیں استوار کر لیں۔ تو غیر مسلموں کے ساتھ

اپنے تعلقات منظم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت، امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو، اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گرد وپیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین مسنون فرمائے جن کا اس تعصب اور غلوّپسندی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

مدینے کے سب سے قریب ترین پڑوسی یہود تھے۔ یہ لوگ اگرچہ درپردہ مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے لیکن انہوں نے اب تک کسی محاذ آرائی اور جھگڑے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ منعقد کیا، جس میں انہیں دین ومذہب اور جان ومال کی مطلق آزادی دی گئی تھی اور جلاوطنی، ضبطگیٔ جائداد یا جھگڑے کی سیاست کا کوئی رخ اختیار نہیں گیا تھا۔[۳۹]

سوامی لکشمن پرشاد اس معاہدہ پر خراج تحسین ان الفاظ میں دیتے ہیں:

> اس معاہدہ کی تمام شرائط سے آفتاب درخشاں کی طرح یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ باشندگان مدینہ نے حضور انور کی غیر معمولی عظمت ووقعت کو قطعی طور پر محسوس کر لیا تھا اور اس تھوڑے وقت میں بھی ان پر اس حقیقت کا اذعان ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ کے پہلو میں ایک صلح کل انصاف پسند، اور بے غرض دل موجود ہے۔
>
> انصاف پسندی کا تقاضا حضرت محمد ﷺ کی دور اندیشی، بلند نظری اور عالی دماغ کی بے اختیار داد دینے پر مجبور کرتا ہے جب ہم حالات کی نزاکت کو محسوس کرنے کے بعد ان شرائط پر ایک نظر ڈالتے ہیں اس موقعہ کے مطابق ان شرائط کی اہمیت کس قدر وقیع ہے۔ یہ کسی معمولی دماغ کا نتیجہ نہیں ہیں۔[۴۰]

امن وسلامتی کے دائرے کو مزید وسعت دینے کے لئے نبی ﷺ نے آئندہ دوسرے قبائل سے بھی حالات کے مطابق اس طرح کے معاہدے کیے۔

قبیلہ جہینہ سے معاہدہ امن: امن وامان اور سکون وسلامتی کے دائرے کو مزید وسعت دینے کے لئے پیغمبر امن ﷺ نے دوسرے قبائل سے بھی حالات کے مطابق اسی طرح کے معائدے کیے۔ ان میں سے ایک معاہدہ قبیلہ جہینہ کے ساتھ کیا۔ ان کی آبادی مدینہ سے تین مرحلے (۴۵ یا ۵۰ میل کے فاصلے) پر واقع تھی۔[۴۱]

بنو ضمرہ سے معاہدہ امن: پیغمبر امن ﷺ نے ایک معاہدہ امن غزوہ ابواء (ودّان) صفر ۲ھ میں طے کیا۔ اس مہم میں آپ ﷺ ستر مہاجرین کے ہمراہ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے تھے۔ اس غزوے میں آپ ﷺ نے بنو ضمرہ کے سردار مخشی ضمری سے حلیفانہ معاہدہ کیا۔ (۴۲)

معاہدے کی عبارت یہ تھی:

"یہ بنو ضمرہ کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے۔ یہ لوگ اپنی جان اور مال کے بارے میں مامون رہیں گے اور جو ان پر یورش کرے گا، اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی، اِلاّ یہ کہ یہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں۔ (یہ معاہدہ اس وقت تک کے لیے ہے) جب تک سمندر ان کو تر کرے (یعنی ہمیشہ کے لیے ہے) اور جب نبی ﷺ اپنی مدد کے لیے انھیں آواز دیں گے تو انھیں آنا ہو گا۔" (۴۳)

بنو مدلج سے معاہدہ امن: ایک معاہدہ پیغمبر امن ﷺ نے غزوہ ذی العشیرۃ جمادی الاولیٰ یا جمادی الآخرہ ۲ھ میں بنو مدلج اور ان کے حلیف بنو ضمرہ سے کیا۔ اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ ڈیڑھ یا دو سو مہاجرین تھے۔ (۴۴)

ان معاہدات سے آپ ﷺ کی امن پسندی اور صلح جوئی کی پالیسی واضح ہو رہی ہے۔

جہاد برائے امن:

"دارو سکندر سے لے کر ترقی یافتہ یورپ کے مہذب جرنیلوں تک کی روایت یہی ہے کہ فاتح قوم مفتوح قوم کے مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو بے دریغ قتل کرتی ہے۔ شہریوں اور بستیوں کو تاراج کرتی ہے، سرسبز و شاداب کھیتوں اور باغات کو برباد کرتی ہے، گھروں اور عمارتوں کو نذرِ آتش کرتی ہے، لیکن پیغمبر اسلام نے اس خونی روایت سے ہٹ کر ایک عظیم انقلابی اور اِصلاحی روایت کی طرح ڈالی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کا مشن لوگوں کی جانیں لینا نہیں، جانیں بچانا تھا، زمین کے خطوں کو فتح کرنا نہیں بلکہ دلوں کو فتح کرنا تھا، انسانوں کو ذلیل اور رسوا کرنا نہیں بلکہ عزو شرف عطا کرنا تھا۔ شہروں اور بستیوں کو ویران کرنا نہیں بلکہ آباد کرنا تھا۔ درندگی، دہشت گردی اور فساد فی الارض برپا کرنا نہیں بلکہ درندگی، دہشت گردی اور فساد فی الارض کا قلع قمع کرنا تھا۔ ہر وہ شخص جو ضمیر کی آواز رکھتا ہے، جس کا دل اور دماغ تعصب سے اندھا نہیں ہوا،

وہ پیغمبر اسلام کی قائم کی ہوئی اس عظیم انقلابی اور اصلاحی روایت میں پیغمبر اسلام کے مقدس مشن کو بڑی آسانی سے دیکھ سکتا ہے۔"(۴۵)

مقاصد جہاد:

جہاد برائے دفاع: انسان کے تمدنی حقوق میں یہ شامل ہے کہ اسے زندہ رہنے کا حق دیا جائے، انسان کی عزت، مال و جان، اہل و عیال اور گھر کا تحفظ ہو۔ اگر انسان کی جان کی قیمت نہ ہو، اس کا کوئی احترام نہ ہو، اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ ہو تو چار آدمی کیسے مل کر رہ سکتے ہیں، ان میں باہم معاملات کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسلام چونکہ انسانی حقوق کے تحفظ و دفاع کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ اس لئے اس نے ان حقوق کے تحفظ کی خاطر دفاعی جنگ کو ضروری نہیں بلکہ فرض قرار دیا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَقَٰتِلُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوٓاْ ﴾(۴۶)

(اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو۔)

اگر کوئی شخص ان حقوق کا دفاع کرتے ہوا مارا جائے تو وہ شہید کہلائے گا:

«مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ»(۴۷)

جہاد برائے خاتمہ فتنہ وفساد: قرآن مجید نے فتنہ وفساد کے خاتمہ کیلئے جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَقَٰتِلُوهُمۡ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتۡنَةٞ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ لِلَّهِۖ ﴾(۴۸)

(تم ان سے لڑتے رہو جہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کیلئے ہو جائے۔)

فتنے سے مراد ہو وہ قوت اور جبر ہے جو اشاعت اسلام کی راہ میں آڑے آئے اور معاشرہ کی بھلائے اور اصلاح کا فریضہ سر انجام دینے والوں کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ اور کوئی انسانی گروہ زبردستی اپنا فکری استبداد دوسروں پر مسلط کرکے اور لوگوں کو قبول حق سے بجبر روکے اور اصلاح و تغیر کی جائز و معقول کوششوں کا مقابلہ دلائل سے کرنے کے بجائے حیوانی طاقت سے کرنے لگے تو وہ قتل بہ نسبت زیادہ سخت برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور ایسے گروہ کو بزور شمشیر ہٹا دینا بالکل جائز ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَٱلْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ ٱلْقَتْلِ ﴾(۴۹)

مظلوموں کی فریادرسی: اگر دنیا کے کسی خطہ میں رہائش پذیر مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو ان کی داد رسی کیلئے انہیں ظلم سے نجات دلانے کیلئے جہاد کرنا فرض ہے۔ بلکہ اس میں کوتاہی موجب عتاب ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلْوِلْدَٰنِ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ ٱلظَّالِمِ أَهْلُهَا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴾(۵۰)

یعنی جب مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو وہ دنیا کے کسی بھی حصّہ ہیں بستے ہوں ان کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کیلئے تمام مسلمانوں کو جہاد کیلئے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے:

﴿ وَإِنِ ٱسْتَنصَرُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ فَعَلَيْكُمُ ٱلنَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَٰقٌ ﴾(۵۱)

(اگر تم سے دین کے معاملے میں مدد مانگے تو تم پر مدد کرنا لازم ہے۔ مگر اس قوم کے خلاف کہ تمھارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو۔)

ظلم کا بدلہ لینے کے لئے جہاد: اپنے آپ پر ہونے والے ظلم کو روکنا دین اسلام کی تعلیم کا حصہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۟ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴾(۵۲)

(قتال کی اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔)

قرآن مجید کی یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کی جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ اجازت دینے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے بیان فرمادی ہے کہ چونکہ مسلمانوں پر مسلسل تیرہ

سال تک بے پناہ ظلم و ستم ڈھائے گئے۔ لہذا اب انہیں اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی ظلم کرنے والوں کے خلاف جنگ کریں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ﴾ (۵۳)

(اور ان کو قتل کرو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ ہو اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا جارہا ہو ان کے گھر بار چھینے جارہے ہو، ان کو ان کی جائیدادوں سے بے دخل کیا جارہا ہو، انہیں قتل کیا جارہا ہو، تو ایسے ظالموں، قاتلوں اور مفسدوں کے خلاف جنگ کرنی چاہیے۔ اور اگر کفار مسلمانوں کو ان کی سرزمین سے نکال دیں یا ان سے اقتدار چھین لیں تو مسلمانوں کو بھی طاقت حاصل ہونے پر کفار کو وہاں سے نکال دینا چاہیے اور ان سے اقتدار واپس لینا چاہیے۔

انسانی خدائی کے خاتمہ کے لئے جہاد: دین اسلام کی بنیاد عقیدہ توحید ہے، جس کے مطابق اس دنیا کا خالق، مالک، رازق، معبود، آقا اور شہنشاہ صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ باقی ساری مخلوق اس کے عاجز بندے اور دست بستہ غلام ہیں جو اس کے آگے جوابدہ ہیں۔ لہذا کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود بندوں کا رازق بن کر ان کو ذلیل و رسوا کرنے لگے۔ کسی طاقتور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود بندوں کا مالک بن جائے اور ان کی عزتوں سے کھیلنے لگے۔ کسی حاکم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کا شہنشاہ بن جائے اور رعایا کے حقوق پامال کرنے لگے۔

حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایرانی سپہ سالار رستم کو مقصد جہاد بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«اللَّهُ ابْتَعَثْنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ» (۵۴)

ہم اس لیے جہاد کرتے ہیں تاکہ ہم اللہ کے بندوں میں جسے اللہ چاہے بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی کی طرف لے آئیں۔

بنیادی طور پر دین اسلام، امن و سلامتی، عدل و انصاف اخوت کا مذہب ہے اور ظلم و زیادتی، جبر و تشدد، بدامنی و دہشت گردی، خون ریزی اور غارت گری کا شدید دشمن ہے۔ جس کے ذریعے انسان کو

پنجہ استبداد میں کسا جاتا ہے۔ لہذا دین اسلام ظالموں اور جابروں کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے تا کہ ان کے ظلم و تشدد اور جبر و استبداد کا خاتمہ ہو۔

اسی طرح قانون اور شریعت بنانے کا حق رب السمٰوٰت والارض کے پاس ہے جو لوگ اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے شریعت کے احکامات امر و نہی اور حلت و حرمت اپنی مرضی سے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رب العالمین کے اقتدار و حاکمیت کو چیلنج کرتے ہیں۔

اور جن لوگوں نے ان کے اس منصب کو تسلیم کر لیا ہے ان کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿ ٱتَّخَذُوٓاْ أَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَٰنَهُمۡ أَرۡبَابٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ﴾(۵۵)

(انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب مان لیا ہے۔)

اس لئے اللہ کی حاکمیت منوانے کیلئے، ظلم روکنے کیلئے، مظلوموں کی فریاد رسی کے لئے اور اپنے دفاع کے لئے جو جنگ لڑی جائے وہ اسلامی جہاد ہے۔ ان مقاصد سے کائنات امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم دنیا کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ انسانیت کو جس بد امنی، دہشت گردی، وحشت اور درندگی کا چیلنج درپیش ہے، اس کے علاج کے لیے تعصب سے بالاتر ہو کر پیغمبر امن ﷺ کی سیرت طیبہ اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات امن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

مشہور مغربی مفکر کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:

"اکیسویں صدی کی مختصر تاریخ دکھاتی ہے کہ فریقین میں سے کسی نے بھی یہ سبق نہیں سیکھے۔ اگر ہمیں تباہی سے بچنا ہے تو مسلمانوں اور مغربی دنیاؤں کو نہ صرف ایک دوسرے کو برداشت کرنا بلکہ ایک دوسرے کی قدر افزائی کرنا بھی سیکھنا ہو گا۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی ایک اچھا نقطہ آغاز ہے آپ ﷺ نے محض آئیڈیالوجی کی بنیاد پر زمرہ بندی کی مدافعت کی آپ نے کبھی کبھی ایسے کام بھی کیے جنہیں قبول کرنا ہمارے لیے مشکل یا ناممکن ہوا۔ لیکن آپ عمیق جینیئس حامل تھے اور آپ نے ایک ایسے مذہب اور ثقافتی روایت کی بنیاد رکھی جس کی قوت تلوار نہیں بلکہ اسلام کا لفظ تھا"۔(۵۶)

کاغذی خاکوں اور پر فریب نعروں سے امن قائم نہیں ہو سکتا۔

کچھ لوگ بچھا کر کانٹوں کو گلشن کی توقع رکھتے ہیں

شعلوں کو ہوائیں دے دے کر ساون کی توقع رکھتے ہیں

ماحول کے تپتے صحرا سے حالات کی اجڑی شاخوں سے

یہ اہل جنوں، پھولوں سے بھرے دامن کی توقع رکھتے ہیں

حواشی وحوالہ جات

۱) سورۃ التین:/۵

۲) آزاد، احمد، ابوالکلام، رسول رحمت، ص۲۳۶، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۰ رسول رحمت: ص۴۷۱

۳) الصحیح لمسلم، کتاب الجهاد، باب مالقی النبیﷺ من أذی المشرکین والمنافقین، رقم:۴۶۵۳

۴) البخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح، کتاب مناقب الانصار ، باب مالقی النبیﷺ وأصحا به من المشرکین لمکة، رقم۳۸۵۶

۵) الصحیح لمسلم، کتاب الجهاد ، باب اشتداد غضب الله، رقم ۴۶۴۹

۶) الامام، عبداللہ بن شیخ عبدالوہاب، مختصر سیرت الرسول، ص۱۱۳، مکتبۃ السلفیۃ، لاہور، ۱۹۷۹-۱۳۹۹

۷) سورۃ الاحقاف:۳۵

۸) الصحیح لمسلم، کتاب الجهاد ، باب مالقی النبی ﷺ ۴۶۵۳

۹) أبو بکر البیہقی ، السنن الکبری، المحقق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیة، بیروت-لبنات الطبعة: الثالثة، ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳، ص: ۹/۱۹۹

۱۰) سورۃ یوسف:۱۲

۱۱) البغوي أبو محمد الحسین بن مسعود معالم التنزیل في تفسیر القرآن، المحقق: عبد الرزاق المهدی دار إحیاء التراث العربي الطبعة: الأولی، ۱۴۲۰ھ بیروت ۹/۱۹۹ (مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص:۶۵۳

۱۲) بغوی، معالم التنزیل، ص،۵/۳۲۱, مختصر سیرت الرسول: ص۳۳۸

۱۳) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی ، باب أین رکز النبی لرأیة یوم الفتح

۱۴) مختصر سیرت الرسول: ص۳۳۹

۱۵) مختصر سیرت الرسول: ص۳۳۹؛ أبوبکر بن أبی شیبة، عبد الله بن محمد بن المحقق: کمال یوسف الحوت المصنف في الأحادیث والآثار مکتبة الرشد الطبعة الأولی، ۱۴۰۹ الریاض ص: ۷/۴۰۰

۱۶) محسن انسانیت ۴۴۲

۱۷) ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمة، باب القدید، رقم ۳۳۱۲، دارالسلام، ریاض

۱۸) رسول رحمت، ص:۲۳۶

۱۹) سورۃالانفال:۶۳

۲۰) منصور پوری، محمد سلیمان، سلمان، رحمۃ للعالمین، ص۳۳۹/۳، مکتبہ اسلامیہ، لاہور،

۲۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب مناقب الانصار ، باب کیف أخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،، رقم ۳۹۳۷ دار لسلام للنشر والتوزیع، ریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۷-۱۴۱۷

۲۲) شبلی، نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، ص:۱۸۱/۱ الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۱

۲۳) الامام، عبد اللہ بن شیخ عبد الوہاب، مختصر سیرت الرسول، ص:۱۷۸، مکتبۃ السلفیۃ، لاہور، ۱۹۷۹-۱۳۹۹ئ

۲۴) سنن ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السجستانی، کتاب الدیات ، باب فی دیۃ الخطاء شبہ العمد، رقم الحدیث ۴۵۴۷، دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۷-۱۴۱۷۸۔

۲۵) مسلم، مسلم بن الحجاج م القشیری، الصحیح، ۲۰۱۴، رقم ۹۶۱

۲۶) سورۃالاعراف:۱۵۷

۲۷) سورۃالبقرۃ:۲۵۶

۲۸) سورۃالمائدۃ:۸۰

۲۹) صحیح البخاری، کتاب الحدود ، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحدّ

۳۰) برق توحیدی، اسلام اور دہشت گردی، ص۷۵، بیت التوحید، دارالسلام، ٹوبہ

۳۱) سورۃآل عمران:۱۵۹

۳۲) سورۃالشوریٰ:۳۱

۳۳) قرطبی، محمد بن احمد، الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، انتشارات ناصر خسرو، طہران، ۱۳۶۴ھ ۵۰/۴

۳۴) سوامی، لکشمن پرشاد، عرب کا چاند، ص۵۰۷، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور

۳۵) سورۃالنساء:۱۳۸

۳۶) سورۃالانفال:۶۱

۳۷) ہدایۃ الحیاریٰ، ص۱۱۲

۳۸) عرب کا چاند، سوامی لکشمن پرشاد، ص:۳۷۷،۳۷۸

۳۹) الرحیق المختوم:ص۳۱۸

۴۰) عرب کا چاند:ص۲۲۰

۴۱) الرحیق المختوم، ص:۲۶۹

۴۲) مختصر سیرت رسول ﷺ، ص:۳۲۸،۳۲۷

۴۳) الرحیق المختوم، ص:۲۷۱

۴۴) الرحیق المختوم، ص: ۲۷۲

۴۵) ماہنامہ محدث لاہور، جلد نمبر ۳۳، شمارہ نمبر ۳، مارچ ۲۰۰۱ء

۴۶) سورۃ البقرۃ:۹۰

۴۷) جامع الترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فیمن قتل دون ماله فهو شهید

۴۸) سورۃ البقرۃ:۱۹۳

۴۹) سورۃ البقرۃ:۲۱۷

۵۰) سورۃ النساء:۷۵

۵۱) سورۃ الانفال:۷۲

۵۲) سورۃ الحج:۳۹

۵۳) سورۃ البقرۃ:۱۹۱

۵۴) البدایۃ والنھایۃ:۴۰/۷

۵۵) سورۃ توبہ:۳۱

۵۶) پیغمبر امن:۱۵۸

****

قیامِ امن کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمات

The Services of 'Umar Fārūq رضی اللہ عنہ for the Establishment of Peace

خالد عثمان*

ABSTRACT

Peace has great importance both for the individual and the communal life. Wherever peace turned into unrest, the tendencies of social violence, mental sickness and insecurity start developing amongst the people.

Peace and harmony were the hallmark of the reign of the 2nd caliph, Haḍrat 'Umar. He gave the best governing mechanism to the people of Arab, when they were not fully aware of rules & regulation of government. Though the empire was wide spread, he exercised a great sort of command & control on it. He took the responsibility of providing his subjects their basic needs: Food, Shelter, Education, Peace and Justice. This was not only an ideal system of its time but became the role model for the modern welfare state.

Peace and harmony is as important for a state as food & air are for life. Allāh has strongly emphasized in The Holy Qur'ān" on two things i.e., "Disharmony & hunger" which should be eliminated from a society.

Haḍrat 'Umer during his reign of 10 years presented Islām as a religion of peace & harmony, a religion, which respects humanity, peacefully resolves disagreements and curtails misuse of power. He himself possessed the qualities of peace & harmony to an utmost level, which were the traits of our Holy Prophet's (صلی اللہ علیہ وسلم) personality. It is important to follow the Khilāphah of Haḍrat 'Umar to bring peace & justice in the society.

Keywords: *Peace, Khilāphah, 'Umar, Social Violence, Justice, Harmony.*

* ٹمپریری وزٹنگ فیکلٹی ملٹری کالج آف انجیرنگ رسالپور

اسلام امن و آشتی کا نام ہے اس کے ہر عمل سے سلامتی کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور امن کی کرنیں پھیلتی ہیں۔ ہر باشعور آدمی غور و فکر کی نعمت سے اس حقیقت کو پا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل انسانوں کے اعمال جس خباثت اور طاغوتیت میں مبتلا تھے اسلام نے ان ہی اعمال ذمیمہ و عقائدِ باطلہ کو اُسوۂ حسنہ کا لبادہ چڑھا کر اُنھیں محبت، مروت اور امن، سلامتی کا دلدادہ بنا دیا۔

ربِ کائنات نے امن کی نعمت اور گزران کی روزی کی نعمت کو اپنے اس ارشاد میں جمع کیا ہے:

﴿ ٱلَّذِىٓ أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَءَامَنَهُم مِّنْ خَوْفٍۢ ﴾ (۱)

(جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے امن دیا)

امن انسان کے لیے فطری لحاظ سے مقصود ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے ماں باپ اور بھائی مصر داخل ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خوشی سے پہلے یہ بات کہی:

﴿ فَلَمَّا دَخَلُوا۟ عَلَىٰ يُوسُفَ ءَاوَىٰٓ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ٱدْخُلُوا۟ مِصْرَ إِن شَآءَ ٱللَّهُ ءَامِنِينَ ﴾ (۲)

(سب مصر میں داخل ہو جائیں، اللہ کے فضل سے یہاں امن سے ہوں گے)۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے میں امن و سلامتی عام کرنے کا حکم فرمایا۔ انہی تعلیمات پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم خصوصاً خلیفہ ثانی حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے سختی سے عمل کیا اور کروایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بہترین مُنتظم، مدبر، مفکر اور اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ اِن کے عدل و انصاف سے ملک مین اتنا امن ہو گیا کہ درندے تک بکریوں کے ریوڑ پر حملہ نہ کرتے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا، تو یقیناً وہ عمر بن خطاب ہوتے"۔ (۳)

مذکورہ مضمون میں ایک مثالی حکمران کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت صرف امن کے حوالے سے بیان کی جائے گی۔

شاہکارِ رسالت رضی اللہ عنہ ۔۔۔ امن کے حوالے سے:

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی جوانی ہوئے تو قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا، جو ہمیشہ سے امن ہی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ سفارتی مشن کے لیے ایک دفعہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ (۴) جہاں کہیں لوگوں کا مجمع ہوتا تھا، اس کی نگرانی فرماتے کہ کہیں بدامنی برپا نہ ہو، شاعروں

کو سخت ممانعت کر دی تھی کہ کسی کی ہجو نہ کریں۔[۵] عبد الباقی نے طبقاتِ شعرانی کے حوالے سے لکھا کہ جب مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو مسلمانوں کے اس معاملے کی وجہ سے اتنے غم زدہ ہوتے تھے کہ غم کی وجہ سے قریب الموت ہو جاتے تھے۔[۶] حضرت اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ قحط نہ اُٹھاتے ((لظننا أن عمر يموت هماً بامر المسلمين)) [۷] "تو ہمیں گمان تھا کہ وہ مسلمانوں کی تکلیف کے غم سے مر جاتے"۔

اُمت کو کسی بھی قسم کے فتنے اور انتشار سے بچانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران بعض کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے پاس روک رکھا تھا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ایک دینی ریاست میں بہت سے دینی یا سیاسی مراکز قائم نہ ہوں کہیں کسی معزز صحابی کے آگے ایک حلقہ قائم ہو پھر آہستہ آہستہ اس کا اس قدر احترام ہو کہ اس کا حکم سلطان کا حکم نہ سمجھ لیا جائے اور خلافت کا انتظام منتشر نہ ہو جائے۔[۸]

ایک روز راستے سے گذر رہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ ایک عورت سے باتیں کر رہا ہے اس کو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دُرّہ مار دیا۔ اس نے کہا، امیر المومنین! یہ تو میری بیوی ہے،[۹] عبد الشکور لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم راستے میں کھڑے ہو کر کیوں بات کرتے ہو، مسلمانوں کو اپنی غیبت میں مبتلا کرتے ہو۔ اس نے کہا امیر المومنین! ابھی ہم مدینہ میں آئے ہیں، مشورہ کر رہے تھے کہ کہاں قیام کریں۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے دُرّہ اس کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ اے اللہ کے بندے! مجھ سے قصاص لے لیں۔ اس نے کہا، امیر المومنین! میں نے معاف کیا، فرمایا نہیں قصاص لے لو، تیسری مرتبہ اس نے کہا کہ میں اللہ کے واسطے معاف کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا اللہ تجھ کو اس کا بدلہ دے۔[۱۰]

فتنہ و فساد کا انسداد:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان سے سب فتنے بند ہو جائیں گے اور جب تک یہ زندہ رہے گا تب تک تمہارے اور فتنوں کا دروازہ بند ہو گا۔[۱۱]

قیامِ امن کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عملی اقدام:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے تشریف لے گئے، خلافت کا بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو گیا، قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر دفعۃً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں ساتھ ہی حضرت ابو عبیدہ بن جراح، اُسید بن حُضیر اور بشر بن سعد رضی اللہ عنہم نے بھی ہاتھ بڑھائے۔[۱۲] یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی سمجھ داری اور عقل مندی کی دلیل ہے جنہوں نے بہت بڑی بدامنی کا سدِّباب کر دیا۔

مژدۂ امن:

۸ھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی، کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کہنے سُننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت نہ ملنے پر پکار کر کہا کہ "شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کے لیے آیا ہوں، خدا کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو میں جا کر حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن ماردوں"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً بلا لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج رضی اللہ عنہن کو طلاق دی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو مُژدہ سنانے کی اجازت مانگی[۱۳] پھر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ ٱلْأَمْنِ أَوِ ٱلْخَوْفِ أَذَاعُوا۟ بِهِۦ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ لَٱتَّبَعْتُمُ ٱلشَّيْطَٰنَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾[۱۴]

(اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اُس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اُس کی تحقیق کر لیتے۔)

بد امنی کا اعترافِ جُرم اور اس کا ازالہ:

صلح حدیبہ [۱۵] کے مشہور واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آپس میں مکالمہ بھی مذکور ہے۔ چونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو اور خصوصاً اندازِ گفتگو خلافِ ادب تھا لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے اس غلطی کے کفارے میں روزے رکھے، نفلیں پڑھیں، خیرات دی اور غلام آزاد کرنے کی شکل میں ادا کر دیا۔ [۱۶]

تعلیمات وارشادات۔۔۔برائے امن:

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ رعیت کا حال دریافت فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی وہ تعلیمات وارشادات بیان کی جارہی ہیں جو قیامِ امن کے حوالے سے مشہور ہیں:

قیامِ امن اور احساسِ ذمہ داری:

احساسِ ذمہ داری ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے سامنے وجوبِ ادائے امانت کا شعور پیدا کرتی ہے۔ ہمیشہ یہ ذمہ دار انسان کو مفید عمل کے انجام دینے سے سعادت بخشتی ہے اور معاشرے میں انسان کی قیمت بڑھاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رعایا کی خبر گیری کے معاملے میں بہت زیادہ حساس ہوتے تھے، [۱۷] ان کا یہ فرمان بنیادی اہمیت کا حامل ہے: "اگر دریائے فرات کے کنارے ایک اونٹ بھی ضائع ہو کر مر جائے، تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں بھی پوچھیں گے"۔ [۱۸]

ایک اور روایت میں اونٹ کی بجائے بکری کے الفاظ آئے ہیں۔ [۱۹] جب ایک حاکم کو بے زبان مخلوق کے بارے میں مسؤلیت اور حفاظت کا اتنا زیادہ احساس ہوتا ہے تو پھر اشرف المخلوقات کی حفاظت کا کیا کہنا؟

قیامِ امن کے لئے گورنروں کو وصیت:

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ گورنر مقرر کرنے کے لیے بہت چھان بین کرتے تھے، گورنر منتخب کرنے کے بعد اُنھیں وصیت فرماتے کہ امن کو خراب کرنے والے تمام عناصر کا بروقت سدِّباب کریں۔ ایک مرتبہ خطبہ میں عاملین کو مخاطب کر کے فرمایا: یاد رکھو میں تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں، تم لوگ "مسلمانوں کے حقوق ادا کرو، ان کو

مارنے اور ذلیل کرنے سے پرہیز کرو، ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں، ان کے لیے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ مضبوط کمزور کو کھا جائیں، ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح مت دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے" (۲۰)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر کو لکھا کہ " مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم میں سے بعض لوگ عجمی کافر کو بلاتے ہیں جب وہ پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور لڑائی بند کر دیتا ہے تو ایک شخص اُسے کہتا ہے کہ ڈرو مت اور جب موقعہ ملتا ہے تو اسے قتل کر دیتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں کسی کو ایسا کرتے دیکھ لوں گا تو اس کی گردن اُڑادوں گا"۔ (۲۱)

جب ملک میں ایک کافر تک کے خون کا احترام کیا جائے تو کیا پھر اس ریاست میں خون ریزی ہو سکتی ہے؟

ایک مرتبہ نصرانی بوڑھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ آیا اور اس نے کہا کہ میں نصرانی ہوں اور تمہارے عامل نے مجھ سے دو مرتبہ جزیہ لے لیا ہے۔ اس پر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کو لکھا کہ سال میں ایک ہی مرتبہ جزیہ وصول کیا کرو اور اُنہیں حجاز میں تین دن سے زائد ٹھہرنے کی اجازت نہ دو"۔ (۲۲)

ایک دفعہ ایک بوڑھے شخص کو بھیک مانگتے دیکھا، معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے اور جزیہ کی زیادتی کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہے۔ اس کو ہاتھ سے پکڑ کر لے گئے اور کچھ اس کو دیا اور حکم جاری فرمایا کہ ایسے لوگوں پر جزیہ نہ باندھا جائے۔ (۲۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ۲۰ھ میں "سوس" فتح کے بعد یزدگرد کے کمانڈر "سیاہ" کی طرف سے پیش کردہ شرائط، جن پر وہ راضی نہ تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لی جائیں (۲۴)۔ یہ شرائط مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں، لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے امن کی خاطر انہیں قبول فرمایا۔

احتساب برائے امن وامان:

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو گورنر مقرر کرتے تو اس کی عدالت اور امانت کو خوب جانچ لیتے، اور پھر برابر اس کے کام کی نگرانی بھی فرمایا کرتے، اسی مقصد کے لئے حضرت احنف بن

قیس رضی اللہ عنہ کو ایک سال تک اپنے پاس رکھا، پھر امن و امان قائم رکھنے کی نصیحت کرتے ہوئے رخصت فرمایا[۲۵] اور رعایا کو حکم تھا کہ میرے حکام سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو بے خوف و خطر مجھے اطلاع دو۔ اسی حوالے سے ایک مرتبہ تمام صوبوں کے حکام کو فرمان بھیجا کہ موسمِ حج میں سب مکہ مکرمہ میں مجھ سے ملاقات کریں۔ آپ نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر فرمایا:

"میں نے ان لوگوں کو جو تم پر حاکم بنایا ہے اس لیے کہ تمہیں آرام پہنچائیں نہ کہ تم پر ظلم کریں، اگر کسی پر کسی حاکم نے ظلم کیا ہو تو وہ کھڑا ہو جائے"۔

اس اعلان پر صرف ایک شخص کھڑا ہوا، اس نے کہا امیر المومنین! حاکم نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا تم بھی اس کو سو کوڑے مار لو، اٹھو! میرے سامنے قصاص لے لو۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا امیر المومنین! اگر ایسا ہو گا تو پھر آپ کے حکام کی کچھ وقعت نہ رہے گی، تو فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ قصاص نہ لیا جائے، حالانکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ خود اپنی ذات سے قصاص دلواتے تھے، اے شخص! اٹھو اور قصاص لے لو۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! اس بات کی اجازت دیجئے کہ ہم اس کو راضی کر لیں، چنانچہ وہ شخص اس طرح راضی ہوا کہ ہر کوڑے کے عوض میں اس کو دو اشرفیاں دی گئیں۔[۲۶] ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب سنتے تھے کہ کوئی حاکم بیماروں کی عیادت کو نہیں جاتا یا غریب لوگ اس کے پاس نہیں جا سکتے تو فوراً اس کو معزول کر دیتے تھے۔[۲۷]

عمرو بن میمون روایت کرتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہتے تھے کہ اے عبد اللہ رضی اللہ عنہ! (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا) تو اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ کو سلام کہتے ہیں پھر ان سے اجازت مانگو تا کہ میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جاؤں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس جگہ کو میں اپنے لیے پسند کرتی تھیں لیکن آج میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی۔۔۔۔۔الیٰ اخرہ "۔[۲۸]

اس احتساب کے لیے ایک بڑا عمدہ طریقہ (امن و امان اور) دریافتِ حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ اُن مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتیں۔[۲۹]

حفظِ امن کے لئے بیت المقدس کا سفر:

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جو سفر کی زندگی گزاری یا حضر کی زندگی، اپنے ہر عمل سے امن کا ثبوت دیا۔ شاہ معین الدین ندوی نے اُن کے بیت المقدس کا سفر ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''آپ رضی اللہ عنہ کا یہ سفر نہایت سادگی سے ہوا، مقامِ جابیہ میں افسروں نے استقبال کیا اور دیر تک قیام کر کے بیت المقدس کا معاہدہ صلح ترتیب دیا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے، پہلے مسجد میں تشریف لے گئے، پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی، نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے نماز نہیں پڑھی کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں میں دست درازی نہ کریں، باہر نکل کر نماز پڑھی''۔ (۳۰)

بدامنی کا سدِّباب:

بدامنی کے سدِّباب اور ناجائز وسائلِ آمدنی کے روکنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سی بندشیں کیں، جن میں سے دو قابلِ ذکر ہیں:

۱: تنخواہیں زیادہ مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو، مثلاً سلمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی، اور یہ تعداد اس زمانے کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

۲: قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنرِ کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہو گا۔ (۳۱) اور یہ مادی کمزوریاں بھی یقیناً قیامِ امن کو برقرار رکھنے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

قیامِ امن کے اصول وضوابط۔۔۔غیر مسلموں کے لیے:۔

آپ رضی اللہ عنہ ذمیوں اور کافروں کی راحت و آسائش کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم اور فارس تھیں، ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا اہتمام کیا گیا۔ جن مواقع پر اقلیتوں سے معاہدے کیے

گئے، اُن معاہدوں میں شامل دفعات کو حتی المقدور اقلیتوں کے مفاد میں بہتر بنانے کے اقدامات بھی کیے گئے۔[۳۲] بیت المقدس کے عیسائی جب تلواروں سمیت آرہے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ کی فوج نے بھی تیاری کر لی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں، گھبراؤ نہیں، یہ لوگ امان طلب کرنے آرہے ہیں۔ ان کے ساتھ امن کا معاہدہ ہوا۔[۳۳] جس میں نہ دغا تھا نہ بد عہدی۔ جب تک وہ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے، یہ بھی اُس پر ثابت قدم رہے۔

اشارہ برائے امن پر عمل کرانا:

قیامِ امن کو برقرار رکھنے کے لیے اگر اشارے سے بھی کوئی کسی کو امان دے دیتا اس پر بھی عمل کیا جاتا۔ اسی حوالے سے مؤطا امام مالک میں ایک حدیث میں موجود ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **أيما رجل دعارجلا من المشركين وأشار إلى السماء فقد امنه الله فانّما نزل بعهد الله وميثاقه**[۳۴] "اگر کوئی شخص مشرکین میں سے کسی کو بلائے اور آسمان کی طرف اشارہ کرے تو اُس نے اُسے اللہ کی امان دے دی اور وہ اللہ کے عہد اور میثاق ہی پر آگیا۔" ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد فرمایا: **رجل من المسلمين أشار لَى رجل من العدوّ لئن نزلت لأقتلنّک فنزل وهو يرى أنّه أمان فقد أمنه**[۳۵] "اگر مسلمان نے یہ اشارہ کیا کہ اگر تو اُترا تو میں مجھے قتل کر دوں گا اور دشمن یہ سمجھا کہ اُسے امان دی گئی تو یہ امان ہے"۔

جب بیت المقدس فتح ہوا تو خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں وہاں کے لوگوں سے ایک معاہدہ ہوا جو اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ خود خلیفۂ اسلام نے ایک مذہبی فرقہ کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا، اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا طرزِ عمل قیامِ امن کے حوالے سے، دوسرے مذاہب اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ کیسا تھا یہاں اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

> "یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین نے ایلیاء کے لوگوں کو دی کہ ان کا مال، گرجا، صلیب، تندرست بیمار اور یہ معاہدہ ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہیں۔ اس طرح کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور نہ ان کے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا، اور نہ ہی ان کے صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ منتقل ہونا چاہے تو ان کو اور ان کے

گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائے اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا، رسول کا، خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرط کہ وہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔" (۳۶)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا، اس میں یہ الفاظ تھے:

"مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کو نقصان پہنچانے پائیں، نہ ان کا مال بے وجہ کھانے پائیں، اور جس قدر شرطیں تم نے ان سے کی ہیں، سب پوری کرو"۔

یہ حقوق صرف ایلیاوالوں کے لیے مخصوص نہ تھے بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے تھے جو ان کے عہدناموں میں موجود ہیں۔ مثلاً اسی طرح کے ملتے جُلتے الفاظ اہلِ جرجان، آذربایجان اور موقان کی فتح کے وقت معاہدوں میں لکھا دیئے گئے تھے۔ (۳۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے عہد خلافت کا واقعہ ہے کہ ملک شام میں حمص کے مقام پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیمہ زن تھے، کہ انہیں انطاکیہ کے حکمران ہرقل کی فوج کشی کے سبب حمص کو خالی کرنا پڑا، تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کیا کہ حمص کے سے جزیہ یا خراج کے نام پر جو کچھ لیا گیا تھا وہ انہیں واپس کر دیا جائے۔ چناں چہ اہل حمص کو ان کی پوری رقم واپس کر دی گئی۔ (۳۸)

ایک مرتبہ ایک نصرانی تاجر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ عراق میں آپ رضی اللہ عنہ کے عاشر زیاد بن جدید نے ایک سال کے دوران مجھ سے دو مرتبہ جزیہ لیا، آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ "سال میں ایک مرتبہ جس مال پر جزیہ لیا جائے پھر سال کے اندر دوبارہ اس مال پر جزیہ نہ لیا جائے"۔ نصرانی نے اس انصاف کی مثال کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔ (۳۹)

غلام کی امان تسلیم کرنا:

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیا، ایک غلام نے امان لکھی اور تیر پر باندھ کر اُن کی جانب پھینک دی۔ یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریر کیا گیا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ مسلمانوں کا غلام مسلمانوں ہی میں سے ہے اور اس کا ذمّہ مسلمانوں کا ذمّہ ہے، (۴۰)

جب مسلمانوں نے تستر کا محاصرہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم مان کر ہرمزان نے ہتھیار ڈال دیے۔ آپ نے کہا کہ ڈرو مت۔ اس کے بعد ہرمزان نے پانی مانگا تو اُسے ایک موٹے پیالے میں پانی دیا گیا۔ اُس نے کہا کہ میں مر بھی جاؤں تو اس پیالے میں پانی نہیں پیوں گا، پھر اُسے دوسرے پیالے میں پانی لا کر دیا گیا، جب اُس نے پیالہ لیا تو اس کا ہاتھ کانپنے لگا اور بولا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں پانی پیتے ہوئے نہ مارا جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تک تم پانی نہ پی لو تم پر کوئی اندیشہ نہیں ہے، یہ سن کر اُس نے پیالہ الٹا کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اسے دوبارہ پانی پلاؤ، قتل اور پیاس کو جمع نہ کرو۔ وہ بولا مجھے اب پانی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو اپنی پریشانی دُور کرنا چاہتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب میں تمہیں قتل کرواتا ہوں۔ وہ بولا کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے بھی کہی جو اس وقت موجود تھے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قتل سے باز رہے اور ہرمزان مسلمان ہو گیا (۴۱)

معاہدۂ امن پر مرتب ہونے والے اثرات کو متعین کرنے میں طلب امان کی غرض وغایت بہت بڑا رول ادا کرتی ہے۔ یہ ہے وہ اصول وضوابط جس سے امن کی فضا قائم رہتی ہے۔ اس لیے ایک دفعہ عام حکم جاری فرمایا کہ "اگر کسی نے دشمن سے کہہ دیا کہ کہ خوف زدہ نہ ہو، یا یہ کہہ دیا کہ ڈرو مت تو اس نے اُسے امن دے دی"۔ (۴۲)

عہد فاروقی میں امن امان کے قیام کے لئے کیے گئے اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو آج تک ان سے ملتی جلتی کوئی مثال نہیں ملتی؛ ۲۱ھ میں اسکندریہ فتح ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک تصویر تھی۔ کسی مسلم سپاہی نے اپنے تیر سے تصویر عیسیٰ علیہ السلام کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی۔ اس پر عیسائی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ لے گئے اور مطالبہ کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تصویر بنا کر ان کو دی جائے تاکہ وہ بھی ان کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالیں۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تصویر کی کیا ضرورت ہے؟ ہم لوگ موجود ہیں، تم جس کی آنکھ چاہو پھوڑ ڈالو، پھر اپنا خنجر ایک عیسائی کے ہاتھ میں دے کر اپنی آنکھیں سامنے کر دی۔ یہ سن کر عیسائی کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا اور وہ اپنے دعوی سے یہ کہہ کر دستبردار ہو گیا کہ جو قوم اس درجہ دلیر، فیاض، انصاف پسند اور فراخدل ہو اس سے انتقام لینا بے رحمی اور بے قدری ہے۔ (۴۳)

غلام کو امن کی جگہ تک پہنچانا:

حضرت سنان بن سلمۃ الہذلی رضی اللہ عنہ ایک دن نکلے، وہ ان دنوں غلام تھے، مدینہ کے چند لڑکوں کے ساتھ مل کر کھجور کے درختوں سے گری ہوئی کچی کھجوریں اٹھانے لگے۔ دریں اثناء عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ تمام لڑکے ادھر اُدھر بھاگ گئے مگر سنان بن سلمۃ رضی اللہ عنہ کھڑے رہے۔ اور عرض کیا، اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ کھجوریں ہوا سے گری ہیں (میں نے نہیں توڑیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر سنان کی جھولی پر پڑی تو فرمایا، تو سچ کہتا ہے۔ اس پر سنان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب آپ مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے تو میرے ساتھی مجھ پر دھاوا بول دیں گے اور ساری کھجوریں چھین لیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ چل پڑے، یہاں تک وہ غلام امن کی جگہ پہنچ گیا۔ (۴۴)

قیامِ امن کے لیے زریں اصول:

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے موت سے پہلے بھی قیامِ امن کے لیے وصیت فرمائی۔ کہ "جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ مہاجرین، انصار، اعراب، اہلِ عرب اور ذمیوں کے حقوق کا پورا خیال رکھے اور ان میں سے ہر ایک کے حقوق کی تشریح فرما کر تاکید فرمائی کہ ذمیوں سے جو اقرار ہے اسے پورا کیا جائے، ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے"۔ (۴۵)

اپنی دورِ خلافت میں قیامِ امن کے لیے اقدامات وخدمات:

حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات تمام مسلمانوں کے لئے ایک مثال ہے، بالخصوص مسلم امراء کے لیے آپ مینارۂ نور ہیں۔ ہمارے دور کے حکم راں رعایا کے مسائل سے بے نیاز اور اپنی عیاشیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ زندگی کی بنیادی ضروریات کا پورا ہونا تو دور کی بات، لوگوں کے جان ومال تک محفوظ نہیں ہوتے۔ اس سے ہی ملک میں معاشی ابتری اور بدحالی عروج پر ہوتی ہے، مہنگائی کا عفریت عوام کے سروں پر سوار، اُنہیں سکون کی زندگی گزارنے نہیں دیتا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ دن کو بھی گشت کرتے اور رات کو بھی مدینہ منورہ کی گلیوں میں چکر لگاتے اور لوگوں کی مدد فرماتے تھے۔ صرف ایک دُرّہ ہاتھ میں ہوتا تھا اور راستہ چلتے چلتے کوئی مجرم قابلِ سزا مل جاتا، تو اسے اس دُرّہ سے سزا دیتے۔ اس لئے لوگ کہتے تھے کہ ان کا دُرّہ دوسروں کی تلوار سے زیادہ خوف ناک ہے۔ (۴۶)

ایک روز تنہا گشت کے لئے نکلے کہ ایک بڑھیا ملی، اس سے آپ نے حالات پوچھنا شروع کیا کہ تمہارا امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کیسا آدمی ہے؟ اس بڑھیا نے بُرائی بیان کی اور کہا جب سے وہ خلیفہ ہوا ہے مجھے ایک پیسہ بھی نہ ملا، آپ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ کو تمہارا حال کیا معلوم؟، تم نے اس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔ بڑھیا نے کہا وہ امیر المومنین ہے اس کو خود مشرق سے مغرب تک ہر مقام کا حال معلوم کرنا چاہیے۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا مجھے عمر رضی اللہ عنہ پر رحم آتا ہے۔ اچھا تمہارے اوپر جو اُس نے ظلم کیا ہے، اس کا کیا معاوضہ لو گی؟ بڑھیا نے کہا کہ میرے ساتھ ہنسی نہ کرو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں مذاق نہیں کرتا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سامنے سے حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما آ گئے اور انہوں نے کہا، السلام علیکم یا امیر المومنین! اب بڑھیا کے حواس گم ہو گئے کہ میں نے امیر المومنین کو ان کے منہ پر بُرا کہا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کچھ حرج نہیں پھر ایک تحریر لکھوائی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ظلم اس بڑھیا سے پچیس اشرفی کے عوض میں معاف کرایا ہے اب یہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی گواہی کرائی۔ (۴۷)

ایک مرتبہ ایک عورت کے سنگسار کرنے کا حکم دیا، جو زنا سے حاملہ تھی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امیر المومنین! یہ عورت حاملہ ہے، ابھی سنگسار کرنے سے بچہ ضائع ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی اپنے حکم کو واپس لے لیا، اور فرمایا: لو لامعاذ لھلک عمر (۴۸) "اگر معاذ نہ ہوتے، تو عمر ہلاک ہو جاتا"۔

قیامِ امن کے لیے اگر اپنے حکم کو واپس کرنے کی ضرورت پڑتی تو لینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے، کیوں کہ ان کا ہر کام اللہ کی رضا اور عوام کی بہتری کو مد نظر رکھتے ہوئے، امن و امان کی زندگی گزارنے کے لیے ہوتا۔

قیامِ امن کے لئے تعلیمی منصوبہ بندی:

تمام علوم کا سرچشمہ قرآن مجید ہے اور قرآن ہمیشہ امن و امان کا درس دیتا ہے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے قرآنِ حکیم کی تعلیم کو لازمی قرار دیا تھا۔ خصوصاً دیہات میں رہنے والوں کے لیے قرآنِ مجید کی جبری تعلیم رائج کی۔ ابو سفیان نامی شخص کو چند آدمیوں کے ساتھ اس کام پر مقرر فرمایا کہ قبائل میں دورہ کریں اور ہر شخص کا امتحان لیں، جس کو قرآن کریم بالکل یاد نہ ہو، اُس کو سزا دیں۔ (۴۹) اسی بنا پر سے حضرت معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت اور اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہم کو ملک شام کی طرف بھیجا فرمایا، پہلے حمص

جاؤ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے تعلیم قرآن کا نظام درست کرنے کے بعد تینوں میں سے ایک حمص میں رہ جاؤ، ایک دمشق چلا جائے، ایک فلسطین، سب نے ایسا ہی کیا۔ (۵۰) فوجی لوگوں کے فرائض میں قرآنِ مجید کی تعلیم بھی تھی۔ اس نظام کی اہمیت کا اندازہ اس سے آدمی لگائیں کہ امیر المومنین نے صوبوں کے حکام اور فوجی افسروں سے ہر سال فارغ التحصیل حفاظ قرآن کی فہرست طلب فرماتے تھے، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے تین سو آدمیوں کے نام بھیجے (۵۱)۔ ابو موسی رضی اللہ عنہ نے صوبہ بصرہ سے ایک سال میں دس ہزار حفاظ کی فہرست بھیجی، آپ رضی اللہ عنہ ان سے بہت خوش ہوئے اور ان کا وظیفہ بڑھا دیا۔ (۵۲)

اپنے زمانۂ خلافت میں حکم دیا کہ ممالک اسلامیہ کے بازاروں میں کوئی شخص اُس وقت تک دکان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ مسائل دینیہ کا علم نہ رکھتا ہو۔ (۵۳) کتنا زبردست تدبر تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا ۔ "(۵۴)

"یعنی حکمت (علم ودانش، تحقیق وریسرچ) مومن کا گم شدہ مال ہے جہاں بھی وہ اس کو ملے پس وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کو لے لیں"۔

بدامنی ایک فتنہ:

شفیق بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا: "تم میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنہ کے متعلق کوئی حدیث یاد ہے؟ سلیمان نے کہا مجھے یاد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اس پر زیادہ دلیر ہو بتاؤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ میں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انسان کے لئے اس کے بیوی بچے اور پڑوسی میں ایک فتنہ ہوتا ہے نمازِ صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا کفارہ بن جاتے ہیں۔" عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا مقصد یہ نہیں، میرا مقصد تو وہ فتنہ ہے جو سمندر کی موجوں کی طرح موجیں مارے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ رضی اللہ عنہ کو اس سے کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ فتنوں کے آگے ایک بند دروازہ ہے۔ استفسار کے جواب میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دروازے سے مراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خلیفۂ دوم کی شہادت لوگوں میں انتشار و اختراق کا سبب بن گئی۔ (۵۵)

امن کے نفاذ کے لیے حدود کا اجراء:

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے جہاں کہیں دیکھا کہ بد امنی پیدا ہونے والی ہے، تو قیامِ امن کے لیے اس بد امنی والے راستے کو بند کرنے کے لیے جو بھی سامنے آیا، اس کو راستے سے ہٹایا۔ سیرت کی کتابوں میں یہ بات محفوظ ہے کہ اپنے فرزند ابو شحمہ پر حد جاری کیا، انہوں نے مصر میں شراب پی تھی[۵۶]۔ اسی طرح اپنے سالے قدامہ بن مظعون پر بھی شراب خوری کی حد جاری کی اور قرابت وغیرہ کا کچھ لحاظ نہ کیا۔[۵۷]

ایک مرتبہ ایک بشر نامی منافق کا اور ایک یہودی کا کچھ جھگڑا ہوا تھا، دونوں فیصلے کے لیے عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔ یہودی نے کہہ دیا کہ اس معاملہ کا فیصلہ (حضرت) ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کر چکے ہیں، مگر یہ شخص اس فیصلہ سے راضی نہیں ہوا، اس لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اچھا ٹھہرو! میں آتا ہوں، گھر سے تلوار نکالی اور منافق کا کام تمام کر دیا اور فرمایا: "جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے"۔[۵۸] اور اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھی تائید فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بازار میں چکر لگا رہے تھے، لوگوں کی ضروریات معلوم کر رہے تھے کہ ایک نوجوان عورت ملی جس پر حاجت مندی کے آثار نمایاں تھے۔ کہنے لگی: اے امیر المومنین! میرے شوہر کی وفات ہو گئی، خدا گواہ ہے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے، مجھے ان بچوں کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے اور میں خُفاف بن اَیمن الغفاری کی بیٹی ہوں جو حدیبیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس خاتون کو اپنے گھر لے گئے جہاں ایک اونٹ بندھا ہوا تھا، اس پر دو بوریاں غلہ بھر کر لادیں، اور کپڑے اور ضروری سامان اس پر رکھا، پھر اس کی مہار اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا: یہ لے جاؤ، یہ سامان ختم نہیں ہو گا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و بھلائی عطا فرمائیں۔ ایک آدمی نے، جو اس عطا و بخشش کو دیکھ رہا تھا، کہا کہ اے امیر المومنین! آپ نے اس کو بہت زیادہ دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا کی قسم! میں اس عورت کے باپ اور بھائی کو دیکھتا تھا، ان دونوں نے ایک مدت تک قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا، پھر اس کو فتح کیا اور ہم لوگ اس میں ان کے حصے غنیمت کے طور پر دینے لگے۔[۵۹]

فقر وفاقہ کے خاتمہ سے بدامنی کا سدباب:

قیام امن میں بگاڑ پیدا کرنے اور اس کو خراب کرنے میں غربت ایک بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ راتوں کو آبادی کا گشت کرنے کا یہی مقصد ہوتا تھا کہ رعایا امن وخوش حالی کی زندگی گزاریں۔ جن عورتوں کے شوہر باہر تھے، خود ان کے مکانوں پر جاکر دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کرتے اور فرماتے کہ تم کو بازار سے کچھ خریدنا ہو تو میں خرید دوں گا، چنانچہ عورتیں اپنی لونڈیوں کو آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کرتی تھیں۔ ایک بڑا مجمع آپ کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ آپ ان سب کو بازار لے جاکر سودا خریدتے تھے اور جس کے پاس روپیہ نہ ہوتا اس کے لیے اپنے پاس سے خریدتے تھے۔ (۶۰)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بہت زیادہ قحط پڑا جس کا نام عرب میں "عام الرمادہ" مشہور ہو گیا تھا۔ اس قحط میں آپ رضی اللہ عنہ نے گیہوں، گھی اور گوشت کا استعمال اپنے اُوپر بند کر دیا تھا۔ جَو کی خشک روٹی جس پر روغنِ زیتون لگا ہو، استعمال کرتے تھے، وہ ہضم نہ ہوتی تھی۔ ایک روز اپنے پیٹ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جب تک اللہ مسلمانوں سے اس قحط کو دور نہ کرے گا، اس وقت تک تجھے کچھ نہیں مل سکتا۔ (۶۱)

مذہبی لحاظ سے بدامنی کا سدِّباب:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں علم فقہ کوئی جداگانہ علم نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس علم کی اشاعت بھی کی اور اشاعت کے ساتھ ایسے انتظامات فرمائے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط طور پر کسی چیز کی نسبت نہ ہو سکے۔ اسی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں ایک فرمان جاری کیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو حدیثیں رائج تھیں، ان کے علاوہ اگر کوئی شخص کوئی نئی حدیث بیان کرے گا تو اس کو سزا دی جائے گی۔ مختلف فقہی مسائل میں علمائے صحابہ سے گفتگو فرماتے اور بحث و تحقیق کے بعد اجماعی اور اتفاقی مسائل کی اشاعت فرماتے تھے۔ (۶۲)

ہشام بن حکیم کو سورۃ فرقان کسی اور قرات میں پڑھتے سنا تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور معاملہ پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام سے سنا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو پڑھنے کے لئے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طریقوں کو درست قرار دیا اور فرمایا کہ بے شک یہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے اس لئے جو آسان معلوم ہو اسی طریقہ پر پڑھو"۔ (۶۳)

قیدیوں کے ذریعے بدامنی کا سدِباب:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقعہ پر قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُۥٓ أَسۡرَىٰ حَتَّىٰ يُثۡخِنَ فِي ٱلۡأَرۡضِۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ ٱلدُّنۡيَا وَٱللَّهُ يُرِيدُ ٱلۡأٓخِرَةَۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٞ ۝٦٧ لَّوۡلَا كِتَٰبٞ مِّنَ ٱللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيمَآ أَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٞ ﴾[٦٤]

(نبی کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہادے، تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے غنیمت کو حلال کیا۔)[٦٥]

یہی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دی تھی کہ اسلام کے معاملہ میں رشتہ قرابت کو دخل نہیں، ان سب کو قتل کر دینا چاہیے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے۔[٦٦] کیوں کہ پھر بھی ان کی شرارتوں کا خطرہ تھا۔

بدامنی کا قلع قمع کرنا:

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے قیامِ امن کے لیے شرعی حدود جاری فرمائی کیونکہ شرعی سزاؤں کو لاگو کیا جائے گا تو لوگ امن و سکون کی زندگی گزار سکیں گے۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ غیر شادی شدہ زنا کرنے والے کو ایک سو کوڑے مارنے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کرنے کا حکم دے رہے تھے۔ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھ سے عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا: **أن عمر بن الخطاب غرب ثم لم تزل تلك السنة۔**[٦٧] عمر بن خطاب نے جلاوطن کیا اور پھر یہی طریقہ جاری رہا۔

قیامِ امن کے لیے شب بیداری:

معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ اسکندریہ کی فتح کی خوش خبری لے کر امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چت لیٹے ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: امیر المومنین سو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً گھبرا کر اٹھے اور فرمایا کہ اے معاویہ رضی اللہ عنہ! جب تم مسجد میں آئے تو تم نے کیا کہا؟ معاویہ نے کہا کہ میں نے کہا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ سو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو نے برا گمان کیا۔ اگر میں دن کے وقت سو گیا تو رعایا کو برباد کروں گا اور اگر رات کو سو گیا تو اپنی ذات کو برباد کر دوں گا۔ اے معاویہ! بھلا اس کے باوجود نیند آسکتی ہے۔ (۶۸)

امن کے تحفظ میں فوجی چھاؤنیوں کا کردار:

صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ شہر فتح ہوتا تھا تو اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا، لیکن امن و امان قائم ہونے پر بھی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا ہو۔ (۶۹) شبلی نعمانی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

> ایسی مقامات پر چھاؤنیاں بنائیں جو یا تو ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے بڑے بڑے رئیس اپنی بقائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا (یعنی بد امنی کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا تھا) اس لئے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضروری تھا تاکہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں"۔ (۷۰)

معاشی محرومی کے اسباب اور ان کا سدّباب:

سب سے پہلے جو چیز انسان کو بد امنی پر ابھارتی اور اکساتی ہے وہ معاشی محرومی کا احساس۔ یہ حکومت و ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رعایا کو معاش کے اسباب مہیا کرے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اکثر عملی اور ذاتی تجربے کے بعد لوگوں کا انتخاب کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کو ناجائز وسائل آمدنی سے روکنے کے لئے کئی اقدامات کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خشک سالی کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے

اطراف میں امیر مقرر فرمائے تھے تاکہ وہ ان لوگوں کی ضروریات پوری کریں جو مدینہ منورہ کے اطراف میں جمع تھے اور ان پر کھانا تقسیم کریں۔ان میں سے حضرت زید بن اخت النمر، حضرت مسور بن مخرمہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عبد القاری اور حضرت عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہم قابلِ ذکر ہیں۔پس جب شام ہو جاتی تو وہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو کر ان کو سب حالات بتا دیتے۔ان میں سے ہر ایک مدینہ منورہ کے اطراف میں نگران ہوتا تھا اور یہ کام مقررہ کردہ عاملین کی ذمہ داری تھی"۔(۷۱)

ایک دفعہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "تم لوگوں کو روز مرہ خرچ اور ان کے کھانے کی چیزیں دیا کرو" اور عام حالات میں جب لوگوں کے گھروں کی طرف چکر لگاتے تو اُن سے فرماتے جو محتاج ہو وہ میرے پاس آئے۔(۷۲)

یقینی بات ہے کہ جب کلیدی عہدوں پر فائز لوگ بھی رشوت لیں گے تو اُخروی عذاب کے علاوہ دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو بد امنی کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے، اس لیے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی فہم و فراست سے امن کو برقرار رکھنے کے لئے بنیادی چیزوں پر توجہ دی۔اس وجہ سے امن و امان مثالی رہا۔

عدالت اور امن کا باہمی تعلق:

پُر امن معاشرے کی بنیاد عدل وانصاف کے بغیر ممکن نہیں، جہاں عدل وانصاف کی فراوانی ہو گی اور مظلوم کو ظالم کے خلاف سستا اور فوری انصاف ملے گا تو وہ قانون کو ہاتھ میں لے کر بد امنی نہیں پھیلائے گا۔اعلیٰ عدالتی نظام خلیفۂ ثانی عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت کا طرۂ امتیاز ہے۔انہوں نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا۔ماوردی نے عدل و انصاف میں فساد پیدا ہونے کے لیے غالب اسباب میں سے دو سبب بیان کر دیئے ہیں۔لکھتے ہیں کہ " عدل کرنے والوں کی آفت تقویٰ کی کمی ہے، اور عدل کی آفت حکمرانوں کے ظلم کی طرف میلان ہے"(۷۳)۔تقویٰ کی کمی اور ظلم کی طرف میلان کی وجہ سے یقیناً بد امنی و فساد پیدا ہو گا۔حاکمِ وقت کی ذمہ داری میں یہ چیز شامل ہے کہ وہ ان امور کا سدِّباب کرے، اس لیے کہ امور کے مبادی بنیاد ہوتے ہیں۔اگر یہ بنیادیں مضبوط رکھی گئیں تو نتیجاً اقتدار کی عمارت بھی شاندار ہو گی۔

جہد مسلسل برائے امن:

انصاف اور امن وسلامتی کے باب میں اسلام نے مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں کیا، آپ رضی اللہ عنہ ، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، اس میں شک نہیں کہ مسلمان حکمران غیر مسلم رعایا کے بارے میں محتاط رہتے تھے اور انہیں برابر کا درجہ دیتے تھے، کیوں کہ جب انھوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا اور مسلمانوں کے ملک میں رہ رہے ہیں تو شریعت کا حکم یہی ہے کہ

"دماءهم كدمائنا واموالهم كاموالنا"

"ان کافروں کی جانیں ہم مسلمانوں کی جانوں کی طرح محفوظ اور ان کافروں کے اموال، مسلمانوں کے مال کی طرح محفوظ ہیں۔"(۷۴)

بصورتِ دیگر اگر معاشرے میں ظلم وناانصافی ہو، عوام کے حقوق محفوظ نہ ہوں اور ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کو تحفظ حاصل نہ ہو، تو اس سے باہمی عداوتیں اور نفرتیں بڑھتی ہیں۔ جس کی وجہ سے فتنہ وفساد اور بدامنی معاشرے کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تُقَدَّسُ أُمَّةٌ لا يُقْضَى فِيهَا بِالْحَقِّ وَيَأْخُذُ الضَّعِيفُ حَقَّهُ مِنَ الْقَوِيِّ غَيْرَ مُتَعْتَعٍ)) (۷۵)

"اُمت میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی جس میں عادلانہ فیصلے نہ ہوتے ہوں اور جس میں کمزور شخص کوئی پریشانی اٹھائے بغیر اپنا حق زبردستی وصول نہ کر لیتا ہو"۔

ایک مرتبہ غسان کا نصرانی بادشاہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے آیا تو اتفاقاً ایک اعرابی نے نادانستہ اسے دھکا دیا، اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا۔ اعرابی کی نالش پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ سنایا کہ وہ بادشاہ کو مارے۔ اس پر بادشاہ نے کہا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! کہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اسلام کا قانون یہی ہے۔ انصاف کے باب میں اسلام کے نزدیک امیر وغریب، بادشاہ اور رعایا سب برابر ہیں۔(۷۶)

امن کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں کمزور طبقات کے حقوق کا تحفظ ہو اور ان کو ظلم واستحصال سے بچایا جائے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم "حلف الفضول" میں شریک ہوئے، جن کا مقصد کمزور اور

مظلوم طبقے کا تحفظ اور ان پر ظلم و تعدی اور لوٹ کھسوٹ کو روکنا تھا۔ اس معاہدے کے متعلق ابن کثیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

((لَقَد شَهدت فِي دَار عبد الله بن جدعَان حَلفا لو دعيت به فِي الاسْلام لاجبت، تحَالفوا أن يردوا الفُضول علٰى أهلها وَأن لاَّ يعزّ ظالم مظلومًا)) (۷۷)

"میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ہونے والے معاہدے میں شریک تھا اگر اسلام کے بعد بھی مجھے اس میں بلایا جاتا تو میں ضرور اس میں شریک ہوتا، انہوں نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ حق دار تک اس کا حق پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم مظلوم پر غالب نہ آسکتے گا"۔

عدل وانصاف۔۔۔امن وامان کا ضامن:

اللہ رب العزت نے سورۃ النسا کی آیت نمبر ۵۸ ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تُؤَدُّواْ ٱلۡأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا ﴾ کے پہلے جملے میں ادائے امانت کا حکم دیا ہے اور دوسرے جملہ میں یعنی ﴿ وَإِذَا حَكَمۡتُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحۡكُمُواْ بِٱلۡعَدۡلِۚ ﴾ میں عدل وانصاف کا، ان میں ادائے امانت کو مقدم کیا گیا۔ محمد شفیع اس کی وجہ لکھتے ہیں:

"پورے ملک میں عدل و انصاف کا قیام اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا، کہ جن کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار ہے وہ پہلے اداءِ امانت کا فریضہ صحیح طور پر ادا کریں، یعنی حکومت کے عہدوں پر صرف انہی لوگوں کو مقرر کریں جو صلاحیت کار اور امانت و دیانت کی رُو سے ان عہدوں کے لیے سب سے زیادہ بہتر نظر آئیں، دوستی و تعلقات یا محض سفارش یا رشوت کو اس میں راہ نہ دیں، ورنہ نتیجہ یہ ہو گا کہ نااہل، ناقابل یا خائن اور ظالم لوگ عہدوں پر قابض ہو جائیں گے، پھر اگر اربابِ اقتدار دل سے بھی یہ چاہیں کہ ملک میں عدل و انصاف کا رواج ہو تو ان کے لئے ناممکن ہو جائے گا، کیوں کہ یہ عہدہ درانِ حکومت ہی حکومت کے ہاتھ اور پیر ہیں، جب یہ خائن یا ناقابل ہوئے تو عدل و انصاف قائم کرنے کی کیا راہ ہے؟"۔ (۷۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اصول اور آئین اس قدر سہل و آسان تھے کہ عدل و انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی۔ جب عدل کا حصول مہنگا اور پیچیدہ ہو جائے تو پھر امن و امان کی حالت بھی مخدوش ہو جاتی ہے۔

مثالی عدالت:

اسلامی عدالتوں نے نہ صرف وقت کے حکمرانوں کو عدالت میں طلب کیا، بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کے خلاف فیصلے بھی صادر فرمائے۔ جن کو اُنہوں نے نہ صرف خندہ پیشانی سے قبول کیا بلکہ اسلامی عدالتوں کے ان عدل و انصاف پر مبنی فیصلوں کی توصیف و تعریف بھی فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ ان اسلامی عدالتوں کے عدل و انصاف پر مبنی فیصلوں سے متاثر ہونے والے متعدد لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عدل وانصاف میں مساویانہ سلوک کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ خود عہد خلافت میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاں مقدمہ میں فریق بن کر حاضر ہوئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے احترام وعقیدت کے پیش نظر آپ کو اپنے قریب بٹھانا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا یہ انداز پسند نہ آیا اور فرمایا کہ نہیں میں تو اپنے فریق مخالف کے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔(۷۹)

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک پادری کے پاس سے گزر ہوا جو اپنی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا، اس کے قریب گئے اور اس سے پوچھا کیا تم اپنی کتابوں میں کچھ ہمارا ذکر بھی پاتے ہو؟ پادری نے کہا کہ ہاں، تم لوگوں کی صفات اور اعمال کا ذکر تو پاتے ہیں لیکن تمہارے نام نہیں پاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اچھا، تم مجھے کیسا پاتے ہو؟ پادری نے کہا کہ لوہے کا سینگ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ لوہے کے سینگ سے کیا مراد ہے؟ اس نے کہا کہ سخت مزاج حاکم جو کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والی کی ملامت نہیں ڈرتا۔(۸۰) یعنی عدل وانصاف کے معاملہ میں کسی کا خیال نہیں رکھتے تھے۔

قیامِ امن کے لیے وصیت:

قیامِ امن کے لیے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ ذمی کافروں سے جو معاہدہ ہو جائے اس پر قائم رہنا۔ تم میں دو چیزوں کو چھوڑتا ہوں جب تک یہ دونوں چیزیں تم میں رہے گی اس وقت تک بھلائی رہے گی، ایک فیصلہ میں انصاف کرنا دوسرے تقسیم میں انصاف کرنا۔ میں تم کو ایک ایسے راستے پر چھوڑ کے جاتا

ہوں، جس پر نشانِ قدم بنے ہوئے ہیں، اب اگر کوئی قوم از خود کجی اختیار کرے تو وہ راستے سے ہٹ جائے گی۔

اہلِ شام کو فرمان بھیجا کہ اپنی اولاد کو تیرنا، تیر اندازی اور گھوڑ سواری سکھاؤ اور ان کو حکم دو کہ لوگوں کی بے آبروئی نہ کریں۔[۸۱] اس طرح انصاف ہو تو یقیناً امن وامان کا بول بالا ہو گا۔

کیا آج بھی فاروقی دورِ حکومت والا امن آسکتا ہے؟

اس کا مختصر اور حقیقت پر مبنی جواب یقیناً مثبت میں ہو گا کیوں کہ دورِ فاروقی اس اُمت کا افتخار اور موجودہ خزاں زدہ ماحول میں نویدِ بہار ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے امن و امان اور عدل و انصاف کو تو غیر مسلم بھی دیکھ کر انگشت بدندان رہ گئے۔ فاروقی دورِ حکومت کے لیے جذبۂ فاروقی کے ساتھ دو چیزوں کا اہتمام بھی سرِ فہرست ہے، ایک قرآنِ مجید کو سینے سے لگانا اور دوسرا باہمی اختلافات ختم کرنا۔

الحاصل:

مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اسی وقت اشرف انسان کہلائے گا جب کہ وہ پیغامِ ہدایت کی پیروی کرے گا۔ اس نورِ ہدایت۔۔۔ دینِ اسلام کے اصولوں میں خوف زدہ ہونے سے انکار اور دباؤ کا مقابلہ کرنے میں مستقل مزاجی کی صلاحیّت بھی بطریقۂ احسن موجود ہے۔ اسلام کا قانونِ جنگ بھی امن وعافیت کا ضامن ہے، سسکتی، بلکتی اور تڑپتی انسانیت کو اگر کوئی جائے پناہ اور موقع نجات مل سکتا ہے تو اسلامی تعلیمات کے زیرِ اثر ہی مل سکتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عہد پوری دنیائے حکمرانی کی تاریخ میں ایک امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ ملک کی ترقی و خوشحالی، امن وامان کی بحالی، داخلی سلامتی، خارجی سیاست، پیداوار میں اضافہ، ایجادات واکتشافات اور علمی تحقیقات کے لحاظ سے یہ عہد اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد چشم فلک نے اس سرزمین پر اتنا خوبصورت عہدِ حکومت دوبارہ نہیں دیکھا۔ بدامنی اور بے اطمینانی معاشرے کے امن وامان اور معاشرے کے فلاح وسکون کے لیے زہر قاتل ہے۔ بدامنی کا شکار آدمی دوسروں کو بھی بدامنی سے دوچار کر دیتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی دس سالہ مدتِ خلافت کا جب عمومی جائزہ لیا جائے تو یہی سبق ملتا ہے کہ اُسوۂ فاروقی پر عمل پیرا ہونے سے یقیناً ہر شخص نہ صرف پُر امن معاشرتی زندگی گذارنے کے قابل ہو جائے

گا بلکہ وہ ایمان و اعمالِ صالحہ سے اپنے آپ کو آراستہ کر کے حیاتِ طیبہ جیسی پاکیزہ زندگی سے لطف اندوز ہونے لگے گا۔

سو آج اس طرح کی فلاحی ریاست کے قیام کی ضرورت ہے کہ جہاں ہر فرد کو اس کی بنیادی ضروریات پہنچائی جائیں۔ اگر اس دور میں بھی اس طرز کا ایک انسان پیدا ہو جائے تو دنیا سے تمام خرابیاں مٹ جائیں گی اور تمام نیکیاں زمین و آسمان پر چھا جائیں گی۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اُسوۂ فاروقی پر عمل کرتے ہوئے، ہر آدمی اپنی استطاعت کے مطابق امن وامان کے لیے کوشش کریں تاکہ وطنِ عزیز امن کا گہوارہ بن جائیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱) سورۃ القریش: ۳

۲) سورۃ یوسف:۱۲

۳) عیسیٰ ترمذی، سُنن ترمذی، باب مناقب عمر بن الخطاب، ص:۲/۲۰۹، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۴) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:۴۸، مکتبہ مدنیہ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۵) عبد الشکور لکھنوی، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ص:۱۳۰، مکتبۃ الحسن اردو بازار لاہور

۶) عبد الباقی حقانی، السیاسۃ و الادارۃ فی الاسلام 'مترجم'، ص:۲/۲۴۱، مؤتمر المصنفین جامعہ دار العموم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، ۲۰۱۱ء

۷) علاؤالدین، کنز العمّال، رقم الحدیث:۳۵۸۹۰، ص:۱۲/۲۷۳، المکتبۃ العربیۃ کانسی روڈ، کوئٹہ، س۔ن

۸) محمد رشید رضا، تفسیر المنار، ص:۶/۳۳۰، الھیءۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۹۰ء

۹) علی بن حسام الدین، کنز العمّال، ص:۶/۱۳، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۹ء

۱۰) عبد الشکور لکھنوی، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ص:۱۰۹، مکتبۃ الحسن اردو بازار، لاہور

۱۱) جلال الدین سیوطی، تاریخ الخُلفاء، ص:۹۳، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی

۱۲) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، الباب الاول فی عقد الامامۃ، ص:۶، مطبعہ مصطفی البانی الحلبی، مصر، ۱۹۷۳ء

۱۳) امام مسلم، صحیح مسلم، باب الطلاق، ص:۱۰/۸۳۔۸۲، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت

۱۴) سورۃ النساء: ۸۳

۱۵) صلح حدیبیہ امن و سلامتی کا وہ تاریخ ساز معاہدہ ہے جو کہ سید الکونین ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں مشرکین مکہ کے ساتھ اپنے بعض قریبی دوستوں (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ) کی ناراضگی کے باوجود ۶ھ میں ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے بہر صورت قیامِ امن و امان کے لئے دشمنوں کی بہت ساری شرائط کو مان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح مبین سے موسوم فرمایا۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ص:۳۷۳/۲،، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، نفیس اکیڈیمی، کراچی

۱۶) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:۴۹، مکتبہ مدنیہ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۱۷) ماہنامہ، النصیحہ، ج:۲، ش:۲، ص:۴۲، دار العلوم اسلامیہ، چارسدہ، ۱۹۸۶ء

۱۸) عبد الباقی حقانی، السیاسۃ و الادارۃ فی الاسلام 'مترجم'، ص:۲/۱۷۱، مؤتمر المصنفین جامعہ دار العموم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، ۲۰۱۱ء

۱۹) ابن جوزی، مناقب امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ص:۱۶۰، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۹۹۸ء

۲۰) ابن خلدون، تاریخ ابنِ خلدون، ص:۳/۲۳۷، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۹ء

۲۱) ابن قدامہ، المغنی، ص:۱۲/۶۳۷، دار الحدیث، القاہرہ، ۲۰۰۴ء

۲۲) بحوالۂ بالا، کتاب، الجزیہ، باب عقد الذمہ، ص:۱۲/۷۰۷

۲۳) عبد الشکور لکھنوی، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ص:۱۲۲، مکتبۃ الحسن اردو بازار، لاہور، س۔ن

۲۴) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:۲۴۷، مکتبہ مدنیہ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۲۵) عبد الباقی حقانی، السیاسۃ و الادارۃ فی الاسلام 'مترجم'، ص:۲/۲۶۲، مؤتمر المصنفین جامعہ دار العموم حقانیہ کوڑہ خٹک، نوشہرہ، ۲۰۱۱ء

۲۶) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:۱۹۱، مکتبہ مدنیہ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۲۷) عبد الشکور لکھنوی، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ، ص:۱۳۳، مکتبۃ الحسن اردو بازار، لاہور

۲۸) بخاری، صحیح بخاری 'کتاب الجنائز: باب ماجاء فی قبر النبی، ص:۱/۱۸۶، نور محمد اصح المطابع، کراچی

۲۹) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:۳۲۲، مکتبہ مدنیہ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۳۰) فتوح البلدان بلاذری ص:۱۴۷ بحوالۂ شاہ معین الدین ندوی، سیرِ صحابہ رضی اللہ عنہم ص:۱/۱۲۳، اسلامی کتب خانہ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۳۱) بحوالۂ بالا، ص:۲۱۷

۳۲) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:۱۲۷، مکتبہ مدنیہ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۳۳) بحوالۂ بالا، ص:۱۲۷

۳۴) عبد الرزاق بن ہمام، مصنف عبد الرزاق، ص:۵/۲۲۲، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ

۳۵) ابو یوسف، کتاب الخراج، ص:۱/۲۰۵، دار المعرفۃ بیروت، لبنان، س۔ن

۳۶) شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ص:۱/۱۵۴، ناشران قرآن لمٹیڈ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۳۷) بحوالۂ سابق، ص:۱/۱۸۲

۳۸) شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ص:۱/۱۵۲، ناشران قرآن لمٹیڈ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۳۹) عبد الشکور لکھنوی، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ص:۱۳۴، مکتبۃ الحسن اردو بازار، لاہور

۴۰) البیہقی، السنن الکبریٰ، 'کتاب السیر، باب امان العبد'، ص:۹/۹۴، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد، دکن، ۱۳۵۶ھ

۴۱) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ مترجم، ص:۷/۱۲۱، ۲۲۱، نفیس اکیڈیمی اُردو بازار، کراچی، ۱۹۸۹ء

۴۲) البیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب السیر، باب کیف الامان، ص:۹/۹۶، ادارۃ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان

۴۳) سید سلیمان ندوی، خطبات شبلی، ص:۳۷و۴۷، دار المصنفین لکھنو، ۲۰۰۸ء

۴۴) ابو بکر بن ابی شیبہ، مصنف بن ابی شیبہ، باب بن رخص فی أکل ثمرۃ اذا مر بھا، ص:۶/۸۳، مکتبہ دارالسلفیہ الھندیہ القدیمہ، س۔ن

۴۵) شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ص:۱/۱۶۳، ناشران قرآن لمٹیڈ اردو بازار، لاہور،

۴۶) عبد الشکور لکھنوی، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ص:۱۳۹و۱۴۰، مکتبۃ الحسن اردو بازار، لاہور،

۴۷) بحوالہ بالا، ص:۱۳۹و۱۴۰

۴۸) احمد بن حسین البیہقی، السّنن الکبریٰ، ص:۷/۴۴۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۱ء

۴۹) شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ص:۱/۱۷۶، ناشران قرآن لمٹیڈ اردو بازار، لاہور،

۵۰) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:۲۶۵، مکتبہ مدنیہ اردو بازار، لاہور،

۵۱) بحوالہ بالا، ص:۲۶۶

۵۲) عبد الشکور لکھنوی، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ص:۱۴۸، مکتبۃ الحسن اردو بازار، لاہور

۵۳) بحوالہ سابق، ص:۱۴۸

۵۴) ترمذی، سنن ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، ص:۲/۹۸، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۸۸ء

۵۵) ابن کثیر، النہایۃ للبدایۃ مترجم، ص:۳۱و۳۲، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۹ء

۵۶) ابن جوزی، مناقب امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ص:۲۳۶، ۲۳۵، دار الکتب العربی، بیروت

۵۷) عبد الشکور لکھنوی، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ص:۱۲۶و۱۲۷، مکتبۃ الحسن اردو بازار، لاہور

۵۸) محمود آلوسی، روح المعانی، ص:۱۱۰۔۶/۱۰۹، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۱۰ء

۵۹) ابن جوزی، مناقب امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ص:۴۷، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۹۹۸ء

۶۰) عبد الشکور لکھنوی، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ص:۱۲۱، مکتبۃ الحسن اردو بازار، لاہور، س۔ن

۶۱) طٰہٰ حسین، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہم "مترجم"، ص:۲۰۴، نفیس اکیڈیمی اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۹ء و جلال الدین سیوطی، تاریخ الخُلفاء، ص:۱۰۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۶۲) عبد الشکور لکھنوی، سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، ص:۱۲۰، مکتبۃ الحسن اردو بازار، لاہور،

۶۳) بخاری، صحیح بخاری مترجم 'باب اُنزل القرآن علی سبعۃ احرف'، ص:۲/۹۸۵، اظہار القرآن، لاہور،

۶۴) سورۃ الانفال:۶۸، ۶۷

۶۵) محمد اشرف، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی فداء الاسیر بالمال، ص:۷/۱۷۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۱ء

۶۶) جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:۹۵، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی

۶۷) ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب البکران یجلدان وینفیان، ص:۱۲/۱۹۳، مکتبہ دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۷ء

۶۸) عبد الباقی حقانی، السیاسۃ والادارۃ فی الاسلام ''مترجم''، ص:۲/۲۴۱، مؤتمر المصنفین جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، ۲۰۱۱ء

۶۹) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:۴۱، مکتبہ مدینہ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۷۰) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:۲۲۵۱، اسلامی کتب خانہ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۷۱) عبد الباقی حقانی، السیاسۃ والادارۃ فی الاسلام ''مترجم''، ص:۲/۲۴۱، مؤتمر المصنفین، نوشہرہ، ۲۰۱۱ء

۷۲) بحوالہٖ بالا، ص:۲/۱۷۰

۷۳) الماوردی، تسہیل النظر وتعجیل الظفر فی أخلاق الملک وسیاسۃ الملک، ص:۲۱۵، دار النہضۃ العربیہ، بیروت

۷۴) نووی، المجموع شرح المہذب، باب عقد الذمہ، ص:۱۹/۴۱۶، دار الفکر، بیروت، س۔ن

۷۵) طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، حدیث نمبر:۱۶۲۶۸، ص۱۴/۲۱۱، دار السلام، ریاض، س۔ن

۷۶) شبلی نعمانی، الفاروق، ص:۳۰۴، مکتبہ مدنیہ اردو بازار، لاہور، س۔ن

۷۷) ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ص:۲۵۸/ ۱، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت، لبنان، ۱۳۹۶ھ

۷۸) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ص:۸/۴۴۸/ ۲، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۸ء

۷۹) محمد ظفیر الدین ندوی، اسلام کا نظامِ امن، ص:۶۷، سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۹۱ء

۸۰) سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:۹۵، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی، س۔ن

۸۱) نسائی، عشرۃ النساء، باب ملاعبۃ الرجل زوجتہ، ص:۴۵/ ۱، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، س۔ن

****

قیام امن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کردار

(تاریخی و تجزیاتی مطالعہ)

The Role of Uthmān رضی اللہ عنہ in the Establishment of Peace

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی*

ABSTRACT

Nowadays the entire world, particularly the Islamic countries, are suffering from a state of anxiety and insecurity due to terrorism. The terrorists are destroying peace of the world for the sake of their personal interests. They affiliate their terrorist activities with Islām, while Islām condemns not only terrorism, but also the violation of the country law. Islām is the religion of peace. Allāh Almighty sent His Prophet Muḥammad (ﷺ) with the title of peace, and granted him the name of religion as Islām. The Holy Prophet (ﷺ) spent all his life to build the façade of peace and harmony in the society. His companions also exhibited human loving nature and followed the roadmap provided to them by the Holy Prophet (ﷺ).

Ḥaḍrat Uthmān is one of those, who sacrificed themselves for the noble cause of peace. In this article, the remarkable efforts of Ḥaḍrat Uthmān for the maintainance of peace are highlighted. He was commited to peace even before Islām, and after accepting it, he played a vital role for the promotion and maintaince of peace. He was appointed as the ambassador of the prophet (ﷺ) at the occasion of the Ḥudaybiyah Pact. Uthmān ruled a vast empire. Peace was a hallmark of his era. The evil plots against him surfaced only in the later years of his caliphate. These included objections regarding appointment and administration of the governers. He took every step to stop the disruption of peace, so much so, he did not allow the Muslims to fight for his defence, hence, sacrificed his life.

Keywords: *Ḥaḍrat Uthmān; Caliphate; Peace; Ambassador of Peace; Accountability*

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اسلام وہ واحد مذہب ہے جس کے ہر عمل سے امن کی کرنین روشن ہوتی ہیں اور بد امنی کی اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ اس مذہب کی کتابِ محفوظ نے اول تا آخر امن کا درس دیا ہے اور تشتت و افتراق نیز اس سے پھیلنے والی بد امنی، بے چینی اور بے سکونی کو ہر حال، ہر وقت اور ہر دور میں قابل مذمت گردانا ہے۔ خاتم النبیین جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی امن سے عبارت ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی حیات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نقش قدم پر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ پیارے صحابی ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی تعمیر امن کے لئے وقف کئے رکھی حتیٰ کہ جان بھی اسی کی خاطر قربان کر دی۔ ذیل کی سطور میں آپ کی انہی کوششوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نام و نسب:

آپ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عثمان رضی اللہ عنہ کنیت ابو عبد اللہ اور ابو عمرو ،لقب ذوالنورین ،والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروىٰ ہے۔ والدہ کی طرف سے نسب نامہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔[1] گویا پانچویں پشت میں آپ رضی اللہ عنہ کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ اسی طرح والدہ کی جانب سے بھی پانچویں پشت میں آپ رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک نسب ہیں۔

خاندان:

آپ رضی اللہ عنہ، واقعہ فیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ، کا خاندان شرافت و نجابت کے اعتبار سے عرب میں ممتاز تھا۔ قریش کا قومی عَلَم اسی خاندان کے پاس تھا۔ قریش کا منصب سپہ سالاری جو بنی مخزوم کے پاس تھا، عبد شمس کے زمانے میں یہ بنی امیہ کے ہاں منتقل ہو گیا۔ بنو امیہ تجارت و مالداری میں بھی سب سے آگے تھے، جنگ بدر کے موقع پر جو قافلہ شام سے واپس آرہا تھا اس کی قیادت بھی ابوسفیان رضی اللہ عنہ، کے پاس تھی جس کی بابت مؤرخین نے لکھا ہے کہ قریش مکہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا، جس کے پاس دو درہم ہوں اور اُس نے اس قافلے میں تجارت کی غرض سے وہ پیسے نہ لگائے ہوں[2]۔ ہرقل شاہ روم کے پاس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت نامہ بھیجا، تب بھی ابو سفیان رضی اللہ عنہ، ایک تجارتی قافلہ لے کر وہاں گئے ہوئے تھے۔ ہرقل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جب حالات دریافت کئے تو ابو سفیان رضی اللہ عنہ، کو بلا کر ہی حالات سے واقفیت حاصل کی اور باوجودیکہ آپ رضی اللہ عنہ، اس وقت

اسلام نہ لائے تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے متعلق حق گوئی کا فریضہ سر انجام دیا۔[۳]

قبول اسلام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ رضی اللہ عنہ، کی عمر چونتیس برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی دعوت پر اسلام لائے[۴]۔ آپ رضی اللہ عنہ، کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دختران یکے بعد دیگرے آپ رضی اللہ عنہ، کے عقد میں آئیں۔ عبداللہ بن ابان جعفی کہتے ہیں کہ مجھے میرے ماموں نے کہا کہ بھلا معلوم ہے عثمان رضی اللہ عنہ، کو ذوالنورین کیوں کہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ تو انہوں نے کہا:

"لم يجمع بين بنتي نبي منذ خلق الله آدم إلى أن تقوم الساعة غير عثمان، فلذلك سمي ذا النورين "[۵]

(تاریخ انسانیت میں حضرت آدم سے لیکر تاقیامت کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس کے عقد میں نبی کی دو صاحبزادیاں رہی ہوں لہٰذا یہی وجہ ہے کی آپ کو ذوالنورین کہاجاتاہے)۔

قبل از خلافت امن میں کردار:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام لائے تھے۔ اسلام لانے کے بعد سے لیکر شہادت تک آپ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی امن سے عبارت ہے۔ قبل از اسلام آپ رضی اللہ عنہ کی سیرت ایسے تمام عیوب سے پاک تھی جو بدامنی اور انتشار کا باعث بن سکتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ما سرقت في جاهلية ولا إسلام... ولا زنيت في جاهلية ولا إسلام قط... ولا مرَّت بي جُمُعَةٌ منذ أسلمتُ إلّا وأنا أُعْتِقُ فيها رقبةً" [۶]

میں نے زمانہ جاہلیت اور اسلام میں کبھی چوری نہیں کی اور نہ ہی کبھی زنا کیا اور جب سے میں اسلام لایا، کوئی جمعہ ایسا نہیں گزرا کہ میں نے اس دن غلام آزاد نہ کیا ہو۔

چچا کی تکالیف پر کوہ صبر و عزیمت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تبلیغ جیسے جیسے گھر گھر پہنچتا گیا، ویسے ویسے قریش کی آتش غضب بڑھتی گئی جسے ٹھنڈا کرنے کے لئے انہوں نے بلال، صہیب وخباب رضی اللہ عنہم اور سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا جیسے اصحاب پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ ڈالے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باوجو دیکہ قریش میں بڑے معزز تھے لیکن اپنی خاندانی وجاہت اور سطوت کے باوجود اپنے چچا حکم بن ابی ا لعاص کے ہاتھوں ایذا سے نہ بچ سکے۔ کبھی وہ رسیوں سے باندھ دیتا اور کبھی دھویں سے تکلیف دیتا[۷] کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اسلام سے برگشتہ کر دے لیکن مجال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پائے استقامت کبھی متزلزل ہوئے ہوں بلکہ پر امن رہ کر ہمیشہ نعرہ توحید مستانہ بلند کیا اور دیگر بہت سے اصحاب کا اسلام لانے کا سبب بنے۔ جب اپنوں کا ظلم و ستم اور سرد مہری نے حد سے تجاوز کیا تو بجائے انتقام لینے کے پر امن طور پر اپنی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی اس لئے کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہی تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے الفاظ یوں نقل فرمائے ہیں:

وَآمَنْتُ بِمَا بُعِثَ بِهِ، وَهَاجَرْتُ الهِجْرَتَيْنِ[۸]

اور جس دین کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے میں اس پر ایمان لایا اور میں نے دو ہجرتیں کیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا مکہ سے دور حبشہ کی جانب پرامن ہجرت کرنا اور غریب الوطنی کی زندگی گزارنا اس بات کا غماز ہے کہ قبائے خلافت کے عطا ہونے سے قبل بھی آپ رضی اللہ عنہ نہایت امن پسند تھے وگرنہ تلوار کے دھنی بنو امیہ کے فرزند ہونے کے ناطے آپ رضی اللہ عنہ اپنے تئیں نہ صرف دفاعی بلکہ کوئی اقدامی کاروائی کرتے تو یہ بنو امیہ کے سرا سر موافق تھا۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ شروع ہی سے صلح جو و صلح گو واقع ہوئے تھے اور اسی عادت شریفہ کو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت تک برقرار رکھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سفیر امن:

یکم ذیقعدہ سن چھ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لئے مکہ کا سفر شروع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تقریباً پندرہ سو جانثاران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاسوس بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی کہ قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کے لئے کمر بستہ ہیں اور

مکمل تیاری میں ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ خالد بن ولید مقدمتہ الجیش کے ہمراہ عمیم کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ مسلمانوں کا عالم یہ تھا کہ وہ تو بیت اللہ کی زیارت کی غرض سے مکہ گئے تھے لہٰذا صرف وہ ہتھیار لئے جو کہ ایک مسافر کو سفر میں درکار ہوتے ہیں[۹]۔

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ابو سفیان اور دوسرے رؤساء مکہ کے پاس بطور سفیر بھیجا تا کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کو مسلمانوں کی آمد کے بارے میں مطلع کریں۔ آپ رضی اللہ عنہ ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور سرداران قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا۔ قریش مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سخت نگرانی قائم کر دی کہ واپس نہ جانے پائیں۔ ادھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیکر کے درخت تلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے بیعت لی کہ جب تک عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہ لیں، واپس نہ جائیں گے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک پر بیعت کی، آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھ کر یہ فرمایا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے[۱۰]۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے جہاں یہ بات قابل فخر تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ قریش مکہ کے مابین سفیر رسول تھے، وہیں یہ طرح امتیاز کسی تاج سے کم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ دستِ عثمان قرار پایا، اِس کا تذکرہ آپ رضی اللہ عنہ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے۔

دفاعِ مدینہ، مدینہ کے امن کی خشتِ اول :

عرب کے عیسائیوں نے ہرقل شاہِ روم کو خط بھیجا کہ نعوذبا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اور مسلمان سخت تنگدستی کے عالم میں ہیں لہٰذا اس وقت حملہ کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ ہرقل چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔ یہ خبر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دیا لیکن سنگین مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ان دنوں فصل کٹنے کے قریب تھی۔ مدینے کا ہر مسلمان تنگی کی زندگی گزار رہا

تھا اور انتظار میں تھا کہ کب فصل کٹے، تو سامان معیشت کی فراوانی ہو، لہٰذا عطیات کی اپیل کی گئی، جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس موقع پر سخاوت کی لاجواب مثالیں قائم کیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے کر دربار نبوی میں اس توکل کے ساتھ حاضر ہوئے کہ ان کے اہل و عیال کے لئے تو اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کافی ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ گھر کا آدھا سامان لے آئے۔

عشرہ مبشرہ کے درخشندہ ستارے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو سو اوقیہ چاندی بارگاہ اقدس میں پیش کرکے لشکر کو تقویت پہچائی اور جب باری آئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تو غنی کے ساتھ اسم با مسمّٰی نے ایک تہائی یعنی دس ہزار افراد لشکر کے تمام اخراجات کا ذمہ تنِ تنہا لے لیا، اب ایک تسمہ بھی خریدا گیا تو اس کا خرچہ عثمان رضی اللہ عنہ نے برداشت کیا، اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ایک ہزار دینار اور ستر گھوڑے بھی جب نذرانہ عقیدت کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کئے [11]۔ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق تین سو گھوڑے اللہ کی راہ میں صدقہ کئے تو بقول عبد الر حمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھولی میں پڑے ہوئے دیناروں کو انبساط کے عالم میں باربار اچھالتے اور فرماتے تھے، آج کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہ) کو اس کا کوئی عمل نقصان نہ دے سکے گا۔[12]

سفیر اہل بیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے ارادہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا مطالبہ کریں،اس مقصد کے لئے انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا کہ وہ ان کا مطالبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچا دیں، لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب انہیں یہ حدیث سنائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہماری کوئی میراث نہیں ہوتی، بلکہ ہم جو بھی چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتاہے تو پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اپنا مطالبہ ترک کر دیا۔[13]

مجلس شوریٰ کے رکن:

ملکی امن و امان کا انحصار ارباب حل و عقد کی فہم و فراست، عوام دوست پالیسیوں اور دانشمندانہ فیصلوں پر ہوتا ہے۔ ملک کی باگ دوڑ ایسے افراد کے ہاتھ میں ہو تو پھر ملک میں سکون اور چین کی گنگا بہتی ہے وگرنہ امن کا خواب تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مہاجرین و انصار کے صاحبان علم و فراست پر مشتمل مجلس شوریٰ قائم کی تھی اس کے ایک اہم رکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔(۱۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بطور مفتی:

قضاۃ ولاۃ اور مفتی حضرات ملکی امن و امان میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان حضرات کے فیصلے رعایا کی روز مرہ زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ایک مفتی کا دانشمندانہ فتویٰ کسی بھی بڑے فتنے اور فساد کو روک سکتا ہے۔ایک قاضی کا جراتمندانہ اقدام ظالم کی نسلوں کو سبق سکھا تا ہے تو مفتی کا دانشمندانہ فتویٰ کسی بھی منہ زور فتنے کو لگام دے دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ پالیسی تھی کہ وہ ایسے عہدوں پر چُن چُن کر افراد کا انتخاب کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور مین ہر کس و ناکس پر فتویٰ کی سخت پابندی لگا دی تھی صرف مخصوص اصحاب رضی اللہ عنہم کو فتویٰ دینے کی اجازت تھی اُن میں سے ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی دانشمندی کی بدولت نہ صرف یہ کہ مفتی تھے، بلکہ مجلس شوریٰ کے اہم رکن تھے۔(۱۵)

بعد از خلافت امن میں کردار:

مذہب اسلام نے اپنی محفوظ ترین کتاب قرآن حکیم میں جا بجا آخرت کا درس دیا ہے اور یہ باور کروایا ہے کہ تمہاری آخرت صرف ایک ہی صورت میں بہتر ہو سکتی ہے جب تم اعمال صالحہ پر کاربند رہو وگرنہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اعمال صالحہ میں عبادات و معاملات سمیت وہ تمام اعمال شامل ہیں جس میں انسانیت کی فلاح اور بہتری ،امن، چین اور سکون ہے۔ نماز پنجگانہ صوم و صلوٰۃ کے پابند مگر پڑوسی کو تکلیف دینے والے شخص کی آخرت خراب ہے۔ مگر صرف فرائض کو پورا کرنے والے اور پڑوسی کو خوش رکھنے والے شخص کے لئے جنت کے دروازے کھلے ہیں۔

مسلمان کی تعریف حدیث میں کچھ یوں کی گئی ہے کہ مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ اسلام تو وہ مذہب ہے جس نے زبان کی کاٹ کو سختی سے منع کر دیا اور اسے اپنے بھائی کے مردہ گوشت کھانے کے مثل قرار دیا۔ تلوار کی کاٹ تو بہت دور کی بات ہے۔ان تمام احکامات پر وہی شخص عمل کرتا ہے جس کے دل میں آخرت کا ڈر ہو، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس اور جوابدہی کا تصور قلب و دماغ میں ہر وقت جاگزین ہو یہی وجہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قبائے خلافت زیب تن کرنے کے بعد جو پہلا خطبہ دیا وہ درس آخرت پر کسی گنج بے کراں سے کم نہیں اُس کی ہر ہر سطر **حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ** [16] سے عبارت اور ہر ہر لفظ **من كان يريد حرث الآخرة نزد له فی حرثه** [17] سے مرقع ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَإِنَّ الدُّنْيَا طُوِيَتْ عَلَى الْغَرُورِ، فَلا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيا ..... أَيْنَ أَبْنَاءُ الدُّنْيَا وَإِخْوَانُهَا الَّذِينَ أَثَارُوهَا وَعَمَّرُوهَا، وَمُتِّعُوا بِهَا طَوِيلا، أَلَمْ تَلْفِظْهُمْ! ارْمُوا بِالدُّنْيَا حَيْثُ رَمَى اللَّهُ بِهَا، وَاطْلُبُوا الآخِرَةَ۔ [18]

یہ دنیا مکر و فریب سے آراستہ ہے یہ تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔۔۔ وہ دنیا دار اور اس کے فرزند کہاں جنہوں نے عمارتیں تعمیر کیں اور ایک لمبے عرصے تک دنیا سے فائدے حاصل کرتے رہے، کیا دنیا نے انہیں چھوڑا؟ تم دنیا کو اس جگہ پھینک دو جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو پھینک رکھا ہے اور اس دنیا کی بجائے تم آخرت کے طلبگار بن جاؤ۔

حقوق و فرائض کا تعین:

مذہب اسلام نے افراد کے مابین حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کر دیا ہے جب تک افرادِ معاشرہ اپنے حقوق وصول کرتے اور ذمہ داریاں ادا کرتے رہتے ہیں، کوئی بگاڑ ان میں پیدا نہیں ہوتا اور جب ان میں غفلت ہوتی ہے تو پھر انتشار کا آغاز ہوتا ہے۔حضرت عثمانؓ نے جب زمامِ خلافت اپنے ہاتھ میں کی تو گورنروں کو خط لکھا:

وَإِنَّ أَعْدَلَ السِّيرَةِ أَنْ تَنْظُرُوا فِي أُمُورِ الْمُسْلِمِينَ فِيمَا عَلَيْهِمْ فَتُعْطُوهُمْ مَا لَهُمْ، وَتَأْخُذُوهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ

(سب سے زیادہ صحیح طرز عمل اور حسن سیرت یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات اور ان کے مفادات سے دلچسپی لی جائے ان کے حقوق ان کو دئے جائیں اور اسلام کے حقوق جو ان کے ذمہ ہیں وہ ان سے وصول کئے جائیں)۔[19]

ٹیکس:

دور حاضر میں وطن عزیز پاکستان سمیت کتنے ہی ممالک کی حکومتیں ایسی ہیں، جو عوام الناس سے ٹیکس وصول کرنا حقِ لازمی سمجھتی ہیں لیکن رعایا کی خبر گیری میں سخت غفلت کا مظاہرہ کرتی ہیں لہٰذا بدامنی، بے چینی اور بے سکونی کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صوبوں کے گورنروں کو جو ہدایات ارسال کیں،تو ان کو فرمایا: حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو۔

خُذُوا الْحَقَّ وَأَعْطُوا الْحَقَّ بِهِ وَالأَمَانَةَ الأَمَانَةَ، قُومُوا عَلَيْهَا، وَلا تَكُونُوا أَوَّلَ مَنْ يَسْلُبُهَا.

(اللہ تعالیٰ نے حکام اعلیٰ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ رعایا کے محافظ و نگران ہوں اور اس بات کا حکم نہیں دیا کہ وہ رعایا سے صرف ٹیکس وصول کریں)۔[20]

غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک:

اسلام وہ مذہب ہے جو غیر مسلموں کے ساتھ نہایت و سعتِ ظرفی سے کام لیتے ہوئے ان کو مذہبی ، معاشی ، معاشرتی اور سیاسی حقوق عطا کرتا ہے۔اسلام کسی بھی غیر مسلم سے ناانصافی کو بالکل روانہیں رکھتا اس مذہب کی محفوظ و مامون کتاب نے ایک غیر مسلم کی جان کے بدلے جان لینے کا حکم دیا ہے،خواہ وہ مسلمان ہی کی کیوں نہ ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کے بارے میں فرمایا: جو اِن کے حقوق آپ کے ذمے ہیں وہ ان کو دیئے جائیں اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کے ساتھ پیش آیا جائے۔اور ان کے ذمے جو حقوق ہیں وہ وصول کئے جائیں۔(۲۱)

مذہب اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی تعلیمات صرف نظریاتی فکر کے قلعوں تک محدود نہیں رہیں بلکہ عملی میدان میں بھی انہوں نے اپنا لوہا منوایا۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جب ہرقل شاہ روم کی جانب سے اس کے اہم جرنیل منویل نے اسکندریہ پر حملہ کیا، تو نہ صرف مسلمانوں کو اپنے تیغ و ستم کا نشانہ بنایا، بلکہ شاید ہی کوئی فرد و بشر ایسا ہو جس کا تعلق اسکندریہ اور اس کے مضافات سے ہو اور وہ رومیوں کی ظلم رانی سے محفوظ رہا ہو۔اسکندریہ شہر پر ظلم و تشدد کی آگ برسی، گھر بار نذر آتش ہوئے اور انارکی کا اژدھا مسلسل پھنکارتا رہا۔ ان حالات میں باغی رومیوں کی سرکوبی کے لئے عمرو بن ا لعاص رضی اللہ عنہ کو ذمہ داری سونپی گئی، اس لئے کہ یہی اس کے اہل تھے۔عمرو بن ا لعاص رضی اللہ عنہ نے باوجود معزولی کے اس حکم کو سر آنکھوں پر رکھا اور اپنے پیشرو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی خدمات اسلام کے لئے وقف کرتے ہوئے پانچ ہزار کا لشکر لے کر اسکندریہ پہنچے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا؛اس سے آگے کا حال علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیئے،وہ فرماتے ہیں

. . . جَاءَ أَهْلُ الْقُرَى الَّذِينَ خَالَفُوهُمْ فَقَالُوا لِعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ: إِنَّ الرُّومَ أَخَذُوا دَوَابَّنَا وَأَمْوَالَنَا، وَلَمْ نُخَالِفْ نَحْنُ عَلَيْكُمْ وَكُنَّا عَلَى الطَّاعَةِ. فَرَدَّ عَلَيْهِمْ مَا عَرَفُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ بَعْدَ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ..(۲۲)

اہل قریہ (اسکندریہ کی غیر مسلم رعایا)نے یہ عرضداشت پیش کی کہ چونکہ ہم لوگ ذمی تھے اور ہماری جان و مال کی حفاظت آپ کی ذمہ داری تھی رومیوں نے ہماری قیمتی متاع سمیت سب کچھ چھین لیا لہٰذا اب ہمیں وہ واپس دلوائی جائیں۔ امیر لشکر عمرو بن ا لعاصؓ نے فوراً حکم دیا کہ یہ مال غنیمت تمہارے سامنے ہے۔اپنا مال شناخت کرکے لے جائیں۔

جن لوگوں کو مال و اسباب نہ مل سکا تو ان کا شکوہ بیت المال سے پورا کیا گیا۔(۲۳)

عمال کا احتساب:

عمال کا احتساب قیام امن کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس لئے کہ اگر حاکم وقت بروقت عمال سے پوچھ گوچھ کرتا رہے تو ان کی سمت درست رہتی ہے وگرنہ وہ بھی بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ عمال کی بروقت خبر گیری کیسے کیا کرتے تھے؟ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں عہدِ فاروقی کے گورنر تھے، عہد عثمانی میں ان کو معزول کرکے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو گورنر مقرر کرنے کی وصیت کی تھی اور فرمایا تھا کہ میں نے ان کو کسی گناہ کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا، بس ڈرتا تھا کہ لوگ ان کو کہیں بدنام نہ کر دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری کا اہل جانا، اس لئے کہ فاتح قادسیہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے اور علاقہ و اہل علاقہ کے نشیب و فراز سے خوب واقف تھے۔ نیز چند روایات سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی جگہ مقرر کرنے کی وصیت کی تھی(۲۴)۔ لیکن اسے افسوس کے علاوہ کیا کہا جائے کہ تقریباً ایک سال بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی اپنے عہدے سے معزول ہو گئے۔ جس کی وجہ تاریخ نے یہ بتائی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے مہتمم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ قرض لیا۔ مقررہ تاریخ پر آپ رضی اللہ عنہ قرض ادا نہ کر سکے اور مزید مہلت طلب کی، جس پر عبداللہ بن مسعودؓ تیار نہ ہوئے اور فی الفور ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ اس پر دونوں اصحاب کے مابین تلخی بڑھی، تو کچھ لوگ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو کچھ سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔(۲۵)

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:

حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عہد فاروقی کے مشہور سپہ سالاروں میں سے ایک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہی مصر جیسا زرخیز علاقہ فتح ہوا تھا، نیز یہ کہ دہاۃ العرب میں جہاں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ،

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام آتا تھا، وہیں آپ رضی اللہ عنہ بھی معاملہ فہمی میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بارے میں دو طرح کی روایات موجود ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے مصر کے خراج میں اضافے کا مطالبہ کیا تھا، جسے آپ پورا نہ کر سکے۔ اس سلسلہ میں ایک خط کا ذکر بھی کیا جاتا ہے، جو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا جس میں مصر کی زرخیزی کا ذکر کیا، لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک طرف زرخیزی کے تذکرے دوسری طرف خراج کی نہایت کم مقدار؟[۲۶] حتی کہ فراعنہ مصر سے بھی کم؟ رومی عہد میں مصر کے خراج کی مقدار دو کروڑ، عہد فراعنہ میں نَو کروڑ جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں سات کروڑ تیس لاکھ خراج وصول کیا جاتا تھا[۲۷] جبکہ عہد فاروقی میں بقول علامہ بلاذری کے یہ مقدار بیس لاکھ دینار تھی[۲۸] لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی یہی وجہ نزاع بنی۔ عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہوں نے خراج کو کم کر دیا ہے، جبکہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جنگی معاملات میں میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ جب یہ شکایات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا۔[۲۹]

دوسری روایات وہ ہیں جو بحری بیڑے کے مصارف سے متعلق ہیں کہ عبد اللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے جب افریقہ فتح کر ڈالا اور تو بازنطینی سلطنت کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ لہٰذا یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں قیصر کا بحری بیڑہ سلطنت اسلامیہ پر حملہ نہ کر دے لہٰذا ایک بیڑہ بہر صورت وہاں موجود ہونا چاہیئے، جو ہمہ وقت دشمن کی نگرانی کرتا رہے۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھے کہ اس کے مصارف کا بار دارالخلافہ مدینہ برداشت کرے، جبکہ عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ مصر اس بار کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لہٰذا اس کے مصارف بھی اسی سے پورے کئے جائیں۔ دونوں فاتحین چونکہ مصر پر تعینات تھے لہٰذا دونوں کے مابین اس معاملے پر نوک جھوک شروع ہوئیں اور شکایات دربار عثمانی میں پہنچنے لگیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی رائے درست ہے، لیکن دونوں کا ایک ساتھ چلنا بھی مشکل ہے لہٰذا انہی کو گورنر بنایا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا[۳۰]۔ ہماری نظر میں یہ دوسری قسم کی روایات ہی قابل ترجیح ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کی حکمرانی کا اصل مقصد ہمیشہ پیغام خداوندی کی ترویج رہا ہے نہ کہ سیم و زر کی تلاش۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ جب خیبر فتح ہوا اور اہل خیبر کے ساتھ بٹائی کا معاملہ طے

پا گیا۔ جب فصل ہوتی اور سلطنت کا نمائندہ اپنا حصہ وصول کرنے جاتا تو میزان ان کے ہاتھ میں دیکھے کہتا کہ جو نصف چاہو رکھ لو، اور جو نصف چاہو دے دو۔

محکوم قوم نے جب اس عدل کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہی وہ حق ہے جس سے آسمان و زمیں قائم ہیں[۳۱] دوسرے یہ کہ جب مدینہ میں کسریٰ ایران کا بائیس کھرب روپیہ آگیا تھا تو اب سلطنت اسلامی کو ایسی کیا ایمرجنسی تھی کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ھل من مزید کا مطالبہ کیا جارہا تھا۔[۳۲]

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر گورنر مقرر کی تھا۔ ان کے دور میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن الحسیمان کو اشرار کوفہ نے اس کے گھر میں قتل کرڈالا۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے قاتلین کو قصاص میں قتل کروادیا و جس سے ان کو بڑی تکلیف ہوئی اور وہ موقع کی تاک میں رہنے لگے کہ کوئی بات ہاتھ لگے تو ولید رضی اللہ عنہ کو بدنام کریں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ایک نصرانی دوست اکثر آپ کے پاس آتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی کی کوششوں سے وہ اسلام بھی لے آیا۔ جندب نے آپ رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نصرانی دوست کے ساتھ شراب نوشی کی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گواہی طلب کی، جو نہ مل سکی، البتہ دو اشخاص ابوزینب اور ابو مورع نے یہ کہا کہ ہم نے ان کو شراب پیتے ہوئے نہیں، بلکہ شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر حد جاری کرنے کا حکم دیا اور معزول بھی کر دیا۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ لوگ فاسق اور پرلے درجے کے شرارت پسند ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن تمہارے خلاف گواہی موجود ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا حلہ اتارا اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے حد لگائی۔[۳۳]

عبداللہ بن سبا کی بدامنی کی سازش اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اقدامات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں سازشوں نے سر اٹھایا تھا۔ ان سازشوں کے اصل محرک تو وہ مفسدین تھے جنہیں اسلام کی ترقی، شان و شوکت ایک آنکھ نہ بھاتی تھی بلکہ ہر دم یہ غم کھائے جاتا تھا کہ رحمت اسلام کا بحر بیکراں اگر اسی رفتار سے ترقی کرتا رہا، تو ایک دن روئے زمیں پر اسلام کے علاوہ دوسرا مذہب نہ ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ اسلام کو وہ نقصان پہنچایا کی دشمن بھی دادِ حیرت سے تکنے لگے۔ اس فتنہ انگیز تحریک کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی تھا جو کہ ملک یمن کا رہنے والا تھا۔[۳۴]

عہد عثمانی میں اگرچہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اس کا دل بدستور یہودیت کے عشق میں غرق تھا، لہذا اس نے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کے لئے حبِّ اہل بیت کی سازش تیار کی اور طرح طرح کے وساوس پر سبائی تحریک کا خمیر اٹھایا۔ عبد اللہ بن سبا جسے ابن اسوداء بھی کہا جاتا تھا، پہلے حجاز گیا پھر بصرہ، کوفہ اور شام کا سفر کیا لیکن شام میں اس کی ایک نہ چلی تو مصر لوٹ آیا اور ایک عرصہ وہاں قیام کیا۔[۳۵] وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ عیسی بن مریم علیہما السلام کا رتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہے، جب وہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں تشریف نہ لائیں؟ کبھی کہتا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور خلافت ان کا حق ہے جو ان سے غصب کر لیا گیا ہے لہذا یہ حق انہیں ملنا چاہیئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ناحق ہے۔[۳۶]

علامہ طبری اور ابن کثیر رحمہما اللہ کے بقول یہی وہ مقام تھا جہاں سے لوگ عثمانی عمال حتیٰ کہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے لگے۔ عبد اللہ بن سبا نے اپنے ساتھیوں کو تلقین کر رکھی تھی کہ وہ امر بالمعروف کا خاص اہتمام رکھیں تاکہ لوگ ان کے دام تزویر میں بآسانی پھنس سکیں اور جس قدر ہو سکے، پروپیگنڈے سے عثمانی عمال کو بدنام کریں۔ ابن سبا نے اپنی تحریک کو منظم کرنے کے لئے کوفہ، بصرہ اور مصر کے دورے کئے اور سازش کی پوری فصل تیار کی۔ بصرہ میں اسے اس کام کے لئے حکم بن جبلہ میسر آیا، تو مصر میں یہ فعلِ بد، کنانہ بن بشیر اور سودان بن حمران کے ہاتھوں سر انجام پایا۔ کوفہ میں اس چنگاری کو بڑھکانے والا یزید بن قیس تھا۔ کوفہ بصرہ اور مصر خط و کتابت کے ذریعے بھرپور رابطے میں رہتے تھے اور آئے روز شرارتوں سے عوام میں نفرتیں پیدا کرتے تھے۔

ابن اسبا کی یہ تحریک اول تا آخر شرارت کا منبع تھی جس سے نت نئے فساد جنم لیتے تھے۔ حکومت کے خلاف پہلے گندی زبان استعمال کی جاتی اور جب حکومتی رٹ بحال کرنے کی خاطر جوابی کاروائی کی جاتی تو گورنرز کی معزولی کا مطالبہ کر دیا جاتا۔ طرح طرح کے الزامات لگائے جاتے کہیں جور و ستم کی کہانیاں گھڑی جاتیں تو کہیں بد اعمالیوں کا ذکر ہوتا پھر وہ اس چارج شیٹ کو مدینہ لے جاتے اور اپنے مطالبات پیش کئے جاتے۔

تحقیقاتی کمیشن کا قیام:

کوفہ بصرہ اور مصر کی فضاء کو گرد آلود کرنے کے بعد اب مفسدین نے مدینہ طیبہ کی فضاء کو مسموم کرنا چاہا۔ اس کے لیے انہوں نے وہ چال چلی، جس کی توقع صرف شیطان سے کی جاسکتی تھی۔ مفسدین نے مختلف صوبہ جات کے باشندوں سے عثمانی عمال کے خلاف خطوط لکھوائے اور مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بھیجے۔ جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں کے ظلم اور بربریت کی فرضی داستانیں بڑھا چڑھا کر پیش کی گئیں۔ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ خطوط لے کر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ہمارے پاس مختلف صوبہ جات سے یہ خطوط آئے ہیں جن میں گورنروں کی زیادتیوں کا ذکر ہے۔ اگر یہ درست ہے تو ہمیں حیرت ہے کہ گورنر یہ ظلم کیوں کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟ علامہ طبری اور ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہما کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا:

نشير عَلَيْك أن تبعث رجالا ممن تثق بهم إِلَى الأمصار حَتَّى يرجعوا إليك بأخبارهم. ۔ (۳۷)

ہماری رائے یہ ہے کہ ملک کے مختلف صوبہ جات میں با اعتماد افراد کو بھیجا جائے جو وہاں جاکر عوام الناس سے حقیقت حال معلوم کریں۔

جو رپورٹ وہ فراہم کریں اس کی روشنی میں مناسب کاروائی کی جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ رائے بہت پسند آئی چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شام اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر روانہ کیا گیا تاکہ وہ پتہ چلائیں کہ عمال پر الزامات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ تحقیقاتی وفد مکمل خود مختار اور ہر قسم کے سیاسی پریشر سے آزاد تھا اور اس کے ایک ایک فرد کا انتخاب واقعۃً لاجواب تھا۔ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ عہد فاروقی کے انتہائی با اعتماد انسپکٹر جنرل تھے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی گورنر کی شکایت ملتی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم ملتا تھا کہ حالات و واقعات کی حقیقی بنیادوں پر جانچ پرکھ کر کے رپورٹ دیں۔ وہ متعلقہ گورنر سے ملتے اور اسے گلی گلی، کوچہ کوچہ لئے لئے پھرتے، لوگوں سے اس کے متعلق رائے طلب کرتے اور دربار خلافت میں اس کی رپورٹ فراہم کرتے۔ دوسرے تحقیق کار حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے جن کی بابت خود صحابہ کا بیان ہے کہ زمانے کی رنگینیوں نے ہر ایک پر اپنا اثر دکھایا لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دامن ان سے محفوظ رہا۔ مال و ثروت کی

بہتات کے زمانے میں بھی وہ عہد نبوی کا نمونہ تھے۔ تیسرے تحقیق کار اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے جن کی ذمہ داری بیاں کرنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جوانی کے عالم میں لشکر کا سپہ سالار بنایا تھا اور جہاں تک تعلق ہے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا تو وہ ورع و تقویٰ میں خود اپنی مثال آپ تھے۔ چنانچہ تحقیقات شروع ہوئیں۔ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا طرز تحقیق اس دفعہ بھی برقرار رکھا، دیگر تحقیق کاروں نے بھی الزامات کی خوب جانچ پرکھ کی۔ وہ عوام الناس اور معززین علاقہ سے ملے اور واقعات کا گہرائی سے تفصیلی جائزہ لیا اور جو رپورٹ داخلِ دفتر کی اس کا خلاصہ ابن اثیر کی زبانی یہ ہے کہ

"فَقَالُوا: مَا أَنْكَرْنَا شَيْئًا أَيُّهَا النَّاسُ وَلَا أَنْكَرَهُ أَعْلَامُ الْمُسْلِمِينَ وَلَا عَوَامُّهُمْ" (۳۸)

ہمیں عوام الناس، اور معززین مسلمانوں سے کوئی قابل اعتراض چیز (عمال کے خلاف) نہیں ملی۔

تحقیقاتی وفد کے ایک رکن حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ واپس تشریف نہ لائے جس کی وجہ مؤرخین نے یہ بیان کی کہ سبائی فتنہ گروں نے انہیں اپنی جانب مائل کر لیا تھا اس لئے کہ عبد اللہ بن سبا اور اس کے اہم رفقاء، سودان بن حمران، کنانہ بن بشیر، اور خالد بن ملجم کا ان کے پاس آنا جانا لگا رہتا تھا(۳۹)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تجویز پر تحقیقاتیہ کمیشن کا قیام ایک بہترین اقدام تھا جو قیام امن کے لئے محرک کردار ثابت ہو سکتا تھا اس لئے کہ مفسدین کے خطوط پر آنکھیں بند کر کے گورنروں کو معزول کر دینا بھی کہیں کی دانشمندی نہ تھی اس لئے کہ یہ خطوط، جیسا کہ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا، فرضی اور من گھڑت تھے جو مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے مختلف لوگوں سے لکھوائے گئے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی فوراً گورنروں کی معزولی کا مشورہ نہ دیا جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ سبائی انتہائی ناقابل اعتماد تھے لیکن یہ بھی حکمت عملی نہ تھی کہ سرے سے تحقیقات ہی نہ کروائی جائیں اس لئے اگر ایسا ہو جاتا تو ایک طرف مفسدین کے اسرار سے نہ تو پردہ اٹھتا اور نہ ہی کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعتماد حاصل ہو سکتا تھا اس لئے کہ یہ فکر و عمل آمرانہ ہوتا لیکن اسلام جو "وامرهم شورىٰ بينهم" (۴۰) کا درس لیکر آیا ہے، بھلا کب اس سوچ کا متحمل ہو سکتا تھا ولہذا تحقیقات کروائی گئیں۔

گورنروں کا اجلاس:

خلافت اسلامیہ میں مفسدین نے فتنہ و فساد کا الاؤ بڑھکا رکھا تھا جس کے دھویں سے مصر، کوفہ اور بصرہ کی فضا مسموم تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان باتوں سے بے خبر نہ تھے بلکہ انہیں مدینہ میں پل پل کی

خبریں مل رہی تھیں آپ رضی اللہ عنہ صبح و شام اس فکر میں رہتے تھے کہ فتنے کی اس آگ کو کس طرح ٹھنڈا کیا جائے لہذا آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اپنے گورنرز کا اجلاس طلب کیا تاکہ مشورہ کی بابت حکم قرآنی پر عمل کرتے ہوئے صورتحال کو سنبھالا جا سکے۔

اس اجلاس میں جن اصحاب نے شرکت کی ان میں عمرو بن العاص، عبد اللہ بن سعد ابی سرح، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں[۴۱] آپ رضی اللہ عنہ نے مختصر سی تقریر کے بعد گورنرز کو مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ میں آئے روز تمہارے بارے میں شکایات سنتا ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ جن باتوں کے تم ذمہ دار ہو ان کا خمیازہ مجھے نہ بھگتنا پڑے۔ گورنرز نے جواب دیا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے ہماری تحقیقات کے لئے آدمی نہیں بھیجے تھے؟ بخدا وہ اس حال میں نہیں لوٹے کہ انہیں اعتراض کا موقع نہیں ملا ۔ یہ صرف اور صرف پروپیگنڈہ ہے جو ہمارے بارے میں کیا جا رہا ہے۔ آپ نے اس پر مشورہ طلب کیا کہ اس صورتحال میں کیا کیا جائے؟ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رائے دی اس گروہِ اشرار کو قتل کر دیا جائے تا کہ یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حدود اللہ کے علاوہ کسی قسم کی سختی کو روا نہیں رکھتا اور ہاں تم کو حکم دیتا ہوں کہ حقوق العباد میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو اور ان کی زیادتیوں سے اعراض کرو۔ رعایا کے اطمینان کے سامان مہیا کرو البتہ حقوق اللہ اگر پامال ہوں تو پھر تخفیف سے کام نہ لو۔[۴۲] آذربائیجان سے لیکر سایپرس تک حکومت کرنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے مفسدین کو قتل کروانا کوئی مشکل کام نہ تھا اس مقصد کے لئے کسی ایک گورنر کو ادنیٰ سا اشارہ بھی کافی تھا۔ وہ لشکر لیتا، چڑھائی کرتا اور اس فتنہ کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیتا لیکن تقویٰ و اخلاص کے پیکر عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے گوارہ نہ کیا کہ وہ اپنی ذات کی خاطر کسی کے قتل کا حکم دیں البتہ حقوق اللہ کی پامالی کی صورت میں سختی سے نمٹنے کی ہدایت کی اس لئے کہ اسوہ نبوی یہی تھا۔

عوام الناس کے نام مراسلے:

محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ سے تحقیقات، گورنروں سے مشاورت کے بعد بھی آپ نے قیام امن کی خاطر عوام الناس کے نام مراسلے جاری کروائے اور انہیں مختلف بلاد اسلامیہ میں بھیجا۔ جن

میں درج تھا کہ عوام الناس میں سے جس کسی کو کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر شکایت پیش کر کے مجھ سے اپنا حق وصول کرے۔ میں اس کا ازالہ کروں گا۔ گورنروں کو فرمان جاری کیا کہ وہ حج کے موقع پر حاضر ہوں تا کہ عوام الناس کی شکایات کی بابت ان سے حق طلبی کی جاسکے۔ آپ کا یہ مراسلہ جب مختلف بلاد اسلامیہ میں پڑھا گیا تو بقول علامہ طبری کے لوگ بلبلا کر روئے اور ان کے لئے دعائیں کیں۔(۴۳)

مفسدین کے الزامات:

مفسدین خلافت اسلامیہ میں بلوئ و فساد کی فضاء پیدا کرنا چاہتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ کسی طرح عوام اور حکام میں نفرت کی خلیج حائل کر دی جائے اس مقصد کے لئے وہ حضرت عثمان پر طرح طرح کے الزام لگاتے تھے، جن میں نمایاں درج ذیل ہیں:(۴۴)

۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کو معزول کر کے اپنی قوم کے ناتجربہ کار افراد کو عہدے دیئے ہیں لہٰذا یہ کنبہ پروری کے مرتکب ہوئے ہیں۔

۲۔ امیر المومنین نے بیت المال میں بے جا تصرف کیا ہے۔ مروان کو افریقہ کے مال کا خمس دیا گیا۔ اپنی بیٹیوں کو قیمتی جواہرات بیت المال سے دیئے۔

۳۔ بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا لیکن عوام الناس کے مستفید ہونے پر پابندی عائد کر دی۔

۴۔ زید بن ثابت کے مصحف کے علاوہ تمام مصاحف کو جلاڈالا۔

۵۔ مذہب میں نئی بدعات شروع کیں مثلاً منیٰ میں دو رکعت کی بجائے چار رکعات ادا کیں۔

قبل اس کے کہ ہم ان اعتراضات کے جوابات دیں، ضروری ہے کہ چند ایک سوالات ذہن نشین کر لیں تا کہ مقدمے کو حل کرنے میں آسانی رہے:

۱۔ یہ حضرات جن پر اقرباء پروری کا الزام لگایا گیا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد شیخین میں بھی حکومتی ذمہ داریاں سنبھالتے رہے یا نہیں؟

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن افراد کو اہم عہدوں پر متعین کیا، آیا ان میں صلاحیت بھی تھی یا محض قربت داری ہی تعیناتی کی وجہ بنی؟

۳۔ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیک جنبش قلم یونہی معزول کر دیا گیا یا اس کی کچھ وجوہات بھی تھیں ؟

بنو امیہ عہد رسالت میں:

بنی امیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ملکی نظم میں ان کو بڑے اہم عہدے دئے گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر بنایا[۴۵] اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ مکہ میں عتاب رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ گورنری کے لئے موزوں تھے۔

عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ، عہد فاروقی میں بھی اپنے عہدے پر قائم تھے۔[۴۶] خالد بن سعید بن ابی العاص رضی اللہ عنہ مکہ کے بازار کے عامل بنے علامہ بلاذری کے مطابق انہیں صنعاء کا عامل بنایا گیا [۴۷]۔ تطبیقی صورت یہ ہے کہ ہو سکتی ہے پہلے وہ بازار کے عامل بنے ہوں پھر حسن انتظام کی بدولت منصب گورنری سے سرفراز ہوئے ہوں۔

ابان بن سعید رضی اللہ عنہ بحرین کے گورنر تھے۔علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق آپ کو ۹ ہجری میں گورنر بنایا گیا[۴۸] عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ طائف کے گورنر تھے[۴۹] سترہ ہجری میں انہوں نے آرمینیا کو فتح کیا۔[۵۰] ابو سفیان رضی اللہ عنہ نجران کے حاکم تھے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اپنے عہدے پر برقرار رہے۔[۵۱]

بنو امیہ عہد شیخین میں:

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے جن کی معزولی کا واقعہ اوپر گزرا، عہد صدیقی میں بڑے معتمد تھے اور حکومتی امور میں ان سے خدمات لی جارہی تھیں۔ عظیم سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ مذار کا مال غنیمت ان کے ذریعے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں دوبارہ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے لئے امدادی سامان دیکر کی جانب روانہ کیا۔[۵۲] عہد صدیقی میں ہی ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ قبیلہ قضاعہ کے صدقات وصول کرنے پر مامور تھے۔اور آپ کو سپہ سالار لشکر بنا کر اردن کی جانب بھی بھیجا گیا۔[۵۳] عہد فاروقی میں بلا دبنی تغلب اور الجزیرہ پر مامور تھے۔[۵۴] عہد عثمانی میں جس طرح گورنری کے فرائض انہوں نے سر انجام دئے، کتب تاریخ نے انہیں شاندار خراج تحسین پیش کیا ہے۔علامہ طبری، ابن کثیر، ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے کہا ہے کہ انہوں نے پانچ سال اس طرح فرائض سرانجام دئے کہ گورنر ہاؤس ہر خاص و عام

کے لئے کھلا رہتا تھا اور وہ لوگوں کے محبوب تھے۔ ان کی معزولی پر غرباء نے ماتم کیا، اس لئے کہ لوگوں کی راتوں کے اندھیرے ان کی میں امداد کیا کرتے تھے(۵۵)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی بنی امیہ سے تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی قابلیتوں کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کتابت وحی پر مامور رہے تھے۔ عہد صدیقی میں ملک شام کی فتح کے لئے دیگر لشکروں کے علاوہ آپ کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو بھی لشکر دے کر روانہ کیا گیا۔ مدینہ سے روانگی کے وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو نصیحتیں کیں تو آپ رضی اللہ عنہ سوار تھے جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیدل چل رہے تھے۔ اس کے فوراً بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں ایک لشکر بھی ان کی مدد کے لئے روانہ کر دیا۔(۵۶)

عہد فاروقی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیسار یہ کو فتح کیا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو وہاں کا امیر بنا دیا۔(۵۷) معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں اردن کے گورنر رہے، پھر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد دمشق بھی آپ کے زیرِ نگرانی آگیا۔ یہ تھا بنو امیہ کا شاندار ماضی جس کی بدولت وہ عہد رسات صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد شیخین میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔

اب ہم آتے ہیں دوسرے اعتراض کی طرف کہ حضرت عثمان کے گورنرز آیا ناتجربہ تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے عثمانی عمال اگرچہ نو عمر اور سابقین اولین کے مقابلے میں کم متقی تھے لیکن انتظامی لحاظ سے وہ اپنے آباء کی مثل دوسروں سے برتر تھے مثلاً عبد اللہ بن سعد، جو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ متعین ہوئے، پور افریقہ ان کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حسب وعدہ ان کو مال غنیمت کا خمس الخمس دیا، لیکن لوگوں کے اعتراض پر واپس لے لیا۔(۵۸) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجازت سے قبرص کو فتح کیا(۵۹)۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر تھے۔ عوام الناس نے ان کے ضعف پیری کی شکایت کر کے معزولی چاہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جن کی عمر صرف پچیس سال تھی، گورنر مقرر کیا۔ اس نوجوان نے مختصر عرصہ میں خراسان تا کابل اپنی عملداری میں شامل کر لیا اور اسلامی لشکر کے پنجے فرغانہ میں گاڑ دیے۔(۶۰)

بیت المال میں بے جا تصرف:

باغیوں کا تیسرا اعتراض بیت المال میں بے جا تصرف سے متعلق تھا۔ جس میں مروان کو خمس اور بیٹیوں کو جواہرات دینے کا تذکرہ ہے۔ ائمہ محدثین، مفسرین اور مؤرخین کے ہاں مروان کا واقعہ بے تحاشا تضادات کی وجہ نا قابل اعتبار ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، قاضی ابو بکر بن العربی اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم اس کی صحت کا انکار کرتے ہیں اور اس کی وجہ طعن عثمان بتلاتے ہیں[۶۱]۔

اور جہاں تک اپنے اہل و عیال پر خرچ کی بات ہے تو عثمان رضی اللہ عنہ اتنے مالدار تھے کہ بارہ سالوں میں کبھی بیت المال سے وظیفہ تک نہ لیا[۶۲] اور جس طرح سے انہوں نے اپنی دولت کو اسلام کے لئے وقف کئے رکھا، اعزہ و اقارب کے لئے انہیں بیت المال کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی تائید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ خاندان کی محبت نے مجھے ظلم پر مجبور نہیں کیا۔ میں اگر اقارب کو تحائف دیتا ہوں تو اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔[۶۳]

بدعات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو کی بجائے چار رکعت ادا کیں، تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے چار رکعت کیوں ادا کیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس وقت ایسے شہر میں تھا، جہاں میرے اہل و عیال رہتے تھے اس لئے چار رکعت ادا کیں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں، ویسے بھی یہ آپ رضی اللہ عنہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے اختلاف رائے تھا اور ایسا اختلاف رائے تو دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین بھی رہا ہے، لیکن وہاں تو جنگ و جدل کی نوبت نہ آئی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو اس لئے جلا ڈالا کہ امت میں انتشار، تشتت و افتراق کا دروازہ بند کرنا مقصود تھا۔ بقیع کی چراگاہ کے بارے میں فرمایا کہ میں اسے اپنے لئے مخصوص نہیں کیا اور نہ کسی اور فرد کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے بلکہ یہ مسلمانوں کے صدقات کے لئے ہیں جیسے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو صدقات کے اونٹوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ علامہ طبری اور دیگر مؤرخین کے بقول یہ فسادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جوابات دینے پر واپس چلے گئے، لیکن ان کی منصوبہ یہ تھا کہ وہ آئندہ سال حج کے ایام میں دوبارہ آئیں گے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کریں گے، ورنہ قتل کر دیں گے۔[۶۴]

شہادت عثمان:

شوال پینتیس ہجری میں بصرہ، کوفہ اور مصر کے شر پسند لشکر قتل عثمان کے ارادے سے نکلے۔ ان کی قیادت مشہور زمانہ باغی عبد اللہ بن سبا یہودی، غافقی بن حرب، حکیم بن جبلہ، حرقوص بن زہیر اور اشتر نخعی کر رہے تھے۔ مدینہ کے قریب آکر انہوں نے ذوالمروہ، ذوالخشن اور اعوص کے قریب پڑاؤ کیا اور ازواج مطہرات، حضرت علی، زبیر، طلحہ رضی اللہ عنہم سے ملاقاتیں کیں اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ہر ایک نے ان کو دھتکارا اور فرمایا تم لعنتی ہو، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالمروہ، اعوص اور ذوالخشب کے لشکروں پر لعنت کی ہے۔ اس دھتکار اور پھٹکار کے بعد یہ واپس چلے گئے اور مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر اس نیت سے قیام کیا کہ جیسے ہی اہل مدینہ منتشر ہوں گے، ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرلیں گے اور ایسا ہی ہوا جیسے ہی اہل مدینہ اپنے گھروں کو پہنچے، یکایک اطراف سے تکبیریں بلند ہوئیں اور محاصرہ کرکے یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو ہتھیار نہیں اٹھائے گا، مامون ہو گا۔ یہ محاصرہ چالیس دن طویل رہا جس میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گفت وشنید کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور باغیوں کے ہر سوال پر ان کو لاجواب بھی کیا، لیکن امت میں اختلاف و افترق کا بیج بونے والے دلیل وحجت کی زباں کب سمجھتے تھے، انہیں تو اپنے مذموم مقاصد سے غرض تھی اور بس۔ پھر ایک دن ایسا بھی آیا کہ باغی آپ رضی اللہ عنہ کے دروازے پر جمع ہوئے اور اسے آگ لگادی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو جب اپنی شہادت کا یقیں آگیا تو قرآن کریم اپنے سامنے رکھ لیا اور تلاوت میں مشغول ہوگئے۔ محمد بن ابی بکر نے آکر داڑھی پکڑی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرے باپ نے کبھی ایسی حرکت نہ کی تھی۔ اس پر وہ شرمندہ ہوا اور چلا گیا۔ اس کے بعد سیاہ موت نے آپ رضی اللہ عنہ کا گلا دباڈالا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بہت سمجھایا کہ لوگو! اس تلوار کو میان میں ہی رکھو، اگر یہ میان سے نکل آئی تو پھر واپس نہ جائے گی لیکن افسوس کہ پند ونصیحت اشرار پر کارگر نہ ہوئی۔ قتل کی کوششیں شروع ہوئیں تو دروازے پر حسن وحسین، ابن الزبیر وغیرہما رضی اللہ عنہم سینہ سپر ہوگئے۔ قتیرہ، سودان بن حمران اور غافقی بن حرب جیسے بزدل فسادی عقبی جانب سے داخل ہوئے۔ غافقی نے ہی آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر پر لوہے کا گرز مارا اور قرآن کریم کے نسخے پر لات ماری جو حکم خداوندی سے پھر آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے آگیا اور اس پر آپ رضی اللہ عنہ کا خون تا قیامت ثبت ہو گیا پھر سودان بن حمران نے تلوار کے وار سے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا۔ (۶۵)

خلاصہ بحث:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور اپنے پیش رو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح فارغ البالی کا دور تھا۔ چوبیس ہجری سے لے کر بتیس ہجری تک ہر طرف امن کا دور دورہ تھا۔ فتوحات کی اس قدر کثرت تھی کہ مدینہ کی سرحدیں ایک طرف عراق و ایران نیز افغانستان سے ہوتی ہوئی روس کی سرحدوں کو چھو رہی تھیں، تو دوسری طرف مسلمان قبرص کو فتح کر کے یورپ کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر رہے تھے۔ یہ صورتحال دشمنان اسلام کے لئے ناقابل برداشت تھی، لہذا انہوں نے اسلام سے اس کا بدلہ قتل عثمان کے ذریعے لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کو دبانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ کبھی عمال کو تبدیل کیا تو کبھی ان کی تحقیقات کروائیں۔ عوام الناس کے لئے کھلی کچہریاں تک لگوائیں۔ لگائے گئے ایک ایک الزام کا بیسیوں بار جواب دیا۔ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مناظروں کے ذریعے چاروں شانے ان کو چت کیا لیکن بلوئی و فساد آخر کب امن پر راضی ہوتا ہے، لہذا وہ ہو کر رہا، جس کا انتظار حاسدین اسلام کو بڑے عرصے سے تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے یہ امت دو طبقات میں تقسیم ہو گئی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے قول و عمل سے اس بات کو ثابت کر دکھایا کہ امن وہ شے ہے جو بے تحاشا قربانیوں کا مطالبہ کر کے انسان کو یوں ابتلاء و آزمائش میں ڈال دیتی ہے کہ آیا وہ اس کی خاطر اپنی جان بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟ پھر جو رجال اس چیلنج کو قبول کر کے اپنی جان بھی قربان کر ڈالیں تو ان کے خون کے قطرات تا قیام قیامت محفوظ ہو کر یہ درس دیتے ہیں کہ قیام امن کی خاطر خوں بھی دینا پڑے تو دے دیجیئے، سودا سستا ہے مہنگا نہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱) السیوطی عبد الرحمن بن اَبی بکر، جلال الدین تاریخ الخلفاء المحقق: حمدی الدمرداش، مکتبۃ نزار مصطفی الباز طبع الأولی: ۱۴۲۵-۲۰۰۴ ۱۱۱۸)

۲) ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل، البدایہ والنہایہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۸ء، ص، ۳/ ۳۱۳

۳) بخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، حدیث ۲۹۴۰، دار طوق النجاہ، ص: ۴/ ۴۵

۴) الذہبی، تاریخ ذہبی، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد، بیت الافکار الدولیہ، ریاض، ص: ۱/ ۳۷۲

۵) السیوطی، عبد الرحمن بن اَبی بکر، جلال الدین تاریخ الخلفاء، المحقق: احمدی الدمرداش، مکتبۃ نزار مصطفی الباز طبع الأولی: ۱۴۲۵ھ-۲۰۰۴ء، ص: ۱/ ۱۱۸

۶) الذہبی، شمس الدین اَبو عبد اللہ محمد بن اَحمد بن عثمان بن قَایْماز، (المتوفی: ۷۴۸ھ)، تاریخ الإسلام ووفیات المشاھیر والأعلام، المکتبہ التوفیقی، ص: ۳/ ۹۲

۷) السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۱/ ۱۱۹

۸) بخاری، صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان، حدیث، ۳۶۹۶، ص: ۵/ ۱۴

۹) الطبری، اَبو جعفر محمد بن جریر (المتوفی: ۳۱۰ھ)، تاریخ الطبری، دار التراث، الطبعۃ: الثانیۃ۔ بیروت، ص: ۲/ ۶۲۰۷ ابن سعد، طبقات، ص: ۱/ ۲۹۸

۱۰) الطبری، تاریخ الطبری، ص: ۲/ ۶۲۰۷ ابن سعد، طبقات، ص: ۱/ ۲۹۸، زرقانی ۲/ ۲۰۸

۱۱) الذہبی، تاریخ الإسلام ووفیات المشاھیر والأعلام، ص: ۲/ ۶۲۹ نیز دیکھئے عز الدین ابن الأثیر اَبو الحسن علی بن اَبی الکرم (المتوفی: ۶۳۰ھ) الکامل فی التاریخ، تحقیق: عمر عبد السلام تدمری دار الکتاب العربی، بیروت- لبنان الطبعۃ: الأولی، ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ ص: ۲/ ۱۴۷ الطبری، ص: ۳/ ۱۰۱ ابن سعد، طبقات، ص: ۱/ ۲۹۸، زرقانی، ص، ۳/ ۶۴

۱۲) الترمذی، محمد بن عیسٰی، تحقیق احمد شاکر، جامع الترمذی، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی۔ مصر الطبعۃ: الثانیۃ، ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵، حدیث، ۳۷۰۱، ص: ۵/ ۶۲۶، ابی عاصم، الاحاد والمثانی، ص: ۱/ ۴۷۵

۱۳) بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر، حدیث، ۴۰۳۴۔ قصۂ میراث حضرت فاطمہ کے عنوان سے دیکھئے: ابن بطال، أبو الحسن علی بن خلف، شرح صحیح البخاری، تحقیق: أبو تمیم یاسر بن ابراھیم، الطبعۃ الثانیۃ، ۲۰۰۳ مکتبۃ الرشد، الریاض، السعودیۃ، ۸ / ۳۴۳، العسقلانی، أبو الفضل أحمد بن علی بن حجر الشافعی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، باب قول النبی ﷺ لانورث ماترکنا صدقۃ، دار المعرفۃ۔ بیروت، ۱۳۷۹

۱۴) محمود احمد ظفر، عثمان غنی، تخلیقات پبلشرز، لاہور، ص:۱۵۶

۱۵) ایضاً

۱۶) الأصبھانی، أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت طبعۃ ۱۴۰۹ھ، ص، ۶ / ۳۸۸

۱۷) الشوریٰ:۲۰

۱۸) طبری، تاریخ طبری، ص:۴ / ۲۴۳

۱۹) الصبحی، محمد بن عبد اللہ بن عبد القادر فتن مقتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عمادۃ البحث العلمی بالجامعۃ الإسلامیۃ، المدینۃ المنورۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ الطبعۃ: الثانیۃ، ۲۰۰۳، طبری، تاریخ طبری، ص:۴ / ۲۴۵

۲۰) طبری، تاریخ طبری، ص:۴ / ۲۴۵

۲۱) طبری، تاریخ طبری، ص:۴ / ۲۴۶

۲۲) عز الدین ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ص:۲ / ۴۵۵

۲۳) طبری، تاریخ طبری، ص:۴ / ۲۵۰

۲۴) ابن کثیر، أبو الفداء اسماعیل بن عمر القرشی، المحقق: علی شیری، البدایۃ والنھایۃ، دار إحیاء التراث العربی، الطبعۃ: الأولی ۱۴۰۸، ص:۷ / ۱۶۸ نیز دیکھئے طبری، تاریخ طبری، ص:۴ / ۲۴۴، ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ص:۲ / ۴۵۳

۲۵) ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ص:۷ / ۱۷۰ نیز دیکھئے طبری، تاریخ طبری، ص:۴ / ۲۴۴-۲۵۲، ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ص:۲ / ۴۵۶

۲۶) ابن کثیر، البدایہ، ص:۷ / ۱۷۱

۲۷) محمود احمد ظفر، حضرت عثمان، ص:۲۲۵

۲۸) بلاذری، فتوح البلدان، ص:۱/۲۱۳

۲۹) طبری، تاریخ طبری، ۴/۲۵۶، بلاذری، فتوح البلدان، ص:۱/۲۲۰

۳۰) محمود احمد ظفر، حضرت عثمان، ص:۲۲۵

۳۱) عبداللہ ابن رواحہ اہل خیبر سے حصہ وصول کرنے جاتے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے بلاذری، فتوح البلدان، غزوہ خیبر کے واقعات، بیروت، ۱۹۷۸ء ص:۴۰

۳۲) محمود احمد ظفر، حضرت عثمان، ص:۲۲۶

۳۳) طبری، تاریخ طبری، ص:۴/340، ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص:۷/۱۶۸، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ص:۲/۵۲۶

۳۴) ایضاً

۳۵) ایضاً

۳۶) ایضاً

۳۷) طبری، تاریخ طبری، ص:۴/۳۴۱ نیز دیکھئے ابن کثیر، ص:۲/۵۲۶

۳۸) طبری، تاریخ طبری، ص:۴/۳۴۳ نیز دیکھئے ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص:۲/۵۲۶

۳۹) ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص:۲/۵۲۷

۴۰) الشوریٰ:۳۸

۴۱) ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص:۲/۵۲۷

۴۲) طبری، تاریخ طبری، ص:۴/۳۴۲ ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص:۲/۵۲۷

۴۳) طبری، تاریخ طبری، ص:۴/۳۴۲

۴۴) الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، بیت الافکار الدولیہ، ریاض، ص:۱/۳۹۲

۴۵) ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد البصری طبقات ابن سعد، مترجم، علامہ عبداللہ العمادی، دارالاشاعت، کراچی، /۳۳۱

۴۶) طبری، تاریخ طبری، ص:۴/۳۹

۴۷) ایضاً

۴۸) ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص: ۷/ ۳۲۶

۴۹) طبری، تاریخ طبری، ص:۴/ ۳۹

۵۰) ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص: ۷/ ۷۶

۵۱) البلاذری، انساب الاشراف، احمد بن یحیٰ بن جابر، دارالفکر، بیروت ،۱۹۹۶ء، ص:۱/ ۵۲۹، مزید دیکھئے منہاج السنتہ للامام لابن تیمیہ، ص: ۲/ ۱۴۵

۵۲) ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص: ۶/ ۳۴۵

۵۳) طبری، تاریخ طبری، ص:۴/ ۲۵۲

۵۴) ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص: ۷/ ۲

۵۵) ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر، ص: ۷/ ۲

۵۶) ایضا، ص:۷/ ۴

۵۷) ایضا، ص:۷/ ۵۴

۵۸) تاریخ طبری، ص:۴/ ۲۵۲

۵۹) ایضاً

۶۰) تاریخ طبری، ص:۴/ ۲۵۲

۶۱) تحفہ اثنا عشریہ، ص:۳۱۱، العواصم من القواصم، ص ۱۰۰، الصواعق المحرقہ، ص: ۶۸ بحوالہ خلافت وملوکیت کی شرعی حیثیت، مصنفہ حافظ صلاح الدین یوسف، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ص:۲۵۵

۶۲) محمد رواس، ڈاکٹر، فقہ حضرت عثمان، ظہران یونیورسٹی، مترجم الیف الدیب ترابی، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ص:۳۵

۶۳) الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، بیت الافکار الدولیہ، ریاض، ص:۱/ ۳۹۲

۶۴) طبری، تاریخ طبری، ص:۴/ ۳۴۰

۶۵) شہادت عثمان کے واقعات کے مطالعے کے لئے ملاحظہ ہوں، تاریخ طبری، ص:۴/ ۳۴۰، الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ص:۱/ ۳۹۲

* *

قیام امن اور مذہبی ہم آہنگی

The Role of Religious Harmony in the Establishment Peace

ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی*

ABSTRACT

The Internal dissensions within the ranks of the Muslim Ummah are very harmful and condemnable. Today, the Muslims of the world have fallen into the deep recesses of decline due to their mutual differences. The intrigues and conspiracies of the hostile nations have created schism and dissensions among the Muslims on the grounds of language, land, race and color. In our country (Pakistan), if we ponder on the growing rate of violence, we will find that the main causes of this chaos are our attitude towards our mutual differences. Because of intolerant approach towards our mutual differnces, our difficulties and problems are sizing up, and they have engulfed the whole nation, now. The only point on which our nation can be united is the "Kalimah". The followers of this "Kalimah" whether they are white or black, rich or poor, or whatever race they belong to, and whatever territory or country they come from, they are all considered as the member of the Muslim Ummah.

Keeping the prevailing situation of the Muslim Ummah, the author of this paper feelss that an appropriate answer to the question, 'are all sorts of differences condemnable?', is key to end most of our differences. In fact, all sorts of differences are not condemnable or forbidden; if differences of opinions are based on some logical grounds within the jurisdiction of the Qur'ān and Aḥādīth, they are permissible and justified as inevitable and natural. Such kind of approach can promote tolerance and unity among the Muslim Ummah and can put us at peace.

Keywords: *Peace; Religious Hormony; Muslim Ummah; Dissensions; Difference of Opinions*

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر وصدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

عذاب الٰہی کی متعدد قسمیں ہیں، ان میں سے ایک قسم کا عذاب امت کا آپس میں اختلاف ، پارٹی بندی، قتل و قتال اور باہمی جنگ و جدل بھی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ هُوَ ٱلْقَادِرُ عَلَىٰٓ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ ﴾ (۱)

(آپ کہہ دیجئے کہ اس پر بھی وہی (اللہ) قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے، یا تمہارے پاؤں تلے سے، یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو (آپس میں) بھڑا (یعنی لڑا) دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی (کے ذریعہ مزہ) چکھادے۔)

آیت مذکورہ میں عذاب الٰہی کی تین قسموں کا ذکر ہے، ایک جو اوپر سے آئے، مثلاً پتھروں کا برسنا، ہوا یا بارش کا طوفان، یا امراء وحکام کی طرف سے ظلم و ستم۔ دوسرے جو نیچے سے آئے، مثلاً زلزلہ یا غرق ہونا، یا مراد ہے ماتحتوں، غلاموں اور نوکروں، چاکروں کی طرف سے عذاب کہ وہ بد دیانت اور خائن ہو جائیں۔ تیسرے جو اپنے اندر سے پھوٹ پڑے، مثلاً قوم کا مختلف پارٹیوں میں بٹ کر آپس میں بھڑ جانا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے کہ امت مختلف فرقوں میں تقسیم ہو کر آپس میں لڑ پڑیں، اسی لیے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا:

«لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ» (۲)

(تم میرے بعد پھر کافروں جیسے نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«سَأَلْتُ رَبِّي ثَلَاثًا فَأَعْطَانِي ثِنْتَيْنِ , وَمَنَعَنِي وَاحِدَةً. سَأَلْتُ رَبِّي أَلَّا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِالسَّنَةِ فَأَعْطَانِيهَا, وَسَأَلْتُهُ أَلَّا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِالْغَرَقِ, فَأَعْطَانِيهَا, وَسَأَلْتُهُ أَلَّا يَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ, فَمَنَعَنِيهَا» (۳)

میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں :

۱۔ میری امت غرق کے ذریعے ہلاک نہ کی جائے۔

۲۔ قحط عام کے ذریعے اس کی تباہی نہ ہو۔

۳۔ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی دو دعائیں قبول فرمالیں اور تیسری دعا سے مجھے روک دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اس قسم کے عذاب تو نہ آئیں گے جیسے پچھلی امتوں پر آسمان یا زمین سے آئے، جس سے ان کی پوری قوم تباہ و برباد ہو گئی، لیکن ایک عذاب دنیا میں اس امت پر بھی آتا رہے گا، وہ عذاب آپس کی جنگ و جدل اور فرقوں اور پارٹیوں کا باہم تصادم ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے امت کو فرقوں اور پارٹیوں میں منقسم ہو کر باہمی آویزش اور جنگ و جدل سے منع کرنے میں انتہائی تاکید سے کام لیا ہے اور ہر موقع پر اس سے ڈرایا ہے کہ تم پر خدا تعالیٰ کا عذاب اس دنیا میں اگر آئے گا، تو آپس ہی کی جنگ و جدل کے ذریعہ آئے گا۔[۴]

سورہ ہود کی ایک آیت میں یہ مضمون اور بھی زیادہ وضاحت سے آیا ہے:

﴿ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝١١٨ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ﴾[۵]

(لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف ہی کرتے رہیں گے بجز ان لوگوں کے جن پر اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی۔)

ایک آیت میں ارشاد ہے:

﴿ وَٱعْتَصِمُوا۟ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۟ ﴾[۶]

(اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی (یعنی قرآن) سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔)

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ تَفَرَّقُوا۟ وَٱخْتَلَفُوا۟ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ ﴾[۷]

(اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے (دین میں) باہم تفریق کر لی اور باہم اختلاف کر لیا، ان کے پاس واضح احکام پہنچنے کے بعد۔)

مطلب یہ کہ یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو جنہوں نے خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام و اہوا کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق ہو گئے اور باہمی جنگ و جدال سے عذاب الٰہی

میں مبتلا ہو گئے اور چونکہ اس تفرق واختلاف نے پچھلی قوموں کو تباہ کر دیا، اس لیے ان سے عبرت حاصل کرو اور اپنے میں یہ مرض پیدا ہونے نہ دو۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمۡ وَكَانُواْ شِيَعٗا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِي شَيۡءٍ﴾[۸]

(جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقے ڈالے اور مختلف پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق اور کوئی واسطہ نہیں۔)

ان تمام آیات و روایات کا حاصل یہ ہے کہ اختلاف بڑی منحوس اور مذموم چیز ہے، آج دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے مسلمانوں کی پستی اور بربادی (اور خصوصاً وطن عزیز میں بڑھتے ہوئے تشدد) کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو اکثر مصائب کا سبب یہی اختلاف اور تشتت نظر آئے گا، ہماری بداعمالیوں کے نتیجہ میں یہ عذاب ہم پر مسلط ہو گیا کہ وہ قوم جس کا مرکز اتحاد ایک کلمہ "لا الٰہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" تھا، اس کلمہ کو ماننے والا زمین کے کسی خطہ میں ہو، کسی زبان کا بولنے والا ہو، کسی رنگ کا ہو، کسی نسل و نسب سے متعلق ہو، سب بھائی بھائی تھے، کوہ و دریا کی دشوار گزار منازل ان کی وحدت میں حائل نہ تھیں، نسب و خاندان، رنگ و زبان کا تفاوت ان کی راہ میں رکاوٹ نہ تھا، ان کی قومی وحدت صرف اس کلمہ سے وابستہ نہ تھی۔ عربی، مصری، شامی، ترکی، ہندی، چینی کی تقسیم صرف شناخت اور تعارف کے لیے تھیں اور کچھ نہیں، بقول اقبال مرحوم:

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی گھر اس کا نہ دلی نہ صفاہان نہ سمرقند

آج دوسری قوموں کی دسیسہ کاریوں اور مسلسل کوششوں نے پھر ان (مسلمانوں) کو نسلی اور لسانی اور وطنی قومیتوں (اور مذہبی فرقوں) میں بانٹ دیا اور پھر ان میں سے ہر ایک قوم و جماعت اپنے اندر بھی تشتت اور انتشار کا شکار ہو کر مختلف پارٹیوں میں بٹ گئی، وہ قوم جس کا شعار غیروں سے بھی عفو و درگذر اور ایثار تھا اور جھگڑے سے بچنے کے لئے اپنے بڑے سے بڑے حق کو چھوڑ دیتی تھی، آج اس کے بہت سے افراد ذرا ذرا سی حقیر و ذلیل خواہشات کے پیچھے بڑے سے بڑے تعلق کو قربان کر دیتے ہیں، یہی وجہ اغراض و اہواء کا اختلاف ہے جو قوم و ملت کے لئے منحوس اور اس دنیا میں نقد عذاب ہے۔[۹]

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا امت کے اندر ہر اختلاف مذموم ہے، یا کوئی اختلاف غیر مذموم بھی ہے، جواب یہ ہے کہ ہر اختلاف مذموم نہیں ہے، بلکہ مذموم وہ اختلاف ہے کہ جس میں اپنی اہواء اور خواہشات کی بناپر قرآن سے دوررہ کر سوچاجائے، لیکن اگر قرآن پر مجتمع رہتے ہوئے اور حضور کی تشریح وتفصیل کو قبول کرتے ہوئے اپنی فطری استعداد اور دماغی صلاحیتوں کی بناء پر فروع میں اختلاف کیاجائے تو یہ اختلاف فطری ہے، اوراسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ صحابہ وتابعین اورائمہ فقہاء کا اختلاف اسی قسم کا اختلاف تھا، ہاں اگر انہی فروعی بحثوں کو اصل دین قراردیاجائے اوران میں اختلاف کو جنگ وجدل اور سبّ وشتم کا ذریعہ بنالیاجائے، تو یہ بھی مذموم ہے۔(۱۰)

بہر حال اسلام میں اختلاف رائے کی گنجائش رکھی گئی ہے، اسلامی عقائد مثلاً توحید، رسالت، آخرت، جزا وسزا یا ایسے احکام جن کے بارے میں قرآن وسنت میں واضح حکم موجود ہو، اختلاف سے پاک اور بالاتر ہیں، البتہ فقہاء صحابہ وائمہ مجتہدین نے ان فروعی مسائل میں اختلاف کیاہے، جن میں واضح اور صریح نص موجود نہ ہواوراس کی تعبیر اور تشریح مختلف طریقوں سے اور کئی صورتوں میں ممکن ہو، اس طرح ہر مجتہد اپنی اپنی فہم اور صوابدید کے مطابق بنیادی اسلامی اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کرکے رائے قائم کرتا ہے جو کبھی دوسروں کی آراء سے ہم آہنگی ہوتی ہے اور سب آراء متفق ہوکر اجماع امت کی صورت اختیار کرلیتی ہیں اور کبھی فروعی اختلاف رائے پیدا ہوجاتا ہے۔ اس اختلاف کا مقصد تفرقہ پیدا کرنا یا امت کو جھگڑوں میں مبتلا کرنا نہیں ہوتا، بلکہ ہر مجتہد کا ہدف حق تک پہنچنا ہوتا ہے، پھر تمام مجتہدین تلاش حق کے اس سلسلے میں یکساں طور پر ذرائع اور مصادر شرعیہ ہی کو استعمال کرتے ہیں۔

اختلاف رائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی موجود تھا، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں رکوع اداکرتے ہوئے رفع الیدین پر عمل پیرا تھے، مگر دوسری طرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے قائل نہیں تھے(۱۱)۔ مگر کبھی ایک فریق نے دوسرے کو تشنیع نہیں کی اور نہ ہی یہ کہا کہ حق صرف ہمارے پاس ہے، باقی آراء باطل ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کبھی یہ نہیں کہا کہ خبردار عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بات نہ سنو اور نہ مانو، کیونکہ وہ تو رفع الیدین کرتا ہے، یا قرأت خلف الامام کا قائل ہے، بلکہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شیوہ یہی تھا کہ سب ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے تھے۔

اس سلسلے میں اس مشہور روایت سے بھی اس مسئلے پر خوب روشنی پڑتی ہے کہ غزوہ احزاب سے واپسی کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا۔

«علیکم أن لا تُصَلُّوا صلاةَ العصرِ حتَّى تأتوا بَنِي قُرَيظةَ »[۱۲]

بنو قریظہ کی طرف جاؤ اور عصر کی نماز وہاں جا کر ادا کرو۔

چنانچہ راستے میں جب عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی فرمان کی یہ توجیہہ کی کہ ان کی مراد یہ تھی کہ تیزی سے وہاں پہنچنے کی کوشش کرو اور راستے میں کہیں نہ رکنا، اب تو نماز کا وقت ہو چکا ہے، نماز راستے میں پڑھ کر فوراً چل دیتے ہیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا، مگر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصرار تھا کہ حضور ﷺ کا قول واضح ہے کہ نماز راستے میں نہ پڑھنا، بلکہ وہی جا کر پڑھنا، چنانچہ انہوں نے بنی قریظہ کے ہاں پہنچ کر نماز پڑھی، واپس آ کر حضور ﷺ نے دونوں کی باتیں سنیں اور کسی کی تردید نہیں کی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن میں روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے آزاد کردہ غلام کریب رضی اللہ عنہ نے آ کر یہ شکایت کی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تین کے بجائے ایک وتر پڑھتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ٹھیک ہی کرتے ہوں گے، کیونکہ وہ ہم سے بڑھ کر عالم ہیں[۱۳]۔ یاد رہے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے، جبکہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برسر پیکار تھے۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا، صبر نہ ہو سکا اس شخص کو قتل کر دیا، یا اپنی بیوی کو قتل کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پہنچا، ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا، کہ کیا فیصلہ فرمادیں، اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں مسئلہ کی تحقیق کر کے لکھیں۔[۱۴]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ ائمہ فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان بھی ہر دور میں اختلاف پائے گئے ہیں، کیونکہ وہ لوگ مرور زمانہ کے ساتھ پیدا ہونے والے مسائل کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے اجتہاد کیا کرتے تھے اور اجتہاد میں اختلاف کا وقوع پذیر ہونا ناگزیر ہے، لیکن ان اختلافات کے باوجود دینی

معاملات اور شرعی احکام کے سلسلے میں وہ لوگ نہایت احتیاط برتتے تھے اور ایک دوسرے کا بے انتہا ادب واحترام کرتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو خود ایک فقہی مسلک کے بانی تھے، مگر جب ان سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی استعداد علمی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے قریب ہی واقع ایک ستون کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

"وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تجھ سے اس ستون کے سونا ثابت کرنے کے دلائل پیش کریں، تو وہ ضرور اپنی حجت میں کامیاب رہیں۔" (۱۵)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

"من أراد أن يعرف الفقه فليلزم أبا حنيفة وأصحابه ، فإن الناس كلهم عيال عليه في الفقه"(۱۶)

"جو شخص فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب کے نقش قدم پر چلے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام صاحب کے خوشہ چین ہیں۔"

بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت اور بزرگی کا احترام کرتے ہوئے اپنے مسلک پر اصرار نہ کیا اور جب ان کی قبر کے قریب مسجد میں صبح کی نماز پڑھی تو اپنے مسلک کے برخلاف دعائے قنوت نہ پڑھی، پیروکاروں کے استفسار پر فرمایا:

"تَأَدُّبًا مَعَ صَاحِبِ هَذَا الْقَبْرِ"(۱۷)

"اس صاحب قبر (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے (دعائے قنوت نہ پڑھی۔"

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو کہ صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زہد و تقویٰ اور علم میں اس جگہ ہیں کہ کوئی اس مقام کو نہیں پہنچ سکا"(۱۸)

ان روایات پر غور کرنے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ہمارے سلف صالحین میں اختلاف رائے کے باوجود کس قدر رواداری پائی جاتی تھی اور باہمی احترام اور عزت نفس کو کس قدر ملحوظ رکھتے تھے، انہوں نے اختلاف رائے کو کبھی بھی اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور کبھی یہ نہ کہا کہ صرف میری ہی

بات حق ہے اور دوسروں کی باطل ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ معمولی معمولی استحبابی امور پر لڑتے ہوئے امت میں افتراق اور شقاق پیدا کرنا نہایت خطرناک اور دین دشمنی سمجھتے تھے اور اس سے سختی سے پرہیز کرتے تھے۔(۱۹)

اسی طرح دور حاضر یا ماضی قریب سے بھی ایسی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کے باوجود ہمارے اسلاف ایک دوسرے کے ساتھ مروت اور رواداری کا سلوک روا رکھتے تھے اور ان کے اجتہادی اختلافات کبھی آپس کے تعلقات اور اخلاق پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے، مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند ایک مرتبہ دہلی میں کسی ضرورت کی بناء پر قیام پذیر تھے اور ان کے ساتھ ان کے بعض نامور شاگرد مثلاً احمد حسن، مولانا محمود حسن اور امیر شاہ خان وغیرہ بھی مقیم تھے، ایک دن مولانا احمد حسن صاحب نے ساتھیوں کے سامنے تجویز پیش کی کہ لال کنویں کی مسجد کے امام صاحب کی قرأت بہت اچھی ہے، کل صبح کی نماز اس مسجد میں پڑھی جائے، مولانا محمد قاسم کے ایک شاگرد یہ سن کر سخت غصے میں آگئے اور مولانا احمد حسن کو ڈانٹتے ہوئے فرمانے لگے کہ کیا ہم اس شخص کے پیچھے نماز پڑھیں گے جو ہمارے حضرت (محمد قاسم نانوتوی) کی تکفیر کرتا ہے؟

یہ گفتگو کسی ذریعہ سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب تک جا پہنچی، وہ دوسرے دن سب شاگردوں کو لے کر لال کنویں کی مسجد میں پہنچ گئے اور انہی امام صاحب کی اقتدا میں نماز فجر ادا کی، امام صاحب نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ نمازیوں میں کچھ اجنبی چہرے نظر آرہے ہیں جو شکل وشباہت اور وضع و قطع سے علماء لگتے ہیں، معلوم کیا تو پتہ چلا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اپنے شاگردوں سمیت نماز باجماعت میں شریک ہوئے ہیں، امام صاحب نہایت شرمندہ ہوئے اور لپک کر مولانا محمد قاسم نانوتوی سے مصافحہ کیا اور اپنے سابقہ رویے پر معافی چاہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی نے فرمایا: کوئی بات نہیں، میرے دل میں آپ کے اس فعل کی قدر ہے کہ آپ نے مجھے توہین رسالت کا مرتکب سمجھ کر میری تکفیر کی ہے، یہ آپ ﷺ کی غیرت ایمانی کا تقاضا تھا، گلہ صرف اتنا ہے کہ جو چیز آپ تک پہنچی تھی، آپ نے اسے بغیر تحقیق کئے قبل کر لیا، آپ کو پہلے تحقیق کر لینی چاہئے تھی۔

بعض حضرات کی روایت کے مطابق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نے مولانا تھانوی کا ایک دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب مولانا اشرف علی تھانوی کو حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی وفات کی

خبر پہنچی تو انہوں نے بے ساختہ ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی، کسی نے عرض کیا کہ حضرت مولانا احمد رضا خان تو آپ کو کافر کہتے تھے، آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں؟ فرمایا: حضرت مولانا مجھے اس لیے کافر کہتے تھے کہ میں ان کے نزدیک گستاخ رسول تھا، اگر وہ یہ سمجھنے کے بعد بھی مجھے کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے۔ (۲۰)

اختلاف رائے جو اپنی حدود کے اندر ہو، یعنی قرآن وسنت کے قطعی اور اعتقادی مسائل اور قطعی احکام میں نہ ہو، صرف فروعی مسائل اجتہادیہ میں ہو، جن میں قرآن وسنت کی نصوص ساکت یا مبہم ہیں اور وہ بھی جنگ وجدل اور لعن وطعن کی حد تک نہ پہنچے، تو وہ بجائے مضر ہونے کے مفید اور ایک نعمت ورحمت ہے۔

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت اس لیے اختیار فرمائی گئی کہ اس امت کے علماء حق اور فقہاء متقین میں جو اختلاف ہو گا وہ ہمیشہ اصول قرآن وسنت کے ماتحت ہو گا اور صدق نیت اور للّٰہیت سے ہو گا، کوئی نفسانی غرض، جاہ ومال کی ان کے اختلاف کی محرک نہ ہو گی، اس لیے وہ کسی جنگ وجدل کا سبب بھی نہ بنے گا۔

علامہ عبد الرؤف مناوی نے مذکورہ بالا حدیث کی بسیط شرح لکھی ہے، اس کی تحقیق کے مطابق فقہائے امت کے مختلف مسالک کا وہ درجہ ہو گا جو زمانہ سابق میں انبیاء علیہم السلام کی مختلف شرائع کا تھا کہ مختلف ہونے کے باوجود سب کی سب اللہ ہی کے احکام تھے، اسی طرح مجتہدین امت کے مختلف مسالک اصول قرآن وسنت کے ماتحت ہونے کی وجہ سے سب کے سب احکام خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کہلائیں گے۔ (۲۱)

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

> یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی کا مسلک باطل نہیں اور جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں، ان کو دوسروں کے نزدیک گنہگار کہنا جائز نہیں، ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت کے مذاہب کے اختلاف کا حاصل اس سے زیادہ نہیں کہ ایک مجتہد نے جو مسلک اختیار کیا ہے، وہ اس کے نزدیک راجح ہے، مگر اس کے مقابل دوسرے مجتہد کے مسلک کو بھی وہ باطل نہیں کہتے، بلکہ ایک دوسرے کا پورا احترام کرتے ہیں۔ فقہاء صحابہ وتابعین اور ائمہ اربعہ کے بے شمار حالات وواقعات اس پر شاہد ہیں کہ فقہی مسلک بہت سے مسائل میں مختلف ہونے اور علمی بحثیں جاری

رہنے کے باوجود ایک دوسرے کا مکمل اعتقادواحترام کرتے تھے ،جنگ وجدل اور خصومت وعداوت کاوہاں کوئی احتمال ہی نہ تھا، مذاہب فقہاء کے متبعین اور مقلدین میں بھی جہاں تک صحیح علم ودیانت رہے ان کے بھی باہمی معاملات ایسے ہی رہے۔

یہ اختلاف ہے جو رحمت ہی رحمت اور لوگوں کے لیے وسعت وسہولت کا ذریعہ اور بہت سے مفید نتائج کا حامل ہے اور حقیقت یہی ہے کہ فروعی مسائل میں میں راویوں کا اختلاف جہاں تک اپنی حد کے اندر رہے وہ کوئی مضر چیز نہیں ،بلکہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو کھولنے اور صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں معین ہے اور جہاں دیانت دار عقلاء جمع ہوں گے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی مسئلہ میں ان کا اختلاف نہ ہو، ایسا قانون تو یا بے عقلوں میں ہو سکتا ہے جن کو کوئی سمجھ بوجھ نہ ہو، یا بے دینوں میں ہو سکتا ہے جو کسی پارٹی وغیرہ کی رعایت سے خلاف ضمیر رائے میں اتفاق کا اظہار کریں۔(۲۲)

مفتی مرحوم مزید لکھتے ہیں:

"بہت سے لوگ جو اس حقیقت سے واقف نہیں وہ مذاہب فقہاء اور علماء حق کے فتوؤں میں بھی اختلاف کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ علماء میں اختلاف ہے تو ہم کدھر جائیں، حالانکہ بات بالکل صاف ہے کہ جس طرح کسی بیمار کے معاملہ میں ڈاکٹروں ،طبیبوں کا اختلاف رائے ہوتا ہے تو ہر شخص یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ان میں سے فنی اعتبار سے زیادہ ماہر اور تجربہ کار کون ہے ،بس اس سے علاج کرتے ہیں، دوسرے ڈاکٹروں کو برا نہیں کہتے ،مقدمہ کے وکیلوں میں اختلاف ہو جاتا ہے، تو جس وکیل کو زیادہ قابل اور تجربہ کار جانتے ہیں، اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں، دوسروں کی بدگوئی کرتے نہیں پھرتے ،یہی اصول یہاں ہونا چاہیے جب کسی مسئلہ میں علماء کے فتوے مختلف ہو جائیں تو مقدور بھر تحقیق کرنے کے بعد جس عالم کو علم اور تقویٰ میں دوسروں سے زیادہ اور افضل سمجھیں اس کا اتباع کریں اور دوسرے علماء کو برا بھلا کہتے نہ پھریں"۔(۲۳)

جیسا کہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" صحیح مذہب یہ ہے کہ اس (سائل) پر لازم ہے کہ جہاں تک اس سے ہو سکے تحقیق کر کے بڑے سے بڑے عالم اور پورے دیانت دار شخص سے مسئلہ پوچھے، اللہ نے طاقت پر تقویٰ کا حکم دیا ہے اور اتنا اس کی طاقت میں ہے "(۲۴)

بہر حال خرابی اختلاف رائے میں نہیں اور نہ کسی ایک رائے پر عمل کرنے میں ہے، بلکہ ساری خرابیاں دوسروں کے متعلق بد گمانی اور بد زبانی سے پیش آتی ہیں جو علم و دیانت کی کمی اور اغراض واہواء کی زیادتی کا نتیجہ ہوتا ہے اور جب کسی قوم یا جماعت میں یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے تو ان کے لیے یہ اختلاف رحمت بھی اختلاف عذاب کی صورت میں منتقل ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کی پارٹیاں بن کر ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدل اور بعض اوقات قتل و قتال تک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف لعن و طعن اور دل آزار کلمات کو تو مذہب کی حمایت سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ مذہب کا اس غلو اور زیادتی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔(۲۵)

سید مناظر احسن گیلانی چوتھی صدی ہجری کے ایک بڑے عالم بیدار مغز سیاح علامہ مقدسی کی کتاب کے حوالے سے ایک واقعہ لکھتے ہیں:

کوفہ کے ایک پرانے بزرگ عمرو بن مرہ کے پاس ایک شخص حاضر ہو کر کہنے لگا کہ جناب والا! میرا عجب حال ہے، اب تک مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں شریک ہو کر الگ ہوتا رہتا ہوں، ہر فریق اپنی تائید میں قرآن ہی سناتا ہے، میں تو ان مذہبی جھگڑوں سے تنگ آ گیا ہوں، بتایئے کہ آخر میں کیا کروں؟ عمرو بن مرۃ نے کہا کہ اے شخص سن تو نے مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کا ذکر کیا، میں پوچھتا ہوں تو جواب دیتا جا، محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور جو کچھ اللہ کے پاس سے لائے سب سچ ہے، کیا مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہے؟ جواب دیا گیا: نہیں۔ قرآن خدا کی کتاب ہے، کیا مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں۔ پانچ وقتوں کی نمازیں فرض ہیں، کیا مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہے، نہیں۔ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے، کیا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں۔ کیا رمضان کے مہینے میں روزے فرض ہیں، اس میں اختلاف ہے؟ نہیں۔ بیت اللہ کا حج مسلمانوں پر فرض ہے، کیا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں۔ زکوٰۃ فرض ہے، اس میں اختلاف ہے؟ نہیں۔ جنابت (ناپاکی) سے پاک ہونے کے لیے غسل

فرض ہے کیا اس میں اختلاف ہے ؟ نہیں۔ الغرض ابن مرۃ مسلسل یوں ہی سوال کرتے جاتے تھے اور جواب میں پوچھنے والا بے چارہ نہیں نہیں کہتا رہا، تب عمرو بن مرۃ نے کہا کہ "دیکھو بھائی مسلمان کا جن مسائل پر اتفاق ہے محکمات بھی ان ہی کو کہتے ہیں، ان کو پکڑ لو اور اختلافی مسائل میں زیادہ غور وخوض کی ضرورت نہیں، ان کی نوعیت تشابہات کی ہے اور آخیر میں وصیت کی: "اہل کتاب کے بعد دین مسلمانوں کے سپرد کیا گیا، ہمارے پہلوں نے یعنی صحابہ نے دین کو جس شکل میں مانا اور برتا، بس ان ہی کا طریق کار اور ان ہی کا شیوہ اختیار کر کے مطمئن ہو جانا چاہیے"

المقدسی نے ابن مرۃ کے اس بیان کو نقل کر کے ایک قاضی صاحب کو ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جن جن لوگوں سے میں اب تک ملا ہوں، ان میں سب سے زیادہ اثر پذیر ان ہی سے ہوا، ان کی مجلس میں فروعی اور فقہی اختلافات کا ذکر چھڑا تو میں نے دیکھا کہ قبلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہی فرما رہے ہیں:"من صلی هذه القبلة فهم إِخْوَاننا الْمُسلمون"(اس قبلہ کی طرف رخ کر کے جو نماز پڑھتے ہیں وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں)۔ آخر میں المقدسی نے اپنے احساسات کو درج کر کے درج ذیل فقرے پر اختلافات کی اس بحث کو ختم کر دیا ہے ،یعنی:"یہ تنگ نظریاں جنہیں تم دیکھتے ہو دراصل یہ شورش جاہلوں کی پھیلائی ہوئی ہے اور قصہ گو واعظوں کی بے اعتدالیوں کے یہ نتائج ہیں، امت اسلامی کو ان سے کوئی تعلق نہیں" (۲۶)

مفتی محمد شفیع مرحوم نے مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنے اور آپس کے اختلاف کو ختم کرنے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کیا ہے:

"آج مذہب کے نام پر جو جنگ وجدال کا بازار گرم ہے ،اس کے دور کن ہیں ،ایک ہر فرقہ اور جماعت کے علماء، دوسرے وہ عوام جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں:

علماء اگر اپنی تحقیق وتنقید میں قرآنی اصول دعوت کے مطابق دوسرے کی تنقیص وتوہین سے پرہیز کرنے لگیں اور اسلام کے وہ بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کو اختلاف نہیں اور اسلام اور مسلمانوں پر جو مصائب آج آرہے ہیں، وہ سب انہیں مسائل سے متعلق ہیں ،اپنی کوششوں اور محنتوں کا رخ اس طرف پھیر دیں ،اسی طرح عوام اپنی مقدور بھر پوری کوشش کر کے کسی صحیح عالم کا انتخاب کریں اور پھر اس کے بتائے ہوئے طریقے

پر چلتے رہیں، دوسرے علماء یا ان کے ماننے والوں سے لڑتے نہ پھریں، تو بتایئے کہ ان میں اشکال کیا ہے؟ سارے فرقے اور ان کے اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ وجدل ختم ہو سکتا ہے، جس نے آج مسلمانوں کو کسی کام کا نہیں چھوڑا، صرف ذرا سی توجہ دینے اور دلانے اور طرز عمل بدلنے کی ضرورت ہے، کاش میری یہ آواز ان بزرگوں اور دوستوں تک پہنچے جو اس راہ میں کچھ کام کر سکتے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر اس ہمدردانہ دعوت کے لیے کھڑے ہو جائیں تو امت کی بہت سی مشکلات حل ہو جائیں اور ہمارا پورا معاشرہ جن مہلک خرابیوں کی غار میں جا چکا ہے، ان سے نجات مل جائے"۔ (۲۷)

ترک کے مشہور مذہبی دانشور محمد فتح اللہ گولن لکھتے ہیں:

"یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ذوق اور مشرب کے لوگ پیدا فرمائے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ انسانی فطرت کو تبدیل کرنے اور مختلف ندیوں کے پانی کو ایک ہی ندی میں جمع کرنے کی کوشش غلطی اور خام خیالی ہے، ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے قرآن وایمان کے انوارات کو پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنی توانائیوں کو دوسروں کے ساتھ جھگڑنے میں خرچ نہیں کرنا چاہیے، اگر ہم کسی سے اتفاق نہ کر سکیں تو کم از کم ہمیں اختلاف کی آگ بھڑکانے سے تو گریز کرنا چاہیے، ہمیں نہ صرف مسلمانوں کے ساتھ جھگڑنے، سن پر تنقید کرنے اور ان کی عیب جوئی سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہیے، بلکہ ہمیں ہر اچھا کام کرنے والے کی تحسین کرنے اور ہر کلمہ گو سے تعاون کرنے کی تربیت حاصل کرنی چاہیے، اگر ہم یہ اقدامات اٹھانے میں کامیاب ہو جائیں تو ہم اذن خداوندی سے مسلمانوں میں اتفاق واتحاد اور تعاون باہمی کی فضا قائم کرنے کی امید رکھ سکتے ہیں"۔ (۲۸)

مصادر و مراجع

۱) سورۃ الانعام: ٦٥

۲) صحیح بخاری، کتاب الفتن ، باب قول النبي ﷺ لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض، رقم الحدیث ٦٦٦٥:، دار الریان للتراث،

۳) صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، بَاب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، رقم الحدیث:۲۸۹۰

۴) مفتی محمد شفیع، تفسیر معارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۷۹ء، ص:۳/ ۳٦۲

۵) سورۃ ھود: ۱۱۸-۱۱۹

٦) سورۃ آل عمران: ۱۰۳

۷) سورۃ آل عمران: ۱۰۵

۸) سورۃ الانعام: ۱۵۹

۹) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ص:۳ /۳٦۳

۱۰) ایضاً، ص: ۲ /۳۳-۱۳۴

۱۱) سنن ترمذی، ابواب الصلوٰۃ ،باب رفع اليدين عندالركوع

۱۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی ،باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجه الى بنى قريظة، رقم الحدیث:۳۸۹۳

۱۳) البیہقی ، أحمد بن الحسين بن على، السنن الكبرىٰ، کتاب الصلوٰۃ ،باب الوتر بركعة واحدة، دار الكتب العلمیہ، ص:۳/ ۲٦

۱۴) امام مالک، مؤطا امام مالک، کتاب الاقضية، باب القضاء فيمن وجد مع امرأ ته رجلاً، رقم الحدیث:۱۴۴٦، مكتبة الثقافة الدينية : ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳م

۱۵) محمد سرفراز احمد خان، مقام ابی حنیفہ، گوجرانوالہ، مکتبہ صفدریہ، ۱۹۹۲ء، ص: ۷۱

۱٦) ایضاً، ص:۷۴

۱۷) ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، مصر، دار الكتب العربية الكبرىٰ، ص:۱/ ۴۱

۱۸) مفتی عزیز الرحمن، امام ابو حنیفہ، لاہور، مکتبہ دینیات، ۱۹۷۹ء، ص: ۱۲۸

۱۹) مولانا فضل ربی، مسلکی اختلافات حقیقت اور حل، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، ۱۹۹۸ء ص: ۱۲

۲۰) ایضاً، ص: ۱۵

۲۱) المناوی، محمد عبدالرؤف، فیض القدیر شرح جامع الصغیر، بیروت، دارالفکر، ۱۹۷۲ء، ص:۱/۲۰۹-۲۱۰

۲۲) مفتی شفیع، تفسیر معارف القرآن، ادارہ اسلامیات لاہور، ص:۳/۳۶۴

۲۳) ایضاً، ص:۳/۳۶۵

۲۴) ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابی بکر الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العلمین (اردو ترجمہ)، مکتبہ قدسیہ، ص:۲/۵۰۹

۲۵) تفسیر معارف القرآن، ص:۳/۳۶۶

۲۶) سید مناظر احسن گیلانی، مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۷۶ء، ص:۱۲۶-۱۲۷

۲۷) مفتی محمد شفیع، وحدت امت، لاہور، انجمن خدام القرآن، ۱۹۸۵ء، ص:۴۹-۵۰

۲۸) محمد فتح اللہ گولن، اسلام اور دور حاضر (اردو ترجمہ) اسلام آباد، ہارمنی پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۹۹

****

قیامِ امن میں مراکزِ علم کا کردار (تعلیمات نبوی کی روشنی میں)

The Role of the Educational Institutions in the Establishment of Peace (In the Light of the Prophetic Teachings)

محبوب الرحمن شاہ*

ABSTRACT

One of the most important and fundamental elements of a civilized society is the presence of peace. In the absence of peace nothing can prosper and advance. In this age of science and technology, terrorist activities can become a cause of isolation from the rest of the world. That is why, every country gives extra attention to its peace and security. Many countries allocate huge sums of budget for this purpose. However, it is not only the responsibility of a government to establish peace, but, also of other institutions, especially, the educational institutions to play their role in this regard.

In this article, the role of educational institutions for the promotion of peace has been discussed. Every person of society spends some time in these institutions. These institutions can teach and train their students to develop a peaceful conduct and tolerate the different behaviors and views. But there are some problems and difficulties for educational institutions to play their required role for peace. In the perspective of our country, we can say that if we solve these problems, our country can become more peaceful, will make progress by leaps and bounds and can become one of advanced countries of the world.

Keywords: *Peace; Educational Institutions; Progress; Character; Problems and Difficulties*

* پرنسپل گورنمنٹ ماڈل دینی مدرسہ اینڈ کالج نیو حاجی کیمپ، سکھر

اسلامی تہذیب امن و امان کی زبردست حامی ہے۔ عقیدہ توحید نفرت اور دشمنی کو ختم کرتا ہے اور ہر قسم کے تعصبات کو مٹاتا ہے۔ یہ انسانی عظمت، مساوات، اتحاد، اخوت، مذہبی رواداری اور آزادی کو برقرار رکھتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے مسلمان کی تعریف یوں فرمائی ہے:

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ)) [1]

مسلمان وہ ہے، جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے اہل خانہ [2] کو مکہ میں لاکر بسایا تو اللہ تعالیٰ سے سب سے پہلے امن و امان ہی کی دعاء مانگی تھی اور فرمایا:

﴿رَبِّ ٱجْعَلْ هَٰذَا ٱلْبَلَدَ ءَامِنًا وَٱجْنُبْنِى وَبَنِىَّ أَن نَّعْبُدَ ٱلْأَصْنَامَ﴾ [3]

(اے میرے رب اس بستی (مکہ) کو امن کا گہوارہ بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھنا۔)

گویا اسلام اپنے ماننے والوں کو ایک مثالی معاشرہ کے قیام کے لیے ہر سطح پر امن وامان کے فروغ کی تعلیم دیتا ہے تاکہ معاشرے سے بدامنی کا خاتمہ ہو، امن وامان کا دور دورہ ہو اور تمام افراد کی جان و مال اور آبرو کو تحفظ ملے، اس کے لیے معاشرے کے تمام اداروں پر اہم ترین اجتماعی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جس میں سے کسی ایک بھی ادارے کی کوتاہی پورے معاشرے اور ملک کو بدامنی، خون خرابہ، فتنہ وفساد اور قتل وغارت گری میں دھکیلنے کا موجب بن سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں تعلیمی ادارے انتہائی اہم اور بنیادی کردار ادا کرسکتے ہیں کیونکہ اس وقت وطن عزیز میں تقریباً دو لاکھ تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں، [4] جن میں تقریباً پچیس ہزار دینی مدارس شامل ہیں [5]۔ ان تمام تعلیمی اداروں میں تقریباً ساڑھے چار لاکھ اساتذہ پونے دو کروڑ طلبہ اور طالبات کو تعلیم فراہم کر رہے ہیں، جن میں ہر سال بتدریج اضافہ ہوتا جارہا ہے، یہ ایک بہت بڑی قوت ہے جو یقینا معاشرے کا دھارا اور رخ تبدیل کرسکتی ہے مگر اس کے لیے اس عظیم قوت کو مؤثر تربیت کی اشد ضرورت ہے۔ یہ تبدیلی اس کی تعلیم وتربیت سے ہی ہوسکتی ہے جو ایک تعلیمی ادارے کا اولین فرض منصبی ہے۔ اور پھر اس میں آسانی یہ ہے کہ طالب علم یہاں خود سیکھنے کے لیے چل کر اور متلاشی بن کر آتا ہے، اسے کسی

دوسرے آدمی خصوصا اساتذہ کی ہدایات پر عمل کرنے سے کسی قسم کا حجاب نہیں ہوتا، بلکہ اس کے اساتذہ کا جتنا کردار اس طالب علم کے لیے باعث کشش ہوگا اسے اپنا آئیڈیل بنالے گا اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے گا۔

اگر جملہ تعلیمی ادارے اپنے زیر تعلیم وتربیت نوجوان نسل کی مؤثر انداز سے راہنمائی کریں اور ان کی کردار سازی کریں تو وہ وقت دور نہیں جب ہمارے معاشرے سے بد امنی، فرقہ واریت، ظلم وستم اور حقوق کی پامالی کا خاتمہ ممکن ہو جائے گا اور ہر طرف امن وسکون چین وعافیت کا دور دورہ ہوگا۔ اس سلسلے میں تعلیمی ادارے اپنے زیر تعلیم طلباء میں درج ذیل خوبیاں اور اوصاف پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں جس سے نہ صرف معاشرے میں امن وسلامتی کا دور دورہ ممکن ہو گا بلکہ ہمارا مادر وطن انتہائی تیز رفتاری سے ترقی اور عروج کی طرف رواں دواں ہو جائے گا

طلباء کا مطلوبہ کردار

۱) احساس ذمہ داری: ایک سچے مسلمان تعلیم یافتہ اور ذمہ دار آدمی کی پہلی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے ذمہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کو اولین فرض سمجھے اور اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے تاکہ دنیا میں امن وسکون کے حصول کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی نجات اور کامیابی حاصل کرے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ قَالَ وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي مَالِ أَبِيهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))

"تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، آدمی اپنے اہل وعیال پر نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے، اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، خادم اپنے آقا کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی، ابن شہاب فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ شاید یہ آپ ﷺ نے یہ بھی کہا

کہ مرد اپنے باپ کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا اور تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہو گی"[۶]۔

ایک دوسری حدیث میں فرمان نبوی ہے:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ)) [۷]

"جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کی آبرو ریزی یا اور کوئی ظلم کیا ہو وہ اس سے دنیا میں ہی معافی مانگ لے قیامت کے دن سونا چاندی نہیں ہو گا اگر اس کے نیک اعمال ہوئے تو اس کی زیادتی کے برابر نیکیاں دینی پڑیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوئیں تو حقدار کے گناہ کا بوجھ اٹھانا پڑے گا"

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ))[۸]

"ایک بار حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ مفلس کون ہے؟ تو صحابہ کرام نے کہا ہم مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس سونا چاندی نہ ہو۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا (حقیقی) مفلس وہ آدمی ہے جو قیامت کے دن نماز روزہ اور زکوۃ کے (بڑی مقدار میں) اعمال لائے گا لیکن اس نے (دنیا میں) کسی کو گالی دی ہو گی کسی پر بہتان لگایا ہو گا کسی کا مال کھایا ہو گا اور کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو تکلیف پہنچائی ہو گی جس پر ہر ایک (مدعی) کو (ان زیادتیوں کے) بدلے میں اس کی نیکیاں دی جائیں گی جب اس کی نیکیاں ختم

ہو جائیں گی تو ان لوگوں کے گناہ اس پر لادے جائیں گے جس کے بعد اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا"

اگر کوئی تعلیمی ادارہ اپنے زیر تربیت و تعلیم طلباء کی ایک معقول تعداد میں بھی یہ خوبی اور وصف پیدا نہ کر سکے تو اس بات کی دلیل ہو گی کہ لازماً کہیں نہ کہیں کمی رہ گئی ہے جس کا ہمیں لازمی تدارک کرنا ہو گا، ورنہ ایک چنگاری کو شعلہ جوالہ بنتے دیر نہیں لگتی، جو پورے معاشرے کو بھی جلا کر تباہ و برباد کر سکتی ہے، اس لیے تعلیمی اداروں کو زیر تعلیم طلباء کی حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ انہی خطوط پر تربیت بھی کرنی ہو گی۔

۲) تہذیب واخلاق: تہذیب، مروت اور اخلاق کسی بھی آدمی کے تعلیم یافتہ ہونے کی اہم علامات ہیں۔ جس طرح بچہ اپنے والدین کا عکاس ہوتا ہے اسی طرح طالب علم اپنے تعلیمی ادارے اور اساتذہ کا عکاس ہوتا ہے اس لیے تعلیمی ادارے میں طلبہ کی اس انداز سے تربیت کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ ایک ذمہ دار، مفید شہری اور دوسروں کے حقوق کا پاسدار بن کر نہ صرف اندرون بلکہ بیرون ملک بھی اپنے مادر تعلیمی ادارے اور اپنے اساتذہ کا نام روشن کرے۔

۳) آفاقی دین کا داعی : قرون اولی کے مسلمان جہاں بھی تجارت کے لیے یا کسی کام سے جاتے، تو وہاں اپنے اخلاق اور کردار سے دوسروں کو اپنا گرویدہ بنائے بغیر نہ رہتے جس کی بدولت تاریخ اس بات کی شہادت دینے پر مجبور ہے کہ ایک ایک آدمی کے ہاتھ پر ہزاروں لوگ بھی حلقۂ بگوشِ اسلام ہوئے ہیں۔ دور حاضر کے طالب علم، تاجر اور سیاح بلکہ ہر مسلمان میں بھی اس صفت کا ہونا معاشرے میں امن و سکون کی علامت ہو گا یہ صفت بھی تعلیمی ادارہ ہی پیدا کر سکتا ہے اس صفت اور خوبی کی بدولت یہ طالب علم جہاں بھی جائے گا غیر مسلم اقوام سے متاثر ہونے اور ان کے رنگ میں رنگے جانے کے بجائے اپنے کردار و عمل سے اسلام کا آفاقی پیغام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو گا۔

اس وقت بیرون ملک کام کرنے والے پاکستانیوں کی کافی بڑی تعداد ہے[۹]۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کچھ لوگ اپنے ملک کا نام روشن کرنے کے بجائے بدنامی کا سبب بنتے ہیں[۱۰]۔ اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ بیرون ملک پاکستانیوں کی کافی بڑی تعداد غیر ہنر مندوں کی ہے، جو عام مزدوری کرتے ہیں چونکہ یہ افراد تعلیم اور تربیت سے بے بہرہ ہوتے ہیں اس لیے ایسی حرکات کر بیٹھتے ہیں جس سے ملک کی

بدنامی ہوتی ہے۔ اگر ہمارے تعلیمی اداروں میں عام تعلیم کے ساتھ فنی تعلیم اور اخلاقی تعلیم و تربیت کا بھی مؤثر انتظام ہو تو ایک عام مزدور، ہنر مند اور ملازم بھی نہ صرف اپنے ملک کا نام روشن کر سکتا ہے بلکہ اسلام کے آفاقی دین کا خاموش داعی بھی بن سکتا ہے اور قرون اولی کے مسلمان سیاحوں اور تاجروں کی طرح جہاں سے گزر تا جائے گا اسلام کی خوشبو بکھیر تا چلا جائے گا۔

۴) **محب وطن:** حب وطن کی ادنی علامت اور کم از کم پہچان یہ ہے کہ محب وطن آدمی روزانہ، ہفتے یا مہینے کی حساب سے معاشرے اور ملک کی فلاح و بہبود کے لیے مستقل بنیادوں پر کچھ وقت رضاکارانہ طور پر وقف کر دے[11]، یہ اگر چہ بظاہر معمولی سا وقت ہے مگر ان ہی لاکھوں قطروں کے ملنے سے نہر اور پھر اس سے دریا بن سکتے ہیں۔ ایک استاد سے سینکڑوں غریب طلباء مستفید ہو کر تا زندگی اس کا صدقہ جاریہ بن جائیں گے جس کے لیے آج کے طلباء جو مستقبل کے اساتذہ ہیں میں اس کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ان طلباء کی تعلیمات نبوی کی روشنی میں تربیت کرنا ہو گی، یہ کام تعلیمی ادارے میں بخوبی ہو سکتا ہے، اسی طرح طلباء کو شہری دفاع کی طرز کی ٹریننگ اور تربیت بھی دوران تعلیم دی جاسکتی ہے جس کی بدولت ہنگامی حالات (سیلاب، زلزلہ اور دیگر حادثات و آفات) میں وہ قوم کی خدمت اور ملکی اداروں کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں جس کی بدولت ہنگامی حالات میں نہ صرف جذبہ حب الوطنی سے سرشار وافر افرادی قوت میسر رہے گی بلکہ ملکی خزانہ پر ایسے مواقع پر بوجھ بھی کم پڑے گا۔

حب وطن کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ وہ اپنی آمدن کا کچھ مخصوص حصہ خواہ صرف ایک فیصد ہی ہو ملک کی فلاح و بہبود کے لیے ماہانہ یا کم از کم سالانہ بنیاد پر وقف کر دے جسے انفرادی یا اجتماعی طور پر فلاح و بہبود کے کاموں خرچ کرے یا ضرورت مندوں کی مدد کرے، اگر تعلیمی ادارے اس قسم کے کسی منصوبے پر کام کریں تو اس کے کافی مفید اور مثبت نتائج سامنے آسکتے ہیں کیونکہ طلباء کو اپنے تعلیمی ادارے سے تادیر انس اور قلبی تعلق رہتا ہے اور اپنے اساتذہ کا عمومادل سے احترام کرتے ہیں جن کے سامنے بلند سے بلند مقام تک ترقی پانے والا بھی اپنے آپ کو بدستور طالب علم سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے بشرطیکہ استاذ نے خلوص اور محنت سے اپنی ذمہ داری ادا کی ہو۔ حب وطن کا اعلی اور بلند ترین درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مادروطن کے تحفظ اور بقاء کے لیے ضرورت پڑنے پر اپنی جان کی ہی بازی لگا دینے سے دریغ اور گریز نہ کرے۔

۵) تخلیقی صلاحیتوں کی نشو ونما: تعلیمی اداروں کا طلباء کے حوالے سے ایک اور اہم کردار ان کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو ونما ہے، مادر وطن میں بے بہا ٹیلنٹ اور صلاحیتیں ہیں جن کی نشو ونما اور انہیں اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے اس سلسلہ میں بھی تعلیمی ادارے اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اس وقت ہمارے ذہین طلباء اپنے محدود وسائل اور ذرائع کے ساتھ دنیا بھر میں اپنی قابلیت کا نہ صرف سکہ منوا رہے ہیں بلکہ عالمی ریکارڈ اپنے نام کر رہے ہیں [۱۲] اگر ان کو ایک منظم، ہمہ گیر اور بلا امتیاز پروگرام کے تحت مواقع فراہم کیے جائیں اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تو چند سالوں میں ملک ترقی یافتہ قوموں کی صف میں شامل ہو سکتا ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

؎ ذرا نم ہو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

۶) مفید و ہنر مند شہری: تعلیمی اداروں کا ایک اہم کام اپنے زیر تعلیم طلباء کو مفید اور ہنر مند شہری بنانا بھی ہے کیونکہ طلباء کی کافی بڑی تعداد اعلی تعلیم کے حصول میں کامیاب نہیں ہو پاتی، مختلف وجوہات کی بنا پر انہیں اپنا سلسلہ تعلیم ترک کرنا پڑتا ہے۔ اگر ان طلباء کو دوران تعلیم کچھ ہنر سکھا دیئے جائیں تو وہ تعلیم جاری نہ رکھ سکنے کی صورت میں نہ صرف اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے بلکہ ایک مفید شہری بن کر ملک و قوم کی خدمت بھی کرنے کے قابل ہو جائیں گے، ورنہ یہی نوجوان نہ صرف والدین اور خاندان کے لیے، بلکہ معاشرے میں بھی افراتفری کا سبب بنیں گے اور موقع ملتے ہی دہشت گردوں کا آلہ کار بن کر ملکی امن و امان کو تباہ و برباد کرسکتے ہیں۔

۷) تعلیم یافتہ اور دیانت دار رجال کار: تعلیمی اداروں کا مزید ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ وہ ملک کو ایسے باصلاحیت، تعلیم یافتہ اور دیانت دار رجال کار فراہم کریں جو دور جدید کے تقاضوں سے نہ صرف آگاہ ہوں بلکہ اس کے چیلنجوں سے نمٹنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ذمہ داریاں نبھانے کے اہل بھی ہوں۔

مشکلات اور رکاوٹیں:

جتنا مقصد اور ہدف بلند ہو اس قدر اس کی راہ میں مشکلات بھی حائل ہو جاتی ہیں، تعلیمی اداروں کو بھی مذکورہ بالا انداز سے کام کرنے میں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جب تک ان مسائل اور مشکلات کا تدارک نہیں کیا جاتا تعلیمی ادارے بھی اپنا کردار احسن طریقہ سے ادا کرنے سے قاصر ہونگے۔ ذیل میں چند مشکلات اور مسائل کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے:

ا) طبقاتی نظام تعلیم: ہمارے ملک میں اس وقت ایک سے زیادہ نظامہائے تعلیم رائج ہیں[۱۳] اور ہر ایک کا قبلہ جدا ہے جو ہمارے معاشرے کی وحدت کے لیے زہر قاتل ہیں۔ یہ مختلف تعلیمی نظام ملک میں طبقاتی اور معاشرتی کشمکش کو فروغ دینے کا ذریعہ بن رہے ہیں، جس سے پیدا ہونے والی تفریق کے باعث ہم کبھی بھی ایک قوم نہیں بن سکتے اور نہ ہی ہم میں یک جہتی اور یکسوئی پیدا ہو سکتی ہے جو کہ ملکی ترقی کے لیے اشد ضروری ہے۔ اس وقت ہمارے ملک کے درج ذیل تعلیمی نظام ہیں:

اول: عام سرکاری سکول: ان میں عموماً غریب لوگوں کی اولاد تعلیم حاصل کرتی ہے جہاں پر یہ بچے اول تو تعلیم پوری ہی نہیں کر پاتے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان بچوں کے والدین ان کے تعلیمی اخراجات برداشت نہیں کر سکتے اور جو بچے کسی طرح تعلیم حاصل کر لیتے ہیں ان کی قابلیت اس قدر نہیں ہوتی کہ وہ اچھی ملازمت ہی اختیار کر سکیں جس کی وجہ سے یہ طلباء صرف شرح خواندگی میں برائے نام اضافہ کرنے کے علاوہ کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سرکاری سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء انگلش میڈیم اور کیمرج اور آکسفورڈ سسٹم کے تحت تعلیم حاصل کرنے کو طلباء کو دیکھ کر ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں جو کبھی ان کی مایوسی میں بدل جاتی ہے جس کی وجہ سے ان طلباء کی ایک معقول تعداد تعلیم ہی کو خیر باد کہہ دیتی ہے۔

دوم: دینی مدارس یا دارالعلوم: یہ تعلیمی ادارے عموماً مسلکی بنیادوں پر قائم ہیں جن سے فارغ ہونے والے افراد کی اکثریت صرف مساجد یا تعلیمی اداروں میں اسلامیات کی تدریس سے ہی سے وابستہ ہوتی ہے، مسلکی بنیادوں پر قائم ان اداروں سے تعلیم یافتہ ہونے کے باعث ان کی زندگی مسلک اور فرقہ کی حدود اربعہ میں ہی گھومتی ہے اس سے باہر سوچنے کی زحمت عموماً کم ہی گوارا کی جاتی ہے

اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کے نام پر قائم کیے گئے اس ملک میں اسلام کی تعلیم دینے والے ان اداروں میں دوسرے فرقے اور مسلک کے بورڈ کی ڈگری ناقابل قبول ہے۔

سوم: انگلش میڈیم: ان تعلیمی اداروں میں مڈل کلاس طبقہ کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔یہاں سے تعلیم حاصل کرنے والے درمیانی قسم کے طالبعلم ہوتے ہیں جن کا مقصد زیادہ سے زیادہ حصول تعلیم ملازمت ہوتا ہے جو انہیں عموما درمیانے درجے کی مل جاتی ہے اور یہی ان کی معراج ہوتی ہے اور پھر ان کی ساری عمر اسی میں بسر ہو جاتی ہے۔ اور کچھ چند ایک ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جن کی قسمت ان کا ساتھ دے دیتی ہے اور وہ اچھی پوزیشن اور مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد کافی کم ہوتی ہے

چہارم: کیمرج اور آکسفورڈ نظام تعلیم: اس نظام تعلیم کے تحت صرف ہمارے امراء اور طبقہ اشرافیہ کے بچے تعلیم حاصل کرپاتے ہیں کیونکہ اس کے اخراجات مڈل کلاس کی پہنچ سے بھی باہر ہوتے ہیں۔ اس نظام کے تحت تعلیم حاصل کرنے والے طالبعلم مقابلے کے امتحانات میں. جو صوبائی پبلک سروس کمیشن کے تحت یا پھر وفاقی سروس کمیشن کے تحت ہوتے ہیں. زیادہ کامیاب ہوتے ہیں اور یہی لوگ ملکی اداروں میں اہم اور کلیدی عہدوں پر فائز ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

جس ملک میں اتنے زیادہ نظام تعلیم ہوں اس کا ایک قوم بننا کوئی آسان کام نہیں بلکہ یہ نظام تعلیم ہی مختلف طبقات اور درجات بنانے میں معاون و مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

۲) دینی اور عصری تعلیم میں خلیج: اگر دینی تعلیمی اداروں میں جدید تعلیم کا انتظام نہیں تو عصری تعلیمی اداروں نے بھی تمام اسلامی علوم کو صرف ایک مضمون کے برابر حیثیت دے رکھی ہے، جس کی وجہ سے نئی نسل دینی اور اسلامی اقدار سے بے بہرہ ہوتی جارہی ہے۔ ہم اس وقت ہر ممکن سرٹیفکیٹ، ڈپلومے، اور ڈگریاں تو جاری کر رہے ہیں لیکن اُمّت مسلمہ کے معاملات کو چلانے اور بنی نوع انسانیت کے لیے راہ نمائی کے لیے درکار فہم و فراست رکھنے والے علمی ماہرین تیار نہیں کر رہے ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو ہم اپنی اسلامی تہذیب ہی سے بے گانہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ جو تعلیم فرد کو اللہ سے نہیں ملاتی، توحید کا تصور واضح نہیں کرتی، اللہ کی حدود میں رہ کر زندگی بسر کرنے کا شعور نہیں دیتی، دینی اخلاق کو نہیں سنوارتی اسے حقیقی معنوں میں تعلیم ہی نہیں کہا جاسکتا۔

ہمیں اسلامی تعلیمات کو پورے نظام تعلیم میں اس طرح سمو دینا ہو گا کہ وہ اس کی روح رواں اور اس کا احساس و ادراک بن جائے۔ اگر ہمارا نظام تعلیم اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں اور تعلیمات کے مطابق ہو گا، تو ہمیں سائنس، معیشت، ٹیکنالوجی، قانون سمیت ہر شعبہ میں ایسے ماہرین میسر آئیں گے جو دنیا کے لئے مثال ہوں گے۔ ہمیں تعلیمی اداروں میں اپنے طلبا کو اسلامی اخلاقیات سکھانی ہوں گی۔ بچوں کو پڑھاتے ہوئے ہمارے پیش نظر تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم ایسے افراد تیار کریں جو ہماری قومی تہذیب کو سمجھتے ہوں۔ سکولوں میں ضروری ہے کہ بچے کو سکول کے پہلے دن سے ہی اسلام اور اخلاقیات کے بنیادی تصورات سے آگاہی دی جائے۔ اسلام جن اخلاقی تصورات اور اقدار کو پیش کرتا ہے انہیں ہر مضمون کے اسباق حتیٰ کہ ریاضی اور سائنس تک میں اس انداز سے سمو دیا جائے کہ بچوں کے ذہن میں مستحکم بنیادوں پر نشین ہو جائے اور ان کا مزاج اور فطرت ثانیہ بن جائے۔

اس کے علاوہ سکولوں میں مختلف مضامین کی تدریس کے دوران بچوں کو اخلاقیات سکھانے پر فوکس کیا جائے۔ ان کے اندر رشوت خوری سے نفرت اور حرام و حلال کی تمیز کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ ان کے دلوں میں تدریس کے ذریعے جھوٹ، دھوکے دہی، فریب، خود غرضی، نفس پرستی، چوری، جعل سازی، بدعہدی، خیانت، شراب، سود، قمار بازی، ظلم، ناانصافی اور لوگوں کی حق تلفی سے سخت نفرت پیدا کی جائے۔ بچے نرم و نازک شاخ کی طرح ہوتے ہیں انہیں بچپن میں جس سمت اور رخ موڑا جائے وہ اسی پر بڑی آسانی سے چل پڑتے ہیں مگر جس طرح کسی شاخ کے بڑا اور مضبوط ہو جانے پر اسے موڑنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے اسی طرح جوانی میں قدم رکھ لینے کے بعد ان بچوں کی ذہن سازی اور تربیت بھی مشکل ہو جاتی ہے اور ان میں پیدا ہو جانے والی غلط عادات کو چھڑانا دشوار ہو جاتا ہے۔

۳) غیر تربیت یافتہ اساتذہ: ہمارے تعلیمی اداروں کے اساتذہ کی کافی بڑی تعداد خود ہی غیر تربیت یافتہ ہے اور ایک غیر تربیت یافتہ دوسروں کی کیا تربیت کرے گا[۱۴]؟ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے ملک میں سکول سطح کے تعلیمی اداروں کی طرف عموماً وہ لوگ مجبوراً رخ کرتے ہیں جنہیں کسی دوسری جگہ اچھا اور مناسب روزگار نہ مل سکا ہو چنانچہ یہ لوگ موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ جونہی انہیں کوئی مناسب موقع مل جاتا ہے وہ اسے چھوڑ جاتے ہیں جس کہ وجہ سے یہ لوگ تعلیم کے اس مقدس شعبے سے مخلص نہیں ہوتے وہ تو اسے بطور سیڑھی استعمال کرنا چاہتے ہیں اور عارضی اور وقتی ملازمت کے لیے

مخصوص پیشہ وارانہ تربیت انہیں میل نہیں کھاتی اگرچہ انہیں اس شعبہ تعلیم میں کافی عرصہ کیوں نہ گزارنا پڑ جائے جس کی وجہ شعبہ تعلیم ہر گزرتے دن کے ساتھ زبوں حالی کا شکار ہوتا جارہا ہے حالانکہ تعلیم کی ملک و قوم میں وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی بدن میں روح کی ہوتی ہے کیونکہ تعلیم کے بغیر آدمی تو ایک لاشہ ہی نہیں بلکہ ایک خونخوار درندہ ہے۔

اس روح (شعبہ تعلیم) کو فوری آکسیجن کی فراہمی اشد ضرورت ہے ورنہ غیر تربیت یافتہ ڈرائیور کی طرح غیر تربیت یافتہ معلم اور استاد بھی نہ صرف غیر مفید ثابت ہو سکتا ہے بلکہ اس کا نقصان بھی کر سکتا ہے

۴) **کرپشن:** کرپشن جیسا ناسور تعلیم جیسے مقدس پیشے میں بھی سرایت کر گیا ہے اور کل تک کا آئیڈیل کردار کا استاد آج اپنی وسعت کے مطابق کرپشن میں ملوث ہونے لگا ہے اور ایک بد دیانت شخص ملک و ملت کے لیے وفادار اور مخلص افرادی قوت کس طرح تیار کر سکتا ہے؟ چنانچہ نہ صرف تعلیمی نظام کی بہتری بلکہ ملکی ترقی اور خوشحالی کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ سیاسی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر شعبہ تعلیم کو ہنگامی بنیادوں پر کرپشن سے پاک کیا جائے۔

۵) **فنی تعلیم کی طرف بے توجہی:** تعلیمی اداروں کے قیام کا بنیادی مقصد طلباء کی ہمہ جہت تربیت ہے مگر ہمارا نظام تعلیم اسی خیال کا عکاس نظر آتا ہے کہ سکول میں داخل ہونے والا ہر بچہ یونیورسٹی کی اعلی تعلیم تک کامیابی حاصل کر کے حکومت کی جانب سے ملازمت فراہم کیے جانے تک انتہائی شریفانہ اور پر امن انداز اختیار کرتے ہوئے خاموشی اور صبر واستقامت سے انتظار کرتا رہے گا اور اس پورے نظام میں اس بات کا خیال ہی نہیں رکھا گیا کہ جو طلباء اپنی تعلیم کسی بھی وجہ سے جاری نہ رکھ سکیں ان کے لیے کوئی ایسا نظام ہو کہ وہ کسی ہنر کے ذریعے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر حکومت پر بوجھ بننے کے بجائے اپنی زندگی کی گاڑی از خود چلا سکیں۔ حالانکہ اعلی تعلیم تک رسائی حاصل کر سکنے اور اس سے محروم رہ جانے والے طلباء کے تناسب کو نظام تعلیم کے خدوخال میں مد نظر رکھنا ضروری تھا اور ہمار موجودہ نظام تعلیم اس خصوصیت سے عاری ہے۔

ہماری تعلیم کی صورت حال یہ ہے کہ جس پیداوار (مثلاً ڈاکٹرز، انجینئرز، آئی ٹی ماہرین، اکاؤنٹنٹ، مالیات، کاروبار، معاش اور معیشت کے ماہرین اور ان کا مدد گار فنی اور تکنیکی سٹاف) کی

ضرورت زیادہ ہے وہ بہت کم اور جس پیداوار (مثلاً کلرک، قاصد، چپڑاسی چوکیدار وغیرہ) کی ضرورت کم ہے وہ بہت زیادہ تعداد میں پیدا ہو رہی ہے۔ بے مقصد تعلیم اور بے ہنر افرادی قوت ہمارا آج کا سب سے بڑا مسئلہ ہے

ہمارے ملک میں فنی تعلیمی ادارے نہ ہونے کے برابر ہیں اور جو موجود ہیں وہ بذات خود اتنے فرسودہ نصاب و آلات کے ساتھ چل رہے ہیں کہ وہ آج کی فنی ضروریات کے مطابق ہنر مند تیار کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے اگر اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ ہمارے نظام تعلیم سے بارہ یا چودہ سال کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک طالب علم کے پاس کیا صلاحیت ہو گی تو انتہائی ناگفتہ بہ صورتحال سامنے آئے گی کیونکہ یہ نوجوان ملک اور معاشرے کی کوئی خاص خدمت سر انجام دینے کے قابل نہیں ہوتے[۱۵] الا یہ کہ وہ شہروں میں جا کر غیر ہنر مند فرد کی حیثیت سے مزدوری کریں اور دینی شعور اور تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے فرقہ واریت کا شکار یا دہشت گردوں کا آلہ کار بن کر ملک کے امن و امان کو تباہ و برباد کرتے پھریں۔

۶) **طلباء یونین:** تعلیمی اداروں میں سیاسی یونین کے کردار کا بھی بغور جائزہ لینا ہو گا کہ اس سے ہمارے معاشرے کو فوائد زیادہ حاصل ہوئے ہیں یا نقصان؟ یونین کے فوائد سے انکار نہیں اس طرح تو ہر چیز میں کوئی نہ فائدہ تلاش کیا جا سکتا ہے مگر فیصلہ ہمیشہ مجموعی نتائج پر ہی کیا جاتا ہے، اگر ان تعلیمی اداروں سے موازنہ کر کے جائزہ لیا جائے جہاں سیاسی تنظیموں کا کردار نہیں تو حیران کن نتائج سامنے آئیں گے اس وقت تعلیمی اداروں میں سیاسی تنظیموں سے وابستہ طلباء کا کردار قابل توجہ ہے، عمومی مشاہدہ یہی کہ جہاں بھی تعلیمی اداروں میں سیاسی لسانی وغیرہ تنظیموں کا عمل دخل زیادہ ہوا وہاں متعدد مسائل نے جنم لیا اور تعلیمی ماحول خراب ہوا بلکہ امن و امان کے مسائل بھی پیدا ہوئے۔

۷) **سرکاری مداخلت:** تعلیمی اداروں میں سرکاری مداخلت اور بااثر افراد کے اثر و رسوخ نے بھی تعلیم کے نظام کو کھوکھلا کر دیا ہے جس کی وجہ سے عام تعلیمی اداروں کے اساتذہ یکسوئی سے کام نہیں کر سکتے اور ان کی توانایاں تعلیمی میدان میں صرف ہونے کے بجائے سیاسی اثر و رسوخ کے حصول میں صرف ہوتی ہیں جو کہ شعبہ تعلیم کے لیے کسی آفت ناگہانی سے کم نہیں۔

۸) فرقہ واریت: ہمارے ملک میں تعلیمی اداروں کی ایک کافی بڑی تعداد دینی مدارس کی ہے[۱۶] ان کے مفید کردار سے قطعاً انکار نہیں کیونکہ انہوں نے حکومت کا تعلیم کے میدان میں کافی حد تک بوجھ اٹھا رکھا ہے مگر ان کا عمومی ماحول یا نظام فرقہ واریت کے خاتمے میں کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کرتا غالباً یہی وجہ ہے کہ برطانوی تسلط سے آزادی کے باوجود ہمارے ملک میں فرقہ واریت میں برابر اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے ،بلکہ اب تو صورتحال اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ایک مکتبہ فکر کے تعلیمی ادارے سے. دوران تعلیم. دوسرے مکتبہ فکر کے تعلیمی ادارے میں اول تو ان مدارس میں پیدا کی جانے والی ذہنیت کی وجہ سے داخلہ ہی نہیں لیا جاتا تاہم اگر کوئی طالب علم ایسا کرنا چاہے بھی تو اسے اس وقت تک داخلہ نہیں دیا جاتا جب تک یہ طالب علم ان کے اپنے ادارے سے از سر نو امتحانات پاس نہ کرلے۔

اس کے علاوہ ان تعلیمی اداروں کے فضلاء کا علمی اختلاف میں قرون اولی کے علماء کے انداز کے بالکل برعکس انداز اختیار کیا جاتا ہے اور معمولی سے اختلاف پر شدت پسندی اختیار کرلی جاتی ہے اور فتوے بازی شروع ہو جاتی ہے[۱۷]۔

۹) مسجد کا کردار بطور تعلیمی ادارہ: مسجد تو اولیں تعلیمی ادارہ ہے جہاں سے ایک مسلمان سب سے پہلے رسمی اور غیر رسمی انداز سے سیکھتا ہے، اگر یہ مساجد ہی فرقہ وارانہ بنیادوں پر قائم ہوں تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ معاشرہ کو کس طرف لے جائیں گی اور پہلی ٹیڑھی رکھی جانے والی اینٹ پر تعمیر کی جانے والی بلند وبالا عمارت کا انداز کیا ہوگا، ان مساجد میں فرقہ واریت پر مبنی پروان چڑھنے والی سوچ کو بدلنا بھی ایک مشکل مرحلہ ہے جس کا ملکی تعلیمی ادارے رسمی اور رواجی تعلیم سے مقابلہ نہیں کرسکتے اس کے لیے ایک منظم کاوش کی ضرورت ہے۔

۱۰) طلبہ کی عدم راہ نمائی: ثانوی تعلیم کے حصول کے بعد طلباء کے لیے ایک بڑا مسئلہ ان کی مناسب راہنمائی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے وہ مناسب شعبے کو اختیار نہیں کرپاتے جس کی وجہ سے کچھ ہی عرصہ بعد انہیں اپنے مزاج سے غیر ہم آہنگ شعبے کو اختیار کرنے پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس موقع پر ان کے لیے اسی شعبے میں آگے بڑھنا پیچھے ہٹ کر نئے آغاز کی طرح مشکل ہو جاتا جس کا نتیجہ ان کے قیمتی وقت کے ضیاع کی صورت میں نمودار ہوتا ہے جب انہیں کچھ سمجھ آتی ہے تو ان کے سروں سے کافی پانی گزر چکا ہوتا ہے۔

تجاویز

۱) نظام تعلیم پر نظر ثانی: اس وقت ملک میں کئی نظامہائے تعلیم ہیں جو معاشرے میں طبقاتی تفریق کا بہت بڑا سبب ہیں، ہمیں ملک کی سلامتی، امن وبقاء کے لیے تعلیم کا ایک ہی نظام اپنانا ہو گا جس میں مختلف مراحل کی ضرورت کے تناسب سے تعلیم کا انتظام ہو جس کے لیے نصاب تعلیم کو از سر نو مرتب کیا جانا ضروری ہے۔

پہلا مرحلہ: ہائر سیکنڈری ایجوکیشن: ایف اے تک کے نصاب تعلیم میں دینی اور عصری تعلیم کا تناسب مساوی ہو اور اس میں فنی تعلیم کے علاوہ شہری دفاع کی باقاعدہ تربیت بھی شامل نصاب ہو تاکہ ہر طالب علم اسلامی تعلیمات سے نہ صرف واقف ہو بلکہ کسی بھی مرحلہ میں تعلیم کو خیر باد کہنے والا طالب علم اپنے معاشرے کا ایک محب وطن، ذمہ دار، بااخلاق، پرامن اور ہنر مند شہری بن سکے۔

اس مرحلہ کے نصاب کی تشکیل کے لیے ایسے ماہرین تعلیم کی کمیٹی تشکیل دی جائے جو بیک وقت دینی اور عصری علوم میں مہارت رکھتے ہوں جو عصری مضامین کے نصاب میں متعلقہ مضمون کے ماہرین کے مشورے اور ان کی تجاویز کی روشنی میں نصاب مرتب کریں جب کہ دینی نصاب کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی خدمات لی جاسکتی ہیں یا پھر ملکی دینی مدارس کے وفاقوں کے متفقہ نصاب کو دینی اور عصری نظام تعلیم کے ماہرین کی آراء کی روشنی میں مزید ترامیم کے ساتھ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

یہ نصاب ملک کے چاروں وفاق المدارس (وفاق المدارس العربیہ، تنظیم المدارس، وفاق المدارس السلفیہ اور رابطۃ المدارس الاسلامیہ) سے منسلک معروف ومشہور مدارس کے جید علماء کرام نے جدید وقدیم علوم سے آگاہی رکھنے والے اصحاب فکر، عصری تعلیم کے ماہرین اور یونیورسٹیوں کے پروفیسرز حضرات کی معاونت سے متفقہ طور پر تیار کیا ہے جس کی روداد "رپورٹ دینی مدارس اور اصلاح نصاب" کے نام سے باقاعدہ شائع ہو چکی ہے[۱۸]۔

اس نصاب پر دینی مدارس کے علماء کا اتفاق ملکی حالات کے پیش نظر بہت بڑی غنیمت ہے، اسے بھی حرف آخر نہیں قرار دیا جاسکتا تاہم دینی نصاب میں مزید ترامیم اسی انداز کی کمیٹی متفقہ طور پر کرے جس میں کسی بھی مرحلہ میں سرکاری مداخلت بالکل نہ ہو ورنہ دینی مدارس ایک بار پھر تحفظات کا شکار ہو جائیں گے بلکہ مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا کمیٹی ہی کو ایف اے تک کے نصاب کی

تشکیل کی ذمہ داری دی جائے کیونکہ اس نے اس سلسلہ میں کافی مفید کارنامہ از خود ملکی خدمت کے جذبہ سے بغیر کسی مالی مفاد کے سرانجام دیا ہے تاہم اس میں مزید دینی اور عصری علوم کے ماہرین کو شامل کیا جاسکتا ہے مگر ان کا انتخاب کمیٹی پر ہی چھوڑ دیا جائے جو اپنی دو تہائی اکثریت سے کسی بھی ماہر تعلیم کو منتخب کرنے کی مجاز ہو۔ اس کمیٹی کا نصاب ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں نافذ کر دیا جائے۔

اس نصاب کو دینی مدارس بھی اختیار کر سکتے ہیں جس سے دینی اور عصری تعلیم کی تفریق اور خلیج کا خاتمہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

اس وقت اگرچہ اٹھارویں آئینی ترمیم کے تحت تعلیم کا شعبہ صوبوں کا منتقل کر دیا گیا ہے جس میں وفاقی حکومت مداخلت نہیں کر سکتی مگر اس سے قبل سترہویں ترمیم کے تحت تحفظ پانے والے پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ آرڈیننس [۱۹] کے تحت دینی و عصری تعلیم ایک ساتھ کے نظام تعلیم کا ادارہ بدستور وفاقی حکومت کے ماتحت ہے۔

دوسرا مرحلہ: گریجوایشن تا اعلیٰ تعلیم: اس مرحلے میں طلباء کو اپنے مطلوبہ شعبہ اختیار کرنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا جائے اور ساتھ ہی اس شعبہ سے متعلق مزید دینی تعلیم کا بھی انتظام ہو۔

دینی تعلیم صرف دینی مدارس کا کام نہیں بلکہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا جامع نظام تعلیم وضع کرے جو طلباء میں ذکر کردہ مطلوبہ صفات پیدا کرنے کی صلاحیت کا حامل ہو تب ہی ہمارے معاشرے میں امن و سکون ہو گا اب تک تو صورت حال یہ ہے کہ گریجوایشن کرنے والے طلباء بھی بنیادی تعلیمات نبوی سے ناواقف ہوتے ہیں جس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے وہ اپنے ذمہ حقوق کی کما حقہ ادائیگی سے اسی طرح غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں جس طرح ایک جاہل کرتا ہے، اسلامیات کے نام پر ایک مختصر سا کورس قطعاً کافی نہیں۔

اس مرحلے کا نصاب تعلیم متعلقہ مضامین کے ماہرین کا خود مختار بورڈ مذکورہ بالا کمیٹی کی تجاویز کی روشنی میں تیار کرے تاکہ ملکی نصاب تعلیم اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہو، نیز اس مرحلے کا دورانیہ حسب ضرورت بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔

۲) تربیت اساتذہ: اگر نصاب تعلیم عظیم خصوصیات کا حامل ہو مگر اسے بچوں تک منتقل کرنے والے اساتذہ ہی اگر مطلوبہ صلاحیت اور تجربہ سے ہی محروم اور عاری ہوں تو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا اس لیے جدید اصولوں کے مطابق اساتذہ کی تربیت اور ریفریش کورسز نہ صرف ضروری ہیں بلکہ شعبہ تعلیم اختیار کرنے والے اساتذہ کے لیے پیشہ وارانہ تعلیم کا سند یافتہ ہونا ضروری قرار دیا جائے تاکہ محض عارضی اور وقتی طور پر شعبہ تعلیم میں وقت گزارنے کے لیے آنے والوں کی حوصلہ شکنی ہو۔

تربیت اساتذہ میں سب سے اہم چیز طلبہ کی نفسیات کا مطالعہ ضروری ہے کیونکہ طلبہ کی نفسیات سے بے خبر استاذ کبھی بھی ایک کامیاب استاذ نہیں بن سکتا وہ صرف ایک مقرر اور واعظ تو بن سکتا ہے جس کے سامنے کافی بڑا مجمع تو ضرور ہوتا ہے مگر کچھ لوگ تو آپس میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں کچھ اپنے خیالوں میں گم ہوتے ہیں کچھ اونگھ رہے ہوتے ہیں اور کچھ تو محو نیند بھی ہو جاتے ہیں۔

جبکہ ایک کامیاب استاذ وہی ہوتا ہے جس کی کلاس میں موجود طلبہ ہمہ تن گوش رہنے پر مجبور رہیں اور انہیں مختلف طریقوں سے چوکنا رکھنے میں کامیاب رہے اس کے لیے طلبہ کی نفسیات کو سمجھنا ضروری ہے۔

۳) بلند کردار اور قابل لوگوں کو تعلیمی اداروں کی جانب ترغیب: جب تک ہم تعلیم کے شعبے کو کماحقہ اہمیت نہیں دیں گے ہماری ترقی خواب و خیال ہی رہے گی اس کے لیے بلند کردار اور قابل لوگوں کو اس شعبے کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت تک ملک کا ذہین طبقہ ایسے شعبوں میں جانا زیادہ پسند کرتا ہے جہاں سے اسے زیادہ مادی فوائد حاصل ہوسکتے ہوں مگر کوئی بھی شعبہ ہو اس کو افرادی قوت فراہم کرنے والا شعبہ تعلیم ہی ہے لہذا شعبہ تعلیم کو کچھ ایسی مراعات دی جائیں جس سے قابل ترین لوگوں کا اس طرف رجحان ہو اس کا فائدہ اور ثمرات ملک کے تمام شعبوں پر پڑیں گے ضروری نہیں کہ مالی مراعات کی بارش کر دی جائے بلکہ کچھ مالی مراعات اور ترغیبات کے ساتھ کچھ اعزازات دے دیئے جائیں مثلاً گریڈ چودہ اور پندرہ کے اساتذہ کو بھی مخصوص دائرہ کار میں تصدیق کرنے کی اجازت یا کچھ مخصوص دفعات کے تحت الزام میں گرفتاری سے قبل استاذ کے ادارے سے اجازت یا اس قسم کے چند دیگر اقدامات بشرطیکہ کے ان کے منفی اثرات نہ ہوں بھی نئی نسل کا رخ شعبہ تعلیم کی طرف موڑنے میں کافی ممد و معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

۴) **اساتذہ کی حوصلہ افزائی:** حوصلہ افزائی ایک ایسا نفسیاتی حربہ ہے جس کی وجہ سے کسی بھی آدمی کو تن من دھن کی بازی لگا دینے پر بڑی آسانی سے مجبور کیا جاسکتا ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اس پر فخر بھی محسوس کرتا ہے۔

اعلی حکام کے چند تعریفی کلمات یا کاغذ کے ایک صفحے پر سرٹیفکیٹ کے نام سے چند جملے یا پھر سال بعد معمولی سی رقم انعام کے نام پر ایک استاد کے جسم میں نئی روح پھونک دیتے ہیں۔

۵) **فنی تعلیم:** دوران تعلیم مختصر اور اوسط دورانیہ کے ٹیکنیکل کورسز اور ہنر بھی سکھائے جائیں خواہ اس کے لیے ثانوی تعلیم تک کے دورانیہ میں ایک سال یا دو سال کا اضافہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس موقع پر تعلیم کو خیر باد کہنے والا طالب علم اندرون ملک یا بیرون ملک ایک ہنر مند شہری کی حیثیت سے باعزت زندگی گزار سکتا ہے۔ حکومت تمام افراد کو ملازمت فراہم نہیں کر سکتی تاہم ہنر سکھانے میں مدد کر سکتی ہے۔

۶) **امتحانی نظام:** ہمارا امتحانی نظام کافی فرسودہ اور بوسیدہ ہو گیا ہے اسے جدید خطوط پر استوار کرنا ضروری ہے یہ نظام نقل اور دیگر غیر قانونی ذرائع کے سدباب میں ناکام ہو چکا ہے۔ اس سلسلہ میں نیشنل ٹیسٹینگ سروس کے نظام امتحانات کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لے کر ان کی روشنی میں موجودہ نظام امتحانات میں مناسب ترامیم کی اشد ضرورت ہے جس سے ایک طرف امتحانات میں غیر قانونی ذرائع کا سدباب ممکن ہو تو دوسری جانب نہ صرف طلبہ کا قیمتی وقت ریزلٹ کے انتظار میں ضائع ہونے سے بچ جائے بلکہ افرادی قوت کے بجائے مشینی استعمال کی وجہ سے زیادہ درست نتائج کا حصول بھی ممکن ہو جائے۔

۷) **تعلیمی محتسب کا قیام:** ہمارا عدالتی نظام انتہائی صبر آزما اور مہنگا ہے تعلیمی اداروں کے مسائل کے حل کے لیے ایک الگ محتسب ہونا چاہیے جو تعلیمی اداروں سے متعلق حل طلب معاملات میں مفت اور فوری انصاف مہیا کرے تاکہ نہ صرف طلبہ بلکہ اساتذہ کو بھی فوری انصاف مل سکے اور ان کا قیمتی وقت ضائع ہونے سے بچ جائے اور اطمینان سے اپنے فرائض منصبی ادا کر سکیں کیونکہ ایک استاذ کے ایک گھنٹے کا ضیاع پوری کلاس میں موجود اگر تیس طلبہ ہوں تو کل تیس گھنٹوں کا ایک ادارے کو نقصان ہوگا اور اگر کوئی کیس سالوں چلے تو اس نقصان کیا ہوگا اس کا صرف اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے اور اس کی وجہ سے ایک استاذ کو

جو ذہنی اذیت اور کوفت ہو گی اس پر وہ ادارے اور کلاس میں جسمانی طور پر حاضر ہونے کے باوجود ذہنی طور پر غیر حاضر ہو گا۔

اس تعلیمی محتسب کو اساتذہ کے خلاف غیر اخلاقی امور کے ارتکاب پر مکمل سزا کا بھی اختیار ہو جس میں ملازمت سے برطرفی بھی شامل ہو تا کہ اس مقدس شعبہ تعلیم کو نہ صرف عمومی جرائم بلکہ اخلاقی جرائم سے بھی صاف رکھا جائے۔

۸) دینی اداروں سے فارغ افراد کی قومی دھارے میں شمولیت: پاکستان میں اس وقت مختلف مکاتب فکر کے زیر انتظام تقریباً پچیس ہزار سے زائد دینی مدارس ہیں جہاں سے ہر سال ہزاروں طلباء دینی تعلیم حاصل کر کے فارغ ہوتے ہیں مگر جدید عصری تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ان کی اکثریت مساجد میں امامت اور خطابت کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

عام لوگوں کی اکثریت اپنے بچوں کو ناظرہ قرآن کی تعلیم کے لیے مساجد میں ہی بھیجتی ہے جہاں یہ دینی فضلاء ان کی اسی فرقہ وارانہ انداز سے ذہن سازی کرتے ہیں جو آگے چل کر ملکی امن و امان کے لیے خطرہ بھی بن جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اپنے خطبات اور تقاریر میں عوام الناس کے سامنے معمولی علمی اختلاف کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے اور اسے کفر اور اسلام کی حد فاصل قرار دینے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا بلکہ مخالف علمی نظریہ رکھنے والے کے بارے میں نفرت پیدا کر دی جاتی ہے اور اسے بے دین بلکہ اسلام سے خارج قرار دینے میں بھی جھجک محسوس نہیں کی جاتی جس کی وجہ سے پورے معاشرے میں نفرت اور کشیدگی پیدا ہونے لگتی ہے بعض دفعہ نوبت فساد اور قتل و غارت گری تک پہنچ جاتی ہے اور کبھی تو حکومتی مشینری بھی ناکام ہوتی محسوس ہونے لگتی ہے اگر اس کا بروقت سدباب نہ کیا گیا تو یہ مستقبل کا آتش فشاں بن سکتا ہے، جب تک دینی مدارس کے فضلاء کو قومی دہارے میں نہ لایا جائے گا یہ خطرہ بدستور موجود رہے گا۔

اس کا طویل المیعاد حل یہ ہے کہ عصری تعلیمی اداروں میں بھی دینی تعلیم کا اتنا انتظام کیا جائے کہ طلباء از خود قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کے وسیع ذخیرہ احادیث کو خود سمجھ سکیں جب عام تعلیمی اداروں سے بھی طلباء کو دینی تعلیم ملنے لگے گی اور وہ حقیقی تعلیمات اسلام سے آگاہ ہونگے تو وہ فرقہ وارانہ

نظریات اور خیالات کو کم ہی قبول کریں گے ویسے بھی بحیثیت مسلمان ہر مسلمان کا بنیادی حق ہے، جب حکومت اس کے اس حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گی تو پھر اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جس کا آج ہمارا معاشرہ شکار ہے۔

جبکہ اس کا مختصر المیعاد حل یہ ہے کہ ہر سال ان دینی مدارس سے نکلنے والے فضلاء کی کھیپ کو قومی دہارے میں لایا جائے اس کے لیے انہیں ملکی یونیورسٹیوں سے ایک خصوصی پروگرام کے تحت ریگولر بنیادوں پر بی اے کی سطح چند مضامین پڑھائے جائیں جس میں اردو، انفارمیشن اینڈ کمپیوٹر ٹیکنالوجی ،نفسیات، جدید سائنسی نظریات اور ایجادات اور مطالعہ اقوام عالم شامل ہوں جس کی بنیاد پر انہیں بی ایڈ کی ڈگری دے کر پرائمری، مڈل اور ہائی سکولوں میں اردو، اسلامیات، عربی، معاشرتی علوم، مطالعہ پاکستان اور ناظرہ قرآن کا ٹیچر بننے کا اہل قرار دیا جائے چونکہ ان تعلیمی اداروں میں یہ لوگ اپنے افسران بالا کے ماتحت ہونگے اس لیے وہ فرقہ وارانہ سرگرمیوں سے دور رہنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن اگر ان دینی فضلاء کو قومی دھارے میں نہ لایا گیا تو ان کی کافی بڑی تعداد اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے فرقہ واریت کو ہوا دیتی رہے گی اور امن و امان کی صورتحال بدستور خراب ہی رہے گی۔

۹) ادارہ سائنسی ایجادات و انکشافات کا قیام: ایک ایسے ادارے کی شدید ضرورت ہے جو ملک کے ٹیلنٹ کی حوصلہ افزائی کرے خصوصا سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں تحقیق اور ایجادات میں طلبہ کی بھرپور مدد کرے اس وقت ہمارے ملک میں بے شمار ٹیلنٹ موجود ہے جو گران قدر تحقیقی اور تخلیقی کام کر سکتا ہے جس کا ملک و قوم کو بہت زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے مگر ابھی تک کوئی ایسا منظم اور مربوط ادارہ نہیں جو اس سلسلہ میں تخلیقی کام (خصوصا سائنسی ایجادات وانکشافات کے حوالے سے) کرنے والے افراد کی حوصلہ افزائی کرے اور ان کے کام میں معاونت فرہم کرے۔

اگر حکومت ایسا ادارہ قائم کر دے اور ہر نئی ایجاد یا تحقیق پیش کرنے والے طالب علم کو اس ادارے کا ممبر بنا دیا جائے اور اسے کچھ خصوصی مراعات اور انعامات دیئے جائیں تو ملک کا ذہین طبقہ کمال دکھا سکتا ہے، اور پھر اس ادارے کو ملکی انڈسٹری سے منسلک کرنے سے جہاں نئی ایجادات کو فوری طور پر مارکیٹ میں لا کر عوام کو فائدہ پہنچایا جا سکے گا وہاں ان طلبہ کو رائلٹی کی مد میں اپنی محنت کا صلہ جلد ملتا نظر آئے گا جس کی وجہ سے یہ موجد طلبہ اور محققین مزید اپنے کارنامے دکھانا شروع کر دیں گے پھر وہ دن دور

نہیں ہو گا جب پاکستان کا نام بھی دنیا میں جگمگ کر رہا ہو گا آخر پاکستانی قوم کسی سے کم نہیں بس اس کے راستے سے پتھر اور کانٹے ہٹانے کی ضرورت ہے۔

ایسے ادارے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ قوم کو کافی عرصہ تک اس کشمکش میں مبتلا نہ رہنا پڑے گا کہ گاڑی پانی سے چل سکتی ہے یا نہیں یا پھر سو فیصد پانی پر چل سکتی ہے یا اسی فیصد پانی پر، چند ہی دنوں میں دودھ دودھ اور پانی پانی ہو جائے گا اور دعوے کی صداقت کی صورت میں نہ صرف ملک بلکہ دنیا میں انقلاب آجاتا۔

اس ادارے کے قیام سے روزگار کے ہزاروں مواقع کھلتے جس سے دہشت گردی کم کرنے میں مدد ملے گی کیونکہ دہشت گردی کی ایک بڑی وجہ احساس محرومی ہے جب ایک محروم نوجون طبقاتی خلا دیکھتا ہے اور اسے اپنی صلاحیتوں کے اجاگر کرنے کا موقع نہیں ملتا تو وہ سسک سسک کر مرنے کے بجائے ایک دم سے خود کو ختم کرنا چاہتا ہے مگر جاتے جاتے اپنے ساتھ کئی بے گناہوں کو تباہ کرنا چاہتا ہے، ایسے شخص سے تعلیم و تربیت کا بھی اثر ختم ہو جاتا ہے کیونکہ بھوکے آدمی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا حضور ﷺ نے باقاعدہ فقر سے پناہ مانگی ہے اور اسے کفر کا ذریعہ بھی قرار دیا ہے ایک حدیث میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ)) (۲۰)

"اے اللہ! میں کفر اور فقر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں"

۱۰) سیاسی اثر رسوخ کا خاتمہ: تعلیمی اداروں کے نظام میں سیاسی مداخلت انتہائی تباہ کن ہے اس لیے ان میں کسی بھی قسم کی مداخلت جرم قرار دی جائے اور ملازمین کے سروس قوانین کو جدید خطوط پر استوار کر کے ان پر عمل یقینی بنایا جائے اور ان کے تحفظ کا تعلیمی محتسب کا ضامن بنا دیا جائے تاکہ اساتذہ یکسو ہو کر تدریس جاری رکھ سکیں انہیں یہ اندیشہ و خطرہ نہ ہو کہ ان کے خلاف سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے کوئی غیر قانونی سلوک کیا جائے گا۔

۱۱) مسجد کے کردار کا احیاء: اسلامی معاشرے میں مسجد کا انتہائی اہم کردار ہے یہ کسی بھی بچے کی ماں کی گود کے بعد عموماً پہلی درسگاہ ہوتی ہے اور مرتے دم تک ہر مسلمان کا اس سے وابستہ رہتا ہے مگر آج ہمارے معاشرے میں اس کا کردار محدود ہو کر رہ گیا ہے یہ ہر محلے میں بنی بنائی ایک تیار درسگاہ ہے جس کو فعال

بنانے کے لیے کسی بھی دیگر پرائمری سکول سے بہت کم وسائل درکار ہوتے ہیں مگر ہم بحیثیت قوم اس سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہیں اور یہ صبح سے ظہر تک مقفل کر دی جاتی ہے جو کہ ایک قومی المیہ ہے۔ اس کو ایک منظم اور مربوط نظام کے تحت فعال کرنے کی ضرورت ہے

۱۲) **تعلیمی تھنک ٹینک کا قیام:** ملک میں وفاقی سطح پر ایک تعلیمی تھینک ٹینک کی اشد ضرورت ہے جو ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں ہونے والی تعلیمی سرگرمیوں اور نصابی معاملات کے بارے میں ماہرین تعلیم کی مشاورت سے تجاویز پیش کرے۔

اگر ہم سب مل کر تعلیمی میدان میں ان بکھرے کانٹوں کو اٹھانے میں کامیاب ہوگئے اور مطلوبہ کردار کے طلباء ہمارے اداروں سے نکلنے لگ گئے تو ہمارا ملک نہ صرف دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے گا بلکہ بیرون ملک پاکستان کا نام روشن کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کا آفاقی پیغام نسل انسانیت تل پہنچا کر اپنی دنیا کے ساتھ اپنی آخرت بھی سنوار سکتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱) بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل (۱۴۲۲ھ) صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، طبع اول ج ا ص ۱۱ حدیث ۱۰

۲) حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہ السلام ثم جاء بها إبراهيم وبابنها إسماعيل وهي ترضعه، حتى وضعهما عند البيت عند دوحة فوق زمزم في أعلى المسجد قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر (۲۰۰۶) احکام القران للقرطبی مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، طبع: اول ج:۹ ص:۳۶۸

۳) سورۃ ابراہیم : ۳۵

4 According to a source there are more than two lakh educational institutions in Pakistan at the elementary,secondary, upper secondary, and higher education levels. The education is organized as follows(Gottsleben,1988, See: A Comparative Study on Vocational Training Structure of Pakistan with Britishand German Model Dr. Iftikhar Hussain Shah Director, Research TEVTA Lahore, Pakistan International Journal of Business and Social Science Vol. 2 No.1; January 2011

۵) بی بی سی کے طاہر خان کے مطابق مختلف ذرائع سے حاصل کردہ اعداد و شمار کے مطابق ان مدارس میں مجموعی طور پر رواں سال کے لیے ایک لاکھ پچپن ہزار سے زائد طلباء و طالبات کا اضافہ ہوا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق طلباء و طالبات میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مدارس کی طرف سب سے زیادہ رجحان دیکھنے میں آیا اور مجموعی طور پر وفاق المدارس سے ملحقہ مدارس میں طلباء کی تعداد میں چالیس فیصد سے زائد اضافہ ہوا۔
اس کے علاوہ تنظیم المدارس کے مدارس میں طلباء کی تعداد میں بیس فیصد، رابطہ المدارس الاسلامیہ پاکستان اور وفاق المدارس السلفیہ کے مدارس میں اٹھارہ فیصد جبکہ وفاق المدارس الشیعہ میں دس فیصد زیادہ طلباء و طالبات رجسٹر ہوئے۔
غیر رجسٹر شدہ مدارس میں سے اکثر مدارس تبلیغی جماعت کے زیر انتظام ہیں اور ان مدارس میں طلباء کی تعداد میں اس سال پینتیس فیصد کے قریب اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔
http://www.bbc.co.uk/urdu/pakistan/2010/10/101006_madarsa_students_rise.shtml

۶) بخاری ج ۲ ص ۵ ح ۸۹۳

۷) بخاری ج۳ص۱۲۹ح۲۴۴۹

۸) مسلم، مسلم بن حجاج قشیری (۱۹۹۱ء) صحیح مسلم، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اولج۴ص۱۹۹۷ح۲۵۸۱

9 The number of Pakistani expats in Saudi Arabia is consistently increasing and currently exceeds 1.5 million . The report said that the total number of Pakistani workers deployed in the Kingdom has doubled during the last seven or eight years. The UK, US and UAE are other countries with a significant Pakistani population, which varies from 1.2 million to 1 million. The remittances of Pakistani workers from the Kingdom have increased significantly to about $3 billion annually
Pakistani Ambassador Mohammed Naeem Khan was commenting on a report of the Bureau of Emigration & Overseas Employment (BEOE), a regulatory body of the Pakistan government, which controls workers' employment and the emigration process.
Pakistanis are the second largest ethnic group in the UAE, constituting 21% of the country's total population.[1] They are the third largest overseas Pakistani community, See http://www.arabnews.com Published - Wednesday 29 August 2012; http://en.wikipedia.org/wiki/Pakistanis_in_the_United_Arab_Emirates

10 Saudi Arabia beheads sixth Pakistani in three weeks; See http://www.dawn.com/news/1142712 Published Nov 06, 201

۱۱) حضور ﷺ کا فرمان ہے: إن أحب الأعمال إلى الله ما دام وإن قل (اللہ تعالی کے ہاں پسندیدہ اعمال وہ ہیں جو مستقل ہوں اگرچہ وہ تھوڑی مقدار میں ہوں)، دیکھیے: بخاری ج۷ص۱۵۵

12 Arfa Abdul Karim Randhawa was a Pakistani student and computer prodigy who became the youngest Microsoft Certified Professional (MCP). See : http://en.wikipedia.org/wiki/Arfa_Karim

13 Pakistan's education system faces long-standing problems in access, quality, and equal opportunity at every level: See : Education System Reform in Pakistan: Why, When, and How? Policy Paper No. 76 January 2014 by Mehnaz Aziz Children's Global Network, Pakistan and others.pp no 1.

14 This research indicates toward the effectiveness of training in education sector in Pakistan. A significant difference between the trained and untrained teachers in specific area of performance indicates the role of training to ensure an effective classroom performance. The performance of the teachers in specific area is evaluated and a significant difference was found. Trained teachers

are found more effective in their performance than untrained teachers. See :Global Journal of HUMAN SOCIAL SCIENCE Linguistics & Education ,Volume 13 Issue 3 Version 1.0 Year 2013 Type: Double Blind Peer Reviewed International Research Journal Publisher: Global Journals Inc. (USA) Online ISSN: 2249-460x & Print ISSN: 0975-587X.

15 There is a serious mismatch between the jobs demanded by the emerging needs of the economy and the supply of skills and trained human resource in the country. See : Enhancing Vocational Training for Economic Growth in Pakistan. Article By USMAN MUSTAFA, KALBE ABBAS, and AMARA SAEED ,The Pakistan Development Review 44 : 4 Part II (Winter 2005) pp. 567–584

۱۶) صرف وفاق المدارس العربیہ ملتان سے ۱۸۶۷۷ مدارس کا الحاق ہے اٹھارہ ہزار چھ سو ستتر (۱۸۶۷۷) مدارس وجامعات کام کر رہے ہیں۔ان مدارس میں ایک لاکھ آٹھ ہزار چونسٹھ اساتذہ کرام خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ جبکہ تیئس لاکھ چار ہزار پانچ سو بارہ طلبہ/طالبات زیر تعلیم ہیں۔وفاق المدارس سے اب تک فارغ التحصیل ہونے والے علماء کی تعداد ایک لاکھ انیس ہزار آٹھ سو بانوے،عالمات کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار اٹھائیس اور حفاظ کی تعداد نولاکھ پچیس ہزار ایک سو بانوے (۹۲۵۱۹۲) ہے۔ دیکھیے: http://www.wifaqulmadaris.org

۱۷) کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے بدترین انسان (فرعون) جس نے خدائی کا دعوی کر لیا تھا، سے بات کرنے کے لیے اس دور کے سب سے افضل ترین انسان (حضرت موسی علیہ السلام) کو فرمایا **قولا له قولا لينا** مگر آج ہم صرف فقہی اجتہادی اختلاف پر وہ فتنہ برپا کرتے ہیں، جس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **والفتنة اشد من القتل** (فتنہ تو قتل سے زیادہ سخت ہے)۔ہم دوسرے پر الزام لگاتے وقت یہ سوچتے ہی نہیں کہ کہیں خود ہم ہی تو مجرم نہیں بن رہے؟ حضور ﷺ کا یہ فرمان تو بھول ہی گئے ہیں؟ ((**من دعا رجلا بالكفر او قال عدو الله، وليس كذلك، الا حارعليه**)) (یعنی جو شخص کسی کے کفر کا دعوی کرے یا اسے اللہ کا دشمن کہہ دے اور وہ اس طرح نہ ہو تو یہ بات واپس اسی پر لوٹے گی)۔

۱۸) محمد امین، ڈاکٹر، ہمارا دینی نظام تعلیم، طبع اول، لاہور، دارالاخلاص، (۲۰۰۴)

۱۹) دیکھیے: صدارتی آرڈیننس نمبر XL مجریہ اگست ۲۰۰۱

۲۰) نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب (ندارد) سنن نسائی، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، طبع نامعلوم حدیث نمبر ۵۴۸۵؛ ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان سجستانی (۱۹۹۳) صحیح ابن

حبان، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، طبع دوم ج ۳ ص ۳۰۲ اس حدیث کو علامہ البانی اور دیگر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے مگر اس روایت کے شواہد بھی موجود ہیں۔

****

امن کے علمی مراکز: رکاوٹیں اور حل (سیرت طیبہ کی روشنی میں)

Educational Centers of Peace: Problems & Solutions (In the light of Seerah)

ڈاکٹر محمد ریاض*

ABSTRACT

The first ever educational institute established by the Prophet Muḥammad (ﷺ) at Masjid al-Nabawī was known as "*al-Ṣuffah*". In the present world, both the Islamic religious institutes (Madāris) and the secular educational institutes can play a vital role for the promotion of peace in the society. In the perspective of the subcontinent, both, the Dāru'l 'Ulūm Deoband and the 'Alī Gaṛh University produced peace loving people, who later achieved freedom for the Muslims of south Asia.

The Pakistani secular schools are mostly peace loving. They are producing human resources, which are ruling and serving the country. On the other hand, the religious schools have become the hub of religious extremism. However, such fanatics are found in both the educational systems.

We need to follow the Sunnah of our prophet (ﷺ) to learn the lesson of peace from the examples of the conquest of Makkah, the battle of the trench and from Mīthāq al-Madīnah and many other steps taken for peace by the prophet (ﷺ).

Keywords: *Peace, Islamic Civilization, Educational Institutions; Syllabus; Teacher*

* شعبہ علوم اسلامیہ، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

آسودگی قلب داخل اطمینان حقوق وفرائض کی متوازن ادائیگی اسلامی قواعد و ضوابط قرآنی ہدایات اور تعلیمات نبوی پر عمل کرنا امن کہلاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ ٱلَّذِىٓ أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَءَامَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ﴾[1] میں اللہ تعالیٰ نے جو امن ان کو عطا کیا، وہ کیا تھا؟ ان کی گذران ان کی ذریعہ تجارت تھی، سال میں دو مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ سفر پر جاتا، سردیوں میں یمن سے مال تجارت لاتے، جو گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف سے مال خرید کر لاتے جو کہ ٹھنڈا علاقہ تھا، تمام اہل عرب ان کا احترام خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے کرتے تھے اور ان کے تجارتی قافلے امن سے سفر کرتے تھے، راستے میں ان کو لوگ تنگ نہ کرتے تھے، جب کہ عربوں کی شرست میں لوگوں پر ظلم کرنا اور ان کو راستہ میں لوٹنا شامل تھا، اس آیت میں امن بمقابلہ خوف استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا بدامنی سے مراد وہ تمام خطرات ہیں، جو کسی شخص کے اطمینان کے خاتمہ کا سبب بنیں۔

تعلیمی اداروں سے مراد جہاں قومی سطح پر مرد و عورت کو تعلیم دی جاتی ہے۔ انسانی ضرورت میں دو چیزیں روحانی اور جسمانی ضرورت نہایت ہی اہم ہیں، وہ ہیں۔

روحانی ضرورت میں تعلیم و علم ہے اور جسمانی ضرورت میں خوراک ولباس اور رہائش ہے۔ انسان کو پیدائشی طور پر ان دونوں ضرورتوں سے نوازا گیا ہے۔ کائنات ارضی پر انسان کے علاوہ باقی تمام مخلوقات جو ﴿ وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ ﴾[2] کے تحت پروان چڑھتی ہے۔ تمام ذی حیات اپنی زندگی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کائنات کی رنگینی میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ لیکن انسان کا تعلق کائنات خلیفہ فی الارض کے تحت ہے۔ اس کو خلافت کی اہم ذمہ داری سے سرفراز کیا گیا ہے۔

آدم علیہ السلام کی نامزدگی خلافت کا اظہار جب فرشتوں پر رب العلمین نے کیا تو انہوں نے اس (انسان) کو قیام امن کے خلاف بر زبانِ قرآن یوں پیش کیا۔

﴿ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ ٱلدِّمَآءَ ﴾[3]

(کیا تو ایسے انسان کو اس میں پیدا کرنا چاہتا ہے جو اس (کائنات ارضی) میں فساد برپا کرے گا اور ناحق خون بہائے گا۔)

خالق ارض وسماء نے فرمایا:

﴿ إِنِّىٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾[4]

(بے شک جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔)

قیام امن کائنات ارضی میں جو بندوبست کی صورت میں مشیتِ الٰہی تھی کہ پہلا انسان جو پہلا نبی ہو گا، وہی پہلا معلم ہو گا۔

علم وجہ عظمتِ انسانی:

زرنوجی "تعلیم المتعلم" میں رقمطراز ہیں کہ علم انسان کا امتیازی وصف ہے دوسرے تمام اوصاف مثلاً شجاعت، جرات، قوت، سخاوت اور شفقت وغیرہ میں دوسرے جاندار بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں مگر صرف علم ہی ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان دوسرے جانداروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر برتری دلائی اور انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا علم کو یہ امتیاز اس وجہ سے حاصل ہے کہ علم تقویٰ کے حصول کا ذریعہ ہے اور تقوی ہی عزت و شرف اور دائمی سعادت کے حصول کا سبب ہے۔

قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾ (۵)

(تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے اللہ رب العزت کے نزدیک جو تم میں سے سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو۔)

یہی وہ علم ہے جس کی بنیادی بعثت انبیاء ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسانیت نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی اور جہالت سے نہیں بلکہ علم اور روشنی سے کیا ہے تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے خالق نے اسے جس چیز سے نوازا وہ علم ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے انبیاء کرام مبعوث ہوئے وہ تمام زیور علم سے آراستہ تھے اور انہوں نے اپنی اقوام کو علم سیکھانے کی کوشش کی اور انہیں تحصیل علم کی ترغیب دی کیونکہ نبوت کا بنیادی وظیفہ ہی بنی نوع انسانی کو علم و حکمت سکھانا ہے (۶)۔

آپ ﷺ کی تربیت و تعلیم کا نتیجہ:

آپ ﷺ کی اس تعلیم و تربیت کے ذریعہ ایسا امن پیدا ہوا جس کی مثال پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے۔

تہامہ: اس تعلیم کے نتیجہ میں نجد کے وحشی، تہامہ کے بدو یمن کے مسکین دوش بدوش کھڑے ہونے پر نازاں ہورہے ہیں۔ عبد اللہ بن سلام یہودیت، ورقہ بن نوفل عیسائیت، عثمان بن طلحہ ابراہیمیت کی مسند، امامت چھوڑ کر اسلام کے خادم شمار کئے جانے پر فخر محسوس کرتے ہیں، اسی تعلیم کے نتیجہ میں بت پرستوں کے زر خرید غلام بلال حبشی جن کو عمر فاروق جیسی عظیم شخصیت بھی سید سید (آقا، آقا) کہ کر پکار رہے ہیں۔ وہی ابوسفیان بن حرب جو سات سال تک مسلمانوں کے مقابلہ میں فوجیں لاتا رہا، اور مسلمانوں کے خلاف پورے ملک عرب میں آتش فساد بھڑکاتا رہا، اسلام لانے کے بعد امن کا داعی بن کر نجران کے عیسائی علاقہ پر حکومت کرتا ہے۔

وہ عبد یالیل ثقفی جس نے طائف کے میدان میں بچوں کو پتھر اؤ کرنے کے لئے آپ ﷺ کے پیچھے لگادیا تھا، آخر مدینہ میں حاضر ہوکر داعی امن بن کر واپس ہوتا ہے۔ یہ سب کرشمہ سازی اس پاک تعلیم کی ہے، جس نے دشمنوں کی دشمنی کو دوستی میں بدل دیا، جن کے دشمن جان نثار بن گئے، راہزن محافظ بن گئے۔ اکثر انبیاء نے معجزے دکھائے، لاٹھی، سانپ، پتھر، دریا، آگ کا گلزار ہونا، آپ ﷺ نے عظیم الشان معجزہ یہ دکھایا، دلوں میں انقلاب امن پیدا کیا، روحوں کو جلابخشی، شقاوت اور بدبختی کے پردلوں کو نور ایمان سے منور کیا، خادم برپا کرنے والوں کو امن کا سبق دیا۔

دعوت امن کے لئے اسلام کے سنہری اصول:

اسلام کا مقصد اول دنیا میں امن قائم کرنا اور بدامنی فساد کا خاتمہ کرنا ہے۔ اچھے اعمال کی وجہ سے دنیا میں امن اور بہرے اعمال فساد وتباہی کا سبب بنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

﴿ ظَهَرَ ٱلْفَسَادُ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِى ٱلنَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ ٱلَّذِى عَمِلُوا۟ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ (۷)

(خشکی اور تری میں فساد کا سبب لوگوں کے بداعمال ہیں۔)

اعمال صالحہ میں صداقت، امانت، دیانت حقوق العباد کا خیال رکھنا: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

«عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدِّيقًا ، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ

فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا» (۸)

سچ کو لازم پکڑلو سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جب تک بندہ سچ بولتا ہے سچائی تلاش کرتا ہے اللہ کے ہاں اسے صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے اپنے آپ کو بچاؤ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتا ہے بندہ جھوٹ بولتے بولتے عند اللہ کذاب لکھا جاتا ہے۔

سچائی ایک ایسی خوبی ہے جس کی بناء پر لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں اور جھوٹ ایک ایسی خامی ہے جس کی بناء پر لوگوں کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ صداقت علامت امن ہے اور جھوٹ فساد اور دہشتگردی کی نشانی ہے۔

حقوق العباد میں عدالت کا اہم کردار ہے، رسول اللہ ﷺ نے جو سبق دیا اس میں آپ نے غیر مسلموں کے فیصلے بھی کئے اور غیر مسلم اپنے فیصلے آپ کے پاس اس لئے لاتے تھے، وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کبھی بھی بے عدالتی سے کام نہیں لیتے اور قرآن پاک میں بھی یہی حکم اللہ نے دیا ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ اعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (۹)

(کسی قوم سے دشمنی تم کو اس بات پر نہ ابھارے کہ آپ انصاف سے کام نہ لیں انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔)

یہ تھے وہ تعلیمی ادارے جن سے درس امن حاصل کرنے والے دنیا کے کونے کونے میں امن کی صدا لے کر پہنچے اور دنیا سے فساد کا قلع قمع کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو صلح نامہ لکھا اس کی عبارت یہ تھی۔

«هَذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ» ، فَقَالُوا: لَا تَكْتُبْ رَسُولُ اللهِ، فَلَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ لَمْ نُقَاتِلْكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: «امْحُهُ» ، فَقَالَ: مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ، فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ » (۱۰)

یہ صلح نامہ رسول اللہ ﷺ اور مشرکین بولے محمد رسول اللہ مت لکھے اگر اس پر ہمارا یقین ہو کہ آپ ﷺ کے رسول ہیں تو پھر جنگ کس بات پر ہے آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا مٹادے رسول اللہ کا لفظ حضرت علی نے عرض کی میں تو اس الفاظ کو نہیں مٹاتا پس آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اسے خود مٹایا۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو درس امن دیتے تھے چونکہ یہ مقام صلح تھا، اگر آپ ﷺ اس پر ڈٹ جاتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ بات کہتے کہ ہم تو رسول اللہ ﷺ کا لفظ نہیں مٹاتے تو صلح ناممکن نہ تھی، بلکہ فساد کا خطرہ تھا، فریقین کے درمیان جنگ شروع ہو جاتی۔ اس لئے آپ ﷺ کی تربیت اور تعلیم کی بنیاد ہی امن کا قیام ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیم کے مقاصد پوری دنیا سے فتنہ وفساد کا خاتمہ کرنا اور عالم کائنات میں امن کا قائم کرنا تھا۔

یہ آپ ﷺ کی تعلیم چلتے پھرتے ہوئے ہوتی تھی اور جو ادارے آپ ﷺ نے قائم کئے، ان کے اندر بھی امن کی تعلیم کے دروس ہوتے تھے اور قیام امن حقیقت میں دنیا سے کفر وضلالت اور شرک کا خاتمہ ہے، چونکہ ان عقائد سے دنیا میں بدامنی پیدا ہوئی ہے۔

پاکستانی تعلیمی ادارے: غیر مسلموں نے تعلیمی اعتبار سے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، دنیاوی تعلیم کے ادارے اور دینی ومذہبی تعلیم کے ادارے۔ اول الذکر میں دنیاوی علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں، اور ثانی الذکر سے مراد دینی مدارس جن میں خالصتاً مذہبی تعلیم دی جاتی ہے، ہماری بحث کا تعلق اول الذکر اداروں سے ہے، دینی مدارس میں تو وہی تعلیم دی جاتی ہے، جس کا مشن قیام امن کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تقسیم ہند سے قبل سرسید کی یہ کوشش تھی کہ ملک میں امن کو قائم کیا جائے، مسلم اور غیر مسلموں کا آپس میں اختلاف ختم کیا جائے، اس مقصد کے لئے انہوں نے ۱۸۵۹ء میں مرادآباد میں مدرسہ قائم کیا جو کہ بعد میں کالج کے درجہ تک پہنچا[11]۔

بعد میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد مسلمانوں کو دونوں تعلیموں سے روشناس کروانا تھا تا کہ اسلام اصل مقصد قیام امن وجود میں اس کے ان اداروں

کے اساتذہ میں سے علامہ شبلی نعمانی جیسی عظیم شخصیات بھی ہیں، جنہوں نے اپنے علمی ذوق سے ایسے نامور شاگرد پیدا کیے، جنہوں نے قیام امن کے لئے اپنے جوہر دکھائے، ان شاگردوں میں سید سلیمان ندوی جیسے نامور شاگرد موجود تھے (۱۲)۔

بطوراختصار صرف ان دومدارس کاذکر کیاگیاہے، مدارس سے میری مراد تعلیمی ادارے ہے۔بقیہ بحث موجودہ تعلیمی ادارے جس میں پرائمری تایونیورسٹی لیول تک مدارس ہوگی، سرسری طور پرہم ان کاالگ ذکر کریں گے اوریہ تحریر بالترتیب تعلیمی اداروں پر مشتمل ہوگی۔جن میں قیام امن پر بحث سیرت طیبہ کی روشنی میں کی جائیگی۔

پرائمری سکولز: یہ وہ بنیادی ادارہ ہے جس میں بچوں کو ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے۔اس سکول کی تعلیم کے ساتھ والدین کاتربیت کا تعلق بھی قیام امن ممدومعاون ثابت ہوتاہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

«مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ » (۱۳)

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اگر یہودی ہوں تو یہودی بن جاتاہے اوراگر عیسائی ہوں تو بچہ بھی عیسائی ہوگا مجوسی ہوں تو بچہ بھی مجوسی ہوگا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتاہے کہ قیام امن میں والدین کاہاتھ اوردخل بھی ہوتاہے چونکہ اصل تربیت توالدین کی ہوتی ہے اوردوسرے نمبرپر بچے کو جو تعلیم دی جائے گی،اس پر اس کا اثر ہوگا۔ اگر اساتذہ اچھے ہوں تو یہ تعلیمی ادارہ قیام امن میں اپناکردار اداکر سکتا ہے۔اساتذہ کے ساتھ نصاب کا بھی اس میں عمل دخل ہے، دونوں اسلامی نہج پرہوں تو تعلیم کااصل مقصد قیام امن سیرت طیبہ کی روشنی میں عمل میں آسکتاہے، جبکہ بچے کو اچھے اوصاف والے اقدار سے روشناس کرایاجاسکتاہے۔مثلاً اعلیٰ اخلاق صداقت، امانت، عدالت جیسے اوصاف سے جب بچہ متصف ہوگا، تو یہ عملی صورت ہوگی۔ قیام امن کی یہی بچہ بڑاہوکر معاشرے میں امن قائم کرنے والاایک فرد ثابت ہوگا۔

مڈل اور ہائی سکول: انسانی کی بہتر کارکردگی کا معیار اس کی تعلیم اور تربیت دونوں پر ہے اکیلی تعلیم بغیر تربیت کوئی اچھا مقصد نہیں رکھتی قرآن کریم میں بھی جہاں ایمان کا ذکر ہے وہاں اعمال صالحہ کا بھی ذکر ہے سورۃ العصر میں فرمایا:

﴿ وَٱلۡعَصۡرِ ۝١ إِنَّ ٱلۡإِنسَٰنَ لَفِي خُسۡرٍ ۝٢ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوۡاْ بِٱلۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡاْ بِٱلصَّبۡرِ ﴾(۱۴)

(قسم ہے زمانہ کی پوری انسانیت خسارہ میں ہے ماسوان لوگوں کے جنہوں نے ایمان لایا اور اعمال صالحہ کئے۔)

ظاہر ہے اعمال صالحہ تعلیم کے ساتھ اچھی تربیت کا نتیجہ ہوتے ہیں، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو، تو اسے نماز سکھائی جائے، جب دس برس ہو تو اسے نماز نہ پڑھنے پر سزا دی جائے، یہ عملی تربیت کی طرف اشارہ ہے۔

سکول کے اس حصہ میں بچوں پر کڑی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ اس عرصہ تعلیم میں جوانی کے جذبات شروع ہو جاتے ہیں۔ مگر فہرست اس بات پر ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں کا نصاب غیروں کے اشاروں پر مرتب ہوتا ہے۔ عربی برائے جماعت ششم میں ہے اول مکمل مع ترجمہ تھا جس کو اب نئی عربی سے خارج کر دیا گیا ہے۔ عربی برائے جماعت ہفتم میں مکمل سورۃ آل عمران مع ترجمہ شامل تھی، موجود کورس سے خارج کر دی گئی ہے، اب اس کتاب میں قرآن کی کوئی سورۃ نہیں ہے، یہ کتاب اتنی مشکل ہے، جو طلبا کی فہم سے بالا ہے۔ اسی طرح جماعت ہشتم کی عربی میں سورۃ یٰسین، یوسف، واقعہ شامل تھیں ان سورتوں کو موجودہ نصاب عربی سے خارج کر دیا گیا ہے میری اس گفتگو کا تعلق سے ہے۔

کالج اور یونیورسٹیز: یہ تعلیم کا وہ مرحلہ ہے، جس میں بچہ جوان عاقل بالغ ہو جاتا ہے، اس کی اعلیٰ کارکردگی اور اچھے کردار کے لئے درج ذیل دو چیزوں کا ہونا ضرور ہے:

۱۔ اچھے اور قابل، محنتی اور صالح اساتذہ جو دین اسلام سے واقف ہوں اور جن کے دلوں میں اسلام کی حقانیت موجود ہو اسلام کا درد رکھنے والے ہوں۔

۲۔ اچھا نصاب بہترین نصاب ہی طالب علم میں قلبی انقلاب کی ضمانت دے سکتا ہے۔

یہ نصاب بصورت اسلامیات تو موجود ہے، مگر دیگر اساتذہ بحیثیت مسلمان اس طالب علم کو اسلام کی باتیں بتائیں اور اسے اسلام کی محبت کا سبق دیں اقدار حسنہ کی تصویر پیش کریں، تو اس کے نتیجہ میں وہ طالب علم معاشرے کا قیمتی سرمایا ہو گا، جو فساد فتنہ جیسے معاشرے کے ناسور کو امن میں تبدیل کرنے کا سبب ہو گا۔جب کہ اچھی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے استاذ اور طالب علم کا فرق اور احترام معاشرے سے ختم ہو چکا ہے، استاد شاگرد دونوں اکھٹے ایک مجلس میں سگریٹ نوشی کرتے ہیں، آزادانہ گفتگو استاذ اور شاگردوں کا فرق ختم کر رہی ہے۔

تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے جس کے درج ذیل چار بنیادی عناصر ہیں:

۱۔مقاصد تعلیم

۲۔نصاب

۳۔طرق تدریس

۴۔جائزہ

نصاب:

ان سب میں اہم عنصر نصاب ہے جو کہ تعلیم کا مرکز ہے جس کے مطابق ہر ادارہ اپنے فرائض بجالاتا ہے اور قومی مقاصد تعلیم حاصل کرتا ہے۔

مشہور ماہر تعلیم ڈاکٹر عبدالعزیز نے یہ تعریف کی ہے:

> نصاب سے مراد وہ جملہ افکار وافعال ہیں جن سے بچے کی زندگی اندرون مدرسہ یا بیرون مدرسہ متاثر ہوتی ہے اور جو اس کی شخصیت کی تعمیر میں برائے راست یا بالواسطہ معاون ثابت ہوتے ہیں۔طالب علم کی قرات وکتابت اس کے لمحی وسماجی روابط، اس کی ذہنی واخلاقی نشوونما جذباتی جیسی زندگی غرض اس کی زندگی کا ہر پہلو جو اسے متاثر کرتا ہے نصاب میں شامل ہے[۱۵]۔

اسلامی نصاب تعلیم: اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں دین ودنیا الگ الگ نہیں ہیں بلکہ یہ ایک ایسا عالمگیر دین ہے جو دونوں کیر اہنمائی کرتا ہے اس سلسلہ میں معاش ومعاد الگ نہیں ہیں، بلکہ ایک ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ان دونوں نصابوں پر توجہ دی جاتی تھی، اور تعلیم

قرآن وحدیث کے ساتھ فقہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، بنوعباس اور بنوامیہ کے دور میں علوم وفنون کے شاندار ترقی کی باقاعدہ نصاب مقرر ہوئے، قرآن وحدیث فقہ تفسیر کے ساتھ علم ہئیت، طب، فلسفہ منطق وہندسہ کے علوم پڑھائے جاتے تھے، مگر ان تمام علوم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول رہا ہے[۱۶]۔

بد قسمتی سے موجودہ دور میں نصاب تعلیم معقولات اور منقولات کو الگ الگ کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں تقایم کر دی گئی ایک وہ نصاب جو کہ خالص دینی ہے دینی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے اور دینی طلباء کو منقولات، سائنسی علوم (جو کہ موجودہ دور میں مدوج ہیں) سے بالکل واسطہ نہیں ہوتا ہے۔ اور جو لوگ سکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ دینی تعلیم سے محروم ہوتے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ نہ خدا ہی ملا نہ وصال ضم پر دو جانب مقاصد پورے نہیں ہوتے لہٰذا ایسا نصاب تعلیم قیام امن میں کردار ادا نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے سکولوں میں تعلیمی نصاب ایسا مقرر ہو جس سے دین و دنیا دونوں مقاصد حاصل ہو سکیں۔ اسی طرح دینی مدارس میں بھی معقولات کا علم پڑھایا جائے اس سلسلہ میں تجاویز آخر میں دی جائیگی۔

نصاب سازی کے لئے تجاویز:

پاکستانی نظام تعلیم کو پاکستانی اور اسلامی نظام تعلیم کہنا اس کے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔ یہ وہی نظام تعلیم ہے جو ہمیں انگریز کی جانب سے ورثہ میں ملا ہے۔ چونکہ ہم نے پاکستان کو اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا اس لئے وقتی ضرورت کے تحت اسی نظام تعلیم میں عربی واسلامیات کے مضامین کا اضافہ کر کے اسے ہم نے مشرف بااسلام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ذیل تجاویز دی جاتی ہیں۔

۱۔ پرائمری نصاب: اس نصاب کے لئے پرائمری اساتذہ کو شامل کر کے ان سے تجاویز لیں جائیں۔ جب کہ اس نصاب کی تشکیل کے لئے ثانوی تعلیمی بورڈ، صوبائی ٹیکسٹ بورڈ اور ہائی سکول کے اساتذہ نصاب کی تشکیل کے لئے مشورے میں شامل ہوتے ہیں، لہٰذا اس کا زیادہ مستحق وہ پرائمری کا استاذ ہے، جس کا اس نصاب سے اور بچوں سے واسطہ پڑتا ہے۔

۲۔ **نصاب کا اسلامی بنانا:** نصاب کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے دینی اور دنیاوی تعلیم کا نظریہ ختم کر کے اسے یکجا کیا جائے پرائمری سطح پر قاری پوسٹ یعنی معلم قاری ہو، جو بچوں کو قرآن پاک ناظرہ احسن طریقہ سے پڑھائے۔

۳۔ **پرائمری کے نصاب میں کمی کرنا:** پرائمری نصاب میں کتب کی تعداد زیادہ ہے، کتب کی اور مضامین کی تعداد سات ہے۔ کتابیں زیادہ ہونے کی وجہ سے بچوں پر بوجھ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے پرائمری لیول پر اردو، ریاضی اور دینیات اور انگلش کے مضامین نصاب میں لازمی قرار دیے جائیں اور جماعت چہارم سے معاشرتی علوم اور سائنس کا اضافہ کر دیا جائے۔

۴۔ **مڈل کلاسز میں ترجمہ وحدیث:** مڈل حصہ میں جماعت ششم سے دیگر مضامین کے ساتھ ترجمہ، القرآن اور مناسب احادیث کا انتخاب کر کے پڑھایا جائے، عربی گرائمر کے لئے اقرا و آسان عربی از بشیر سیالکوٹی بہترین کتابیں ہیں، جو ترجمہ القرآن میں ممد ثابت ہوں گی۔ جماعت دہم تک ۱۵ پارہ کا ترجمہ پڑھایا جائے۔ اور جماعت نہم میں بلوغ المرام از حافظ ابن حجر کی کتاب الزکوٰۃ تک پڑھائی جائے۔ جب کہ جماعت دہم میں ریاض الصالحین حصہ اول پڑھائی کی تجویز دی جاتی ہے۔

۵۔ **کمپیوٹر کا پریکٹکل:** کمپیوٹر کی نصابی کتب جماعت ششم اور ہفتم میں موجود ہیں لیکن بعض سکولوں میں کمپیوٹر نہ جاننے والے اساتذہ کی وجہ سے پر کٹیکل کا فقدان ہے، اس مقصد کے لئے کمپیوٹر کا جاننے والا استاذ ہونا چاہئے۔

۶۔ **ٹیکنیکل تعلیم:** جماعت نہم اور دہم کے لئے ٹیکلنیکل تعلیم کا ہونا لازمی چاہئے، اس مقصد کے حصول کے لئے ایک متعلقہ ورکشاپ کا انعقاد سکولوں میں ہو، اور ٹیکنیکل پوسٹ پر ماہر تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ جو بچوں کو پر کٹیکل طور پر تعلیم دے سکے، تاکہ میٹرک کرنے کے بعد بچے اس قابل ہو جائیں کہ وہ اپنا معاشی نظام آسانی سے چلا سکیں، یا مزید اس پر کٹیکل تعلیم کو پر کٹیکل کالجز میں جاری رکھ سکیں۔ موجودہ دور میں اس چیز کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

قیام امن میں استاد کا کردار:

۱) **باکردار معلمین:** شاگردوں کو باکردار بنانے میں صاحب کردار معلمین کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے کیونکہ طلباء عموماً اپنے اساتذہ کی تقلید اور پیروی کرتے ہیں۔ فاسد العقیدہ اور کردار سے محروم اساتذہ اپنے

شاگردوں کی وہ ذہنی اور اخلاقی تربیت نہیں کرستے جو اسلام کو مطلوب ہے۔ کیونکہ دوسرے شعبوں میں کردار سے محروم بد دیانت افراد صرف ان شعبوں کو بگاڑتے ہیں، جب کہ نظام تعلیم میں بگڑے اور بد کردار لوگ آجائیں تو وہ پوری قوم بلکہ آئندہ نسلوں کو بھی تباہ برباد کر دیں گے، جس کے اور مستقبل میں بھی کسی صلاح وفلاح کی امید باقی نہیں رہے گی[۱۷]۔

اس لئے اسلام میں عمل اور کردار پر کافی زور دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ تم جتنا بھی چاہو علم حاصل کرو، مگر خدا ثواب اس وقت بخشے گا، جب اس پر عمل کروگے۔

اس حدیث کی تشریح امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے گویا ان الفاظ میں کی ہے کہ آدمی متقی نہیں ہو سکتا جب تک عالم نہ ہو اور علم اسے زیب نہیں دے سکتا، جب تک عمل نہ کرے۔ اور عمل وہ کرتے ہیں، جو خدا سے ڈرتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُا﴾[۱۸]

(اللہ تعالیٰ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔)

قرآن وحدیث میں علماء کی جس قدر فضیلتیں بیان ہوئی ہیں۔ یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہیں، جو علم کے ساتھ عمل کے زیور سے بھی آراستہ ہوں۔ لیکن عمل کے بغیر علم کی کوئی آفادیت نہیں۔

۲) شاگرد سے تعلق: تعلیمی علم میں چونکہ شاگرد تعلیم ہونا چی تکون کا ایک کونہ ہے اور شاگرد کے لئے استاد کی شخصیت ہمہ جہت ہوتی ہے اور ہر وقت استاد کسی نہ کسی شاگرد کو متاثر کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے معلم کو اپنے روئے اور کردار کے حوالے سے انتہائی محتاط ہونا چاہیے تاکہ امانت میں خیانت نہ ہو۔

شمائل ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے ہم نشینوں کو ہر ایک کا حق دیتے تھے۔ کسی ہم نشین کو بھی یہ وہم وگمان نہ ہوتا، کہ دوسرا شخص مجھ سے زیادہ آپ کے نزدیک ہے۔

معلم کا کام صرف معلومات کی منتقلی ہی نہیں، بلکہ مقصد کی افزائش اور کردار کی تعمیر بھی ہے اور یہ کام ذاتی تعلق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ ذاتی تعلق نہ صرف طلباء کی شخصیت وکردار میں اہم رول ادا

کرتی، بلکہ اس کی علمی ترقی کے لئے بھی مہمیز ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام میں نظام تعلیم استاد و شاگرد کا باہمی تعلق ہمیشہ بڑا اہم رہا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ چار ہزار طلباء کو پڑھاتے تھے اور ان میں سے ہر ایک سے ربط رکھتے تھے (۱۹)۔

معلم ایک مثالی شخصیت: معلم ہمارے مستقبل کے لئے ایک قوم کی تعمیر کرتا ہے اس لئے اسلام اس کو اوصاف حمیدہ سے متصف دیکھنا چاہتا وہ معلم سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ ایماندار ہو، راست باز ہو، خوش خلق ہو، جرات مند، نرم خو اور بردبار ہو۔ اپنے وقار اور عزت نفس کا خیال رکھنے والا ہو۔ احترام علم رکھتا ہو۔ علمی مشاغل میں دلچسپی رکھتا ہو اور وقت کا پابند ہو۔ معلم کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل اسوہ حسنہ ہو۔ کیونکہ معلمی پیشہ انبیاء ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ وہ حملہ اداب ملحوظ خاطر رکھے جائیں، جو اس کے متقاضی ہوتے ہیں۔ کیونکہ رسول اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ» (۲۰)

مجھے بھیجنے کا مقصد یہی ہے کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔

تکبر: غرور و تکبر ایک ایسی برائی ہے جس میں اکثر علماء اور اہل علم مبتلا ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی معلم یا عالم کسی خاص شعبے میں کمال حاصل کرلیتا ہے تو دوسروں کو کم فہم، کج عقل سمجھنے لگتا ہے عام لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور بات چیت کو کسر شان سمجھتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ کو بڑا جاننا علم کی آفت ہے (۲۱)۔

بدخو نہ ہو: متکبر شخص بدخو بھی ہوتا ہے یا ان کے رویہ کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ دوسرے متنفر ہو جاتے ہیں جب کہ معلم کے لئے نرم خو ہونا انتہائی اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے درس و تدریس میں اس کی اہمیت ان الفاظ میں بتادی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى ٱلْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَوَكِّلِينَ ﴾ (۲۲)

(اے محمد ﷺ خدا کی مہربانی سے تمہاری افتاد طبع ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔)

رسول اللہ ﷺ بھی مزاج کے سخت اور خوش اخلاق نہ ہوتے، تو تمام تر وسعت علمی جو کہ وحی سے حاصل شدہ تھی، کہ باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بالکل دور ہو جاتے۔ رسول اللہ ﷺ جیسی شخصیت جن کا قول و فعل موثر بالوحی تھا، اگر وہ بھی طبع کے سخت کلام کے درشت اور متکبر ہوتے، تو لوگ ان سے دور ہو جاتے، پھر دور حاضر کے معلمین کس زمرے میں آتے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جن اصحاب رضی اللہ عنہم کو دعوت تبلیغ کا کام سونپا، انہیں بالخصوص نرم مزاجی اور خوش خلقی اختیار کرنے کی ہدایت کی۔

اس سلسلے میں میں طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنے قبیلے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن اور حضرت عمران بن مرۃ رضی اللہ عنہ کو اپنی قوم میں بھیجتے وقت جو احکامات دیئے گئے، ان کا ایک نظر دیکھنا کافی ہے۔ ایسے افراد جن کے بارے میں آپ سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی کہ جن کے علم سے لوگ فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

حضرت داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک قیامت کے روز مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بدترین شخص وہ عالم ہو گا جس کے علم سے نفع حاصل نہ کیا جائے[۲۳]۔

دنیاداروں سے دوری: ایک معلم کا جہاں یہ فرض بنتا ہے کہ وہ علم کی منتقلی میں کوئی کسر نہ چھوڑے وہاں اس پر یہ بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ علم کی بے قدری نہ ہونے دے اور مال و دولت کے حصول کے لئے دنیاداروں کی دروازوں پر دستک نہ دیا کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے انہیں گھر آکر شہزادوں کو پڑھانے کی درخواست کی، تو جواباً فرمایا: میں علم کی بے قدری نہیں کرنا چاہتا[۲۴]۔

کیونکہ پیاسے کنویں کے پاس خود چل کر آتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ شہزادے خود چل کر ان کے درس میں عام طلباء کی طرح شریک ہوا کرتے تھے۔

علم میں بخل: اگر علم میں سخاوت آدمی کو بڑے رتبے کا مالک بنا دیتی ہے تو وہاں ایسے معلم اور عالم کے لئے سخت وعید بیان کی گئی ہے جو علم کے پھیلانے میں بخل سے کام لیتے ہیں کیونکہ علم میں بخل سے سائل روشنی

سے محروم ہو جاتا ہے اور عالم جس کی ذمہ داری علم پھیلانا ہے ایک طرح اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی کرتا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ يَعْلَمُهُ فَكَتَمَهُ جِئَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَجَّمًا بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ»(۲۵)

جس عالم سے کوئی سوال پوچھا جائے اور وہ عمدا جواب دینے سے گریز کرے تو قیامت کے دن اس کہ منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔

سب سے بڑا سخی: شہیدوں اور عابدوں پر فضیلت کے علاوہ رسول اکرم ﷺ نے معلم کی ایک صفت سخاوت بھی بیان فرمائی ہے اور یہ سخاوت مال کی نہیں بلکہ علم کی سخاوت ہے جس کا ثمرہ یوم الحساب کے موقع پر اسے انتہائی خوبصورت انداز میں دیا جائے گا۔

خلاصہ بحث:

زیر نظر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے تعلیمی ادارے قیام امن کی ضمانت دے سکتے ہیں جن میں عناصر اربعہ کا وجود سیرت طیبہ سے وابستہ ہو۔

۱۔ والدین کی تربیت کا ہونا

۲۔ ایک اچھے مخلص اور متقی باکردار معلم کا ہونا، جو اخلاق فاضلہ سے مزین ہو جو بچوں کی تعلیم اور تربیت میں مخلص ہو۔

۳۔ اعلیٰ معیار کا نصاب جس میں دین و دنیا کی آمیزش ہو قرآن و حدیث کی ہدایات موجود ہوں۔

ان تمام عناصر کو بروئے کار لانے کے لئے سیرت طیبہ کا نمونہ ضروری ہے اور تربیت کا وہ انداز سامنے رکھا جائے جو آپ ﷺ کا تھا نصاب بھی اسلامی پہنچ پر مشتمل ہو معلم بھی سیرت رسول کا پیکر ہو۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے طلبہ کی تربیت کی اور ان کو اعلیٰ اقدار کا حامل بنایا۔

اسلامی اقدار کا سرچشمہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ ہیں لہٰذا ان دونوں کو نصاب کا حصہ بنایا جائے ان میں زندگی کے تمام اقدار موجود جن سے اسلامی معاشرہ کسی صورت بھی انحراف نہیں کر سکتا ہے۔ انہی اقدار نے بنی نوع انسان کو درس انسانیت دیا صحرا نشینوں کو دنیا کا قائد و امام بنایا۔

ایک اچھے معلم کے اوصاف درج ذیل ہونے چاہئے۔

۱۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہونا۔

۲۔ سچائی اور راست بازی اپنانا۔

۳۔ اچھے اور عمدہ کردار کا مالک ہونا۔

۴۔ بدخوئی اور بداخلاقی سے پرہیز کرنا۔

۵۔ اپنی معلومات کو وسعت دینا۔

۶۔ نئے پیش آمد مسائل وعلوم سے باخبر رہنا۔

۷۔ طلباء کو پڑھانے سے پہلے رائے اسباق کو صحیح طور پر مطالعہ کرنا تاکہ طلباء کی صحیح رہنمائی ہوسکے۔

۸۔ علم پہنچاتے ہیں سخاوت اپنانا۔

یہ چند موٹے اوراچھے اوصاف ایک معلم کی ذات میں موجود ہونے سے طلباء کی تربیت پروان چڑھتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) سورۃ قریش:۴

۲) سورۃ البقرۃ:۱۶۴

۳) سورۃ البقرۃ:۳۰

۴) سورۃ البقرۃ:۳۰

۵) سورۃ الحجرات:۱۳

۶) عہد رسالت کا نظام تعلیم اور عصر حاضر، ص ۶۲، ط:۲۰۱۰

۷) سورۃ الروم:۴۱

۸) البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الأدب، باب قولہ تعالیٰ یاایھالذین اٰمنوا، الطبعہ الثانیہ ۱۹۶۱ء قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، رقم الحدیث ۶۰۹۴، ص:۱/۲۵

۹) سورۃ المائدہ: ۸

۱۰) صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب کیف یکتب ھذا ما صالح فلان ابن فلان، رقم الحدیث ۲۶۹۸ ص:۵/۳۰۳

۱۱) عالم اسلام کی اصلاحی تحریکیں محمد دین، تاج کتب خانہ محلہ جھنگی قصہ خوانی پشاور

۱۲) ایضاً

۱۳) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماقیل فی اولاد المشرکین، ص:۱/ص ۱۸۵

۱۴) سورۃ العصر:۱-۲

۱۵) پروفیسر ایم اے قریشی مجید بک ڈپو اردو بازار لاہور نصاب بی ایڈ کتاب تاریخ تعلیم

۱۶) ایضاً

۱۷) عہد رسالت کا نظام تعلیم اور عصر حاضر، ص ۱۱۵

۱۸) سورۃ فاطر:۲۸

۱۹) عہد رسالت کا نظام تعلیم اور عصر حاضر، ص ۱۱۹

۲۰) مسند ابی داود الطیالسی، واحادیث عدی بن ابی حاتم، ص:۳/۲۶۷

۲۱) کیمائے سعادت مصنف امام غزالی، ص ۴۱

۲۲) سورۃ آل عمران: ۱۵۹

۲۳) دارمی، ص:۳/۱۵۹

۲۴) عہد رسالت کا نظام تعلیم اور عصر حاضر، ص ۱۱۲ تا ۱۱۴

۲۵) تفصیل کے ملاحظہ کیجئے: ابو داود، ابن ماجہ، کتاب العلم

۲۶) بیہقی، کتاب العلم

****

نقض امن میں "ف" سے شروع ہونے والے سات عوامل کا کردار

The Role of Seven Factors Starting with the Letter "ف" in Disruption of Peace.

پروفیسر ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء*

ABSTRACT

According to the certain teachings of al-Qur'ān mentioned at four different places (4:1, 6:98, 7:189 and 39:6), all humans have their origin in a single cell or soul. One of the objectives behind these proclamations is perhaps to ensure that the unity of humanity at large and of the Muslims in particular, is never to be compromised and that the differences existing among them are to be resolved through a process of mutual understanding on the basis of the notions derived from the al-Qur'ān (2:213) and Sunnah. al-Qur'ān and Sunnah acknowledge the human diversity, rather, describe it as a functional aspect of existence, but not as structural. Referring to the Quranic verse 5:48, Allah would have made humanity a single people, but, His plan is to test them in whatever He has given to them, so they should emulate for virtues.

The present article is an attempt to shortly describe the role of the seven crucial factors in disruption of peace, all starting with the Arabic alphabet fā, i.e., Fitnah, the false Fatāwā, Fujūr, Fakhr, Furqah, Fisq and Fasād, with the purpose of developing an overall religious harmony for strengthening the inner and the outer peace. These seven factors play significant role in disturbing the stability of society. The Islamic injunctions also stress that these factors should be avoided in order to live a righteous and peaceful life.

Keywords: *Fitnah; Fatāwā; Fujūr; Fakhr; Furqah; Fisq; Fasād*

* چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف پشاور، پشاور

اختلاف ایک کائناتی سنت اور بشری خاصہ ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ ان میں سے دو ارشادات ﴿وَلَوۡ شَآءَ ٱللَّهُ لَجَعَلَكُمۡ أُمَّةً وَٰحِدَةً﴾ [1] اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امّت بھی بنا سکتا تھا۔ اور ﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخۡتَلِفِينَ﴾ [2] مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے۔ سب سے پہلا اختلاف آدم علیہ السلام کے دو صاحبزادوں قابیل اور ہابیل کے درمیان واقع ہوا تھا، جو ہابیل کے قتل پر منتج ہوا تھا[3]۔ علماء کرام نے اختلاف کے دو بنیادی اقسام محمود اور مذموم کا بارہا تذکرہ فرمایا ہے۔ اہل ایمان ہمیشہ "تنوع میں وحدت" جبکہ اہل ہوا و بدعت "وحدت میں تنوع" کے درپے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کے مطابق حقیقی امن و سکون اور ہدایت ان لوگوں کو میسر آتی ہے 'جو ایمان لا کر اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَلَمۡ يَلۡبِسُوٓاْ إِيمَٰنَهُم بِظُلۡمٍ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلۡأَمۡنُ وَهُم مُّهۡتَدُونَ﴾ [4]

(حقیقت میں تو امن انہی کے لیے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔)

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ظلم عظیم [شرک] کے مرتکبین کبھی بھی امن کی نعمت عظمیٰ سے مستفید نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ انفرادی سطح پر ذہنی انتشار کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ ایک اللہ کو نہیں، بلکہ بیک وقت کئی جعلی خداؤں کو خوش کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ جو ایک تھکا دینے والا اور ناممکن عمل ہے۔ اختلاف کو تنازعے کی طرف لے جانے اور اسے ذاتی اغراض کے لیے استعمال کرنے میں کئی عناصر کارفرما ہوتے ہیں، جن میں سے فتنہ، فتاویٰ باطلہ، فجور، فخر، فُرقہ، فساد اور فسق کا اہم کردار ہے۔ یہ تمام عوامل عربی حرف ابجد " ف " سے شروع ہوتے ہیں اور قرآن و احادیث مبارکہ میں متعدد مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ جن کی مختصر توضیح ذیل میں کی جا رہی ہے:

ا۔ فتنہ:

فتنہ کے لغوی معنی ابتلاء اور امتحان کے ہیں، عرب کہتے ہیں: "فتنت الفضة والذهب إذا أذبتهما بالنار لتميز الرديء من الجيد"[5] (یعنی میں نے سونے اور چاندی کو آگ میں پگلایا تا کہ ردی اور اچھے کی تمیز ہو سکے۔)

فرمان باری تعالی ہے:

﴿ يَوۡمَ هُمۡ عَلَى ٱلنَّارِ يُفۡتَنُونَ ﴾[٦] (انہیں قیامت کے دن آگ میں جلایا جائے گا)۔

ابن فارس کا کہنا ہے: فاء، تاء اور نون اصل صحیح ہیں جو کہ ابتلاء اور امتحان پر دلالت کرتے ہیں[٧]۔ ابن اثیر رحمہ اللہ کے مطابق: الفتنہ "امتحان اور اختبار (آزمائش) کو کہتے ہیں، اس کا کثرت سے استعمال ناپسندیدہ آزمائش میں نکلنے میں ہوتا ہے، پھر اس کا استعمال گناہ، کفر، اور قتال ولڑائی، جلانے اور زائل کرنے اور کسی چیز سے ہٹانے پر بھی ہونے لگا" [٨]۔ ابن اعرابی نے فتنہ کے معانی کی تلخیص کرتے ہوئے لکھا ہے امتحان فتنہ ہے اور آزمائش بھی فتنہ ہے اور مال واولاد فتنہ ہے، اور کفر اور **لوگوں کا آراء میں اختلاف بھی فتنہ ہے**، اور آگ کے ساتھ جلانا بھی فتنہ ہے[٩]۔

کتاب وسنت میں فتنہ کے مفاہیم: قرآن حکیم میں فتنہ درج ذیل مفاہیم میں استعمال ہوا ہے:

- ابتلاء و آزمائش:

﴿ أَحَسِبَ ٱلنَّاسُ أَن يُتۡرَكُوٓاْ أَن يَقُولُوٓاْ ءَامَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُونَ ﴾[١٠]

(کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ " ہم ایمان لائے " اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟)

- اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا:

﴿ وَأَنِ ٱحۡكُم بَيۡنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَهُمۡ وَٱحۡذَرۡهُمۡ أَن يَفۡتِنُوكَ عَنۢ بَعۡضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيۡكَۖ ﴾[١١]

(پس اے محمد! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔)

- عذاب الہی:

﴿ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُواْ مِنۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُواْ ﴾[١٢]

(بخلاف اس کے جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب (ایمان لانے کی وجہ سے) وہ ستائے گئے تو انہوں نے گھر بار چھوڑ دیے، ہجرت کی۔)

- شرک وکفر:

﴿ وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ لِلَّهِ ﴾[۱۳]

(تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔)

- معاصی ونفاق:

﴿ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ ۖ قَالُوا۟ بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَٱرْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ ٱلْأَمَانِىُّ ﴾[۱۴]

(وہ مؤمنوں سے پکار پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مؤمن جواب دیں گے ہاں، مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا موقع پرستی کی شک میں پڑے رہے اور جھوٹی توقعات تمھیں فریب دیتی رہیں۔)

- حق کے باطل سے اشتباہ:

﴿ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِى ٱلْأَرْضِ وَفَسَادٌ ﴾[۱۵]

(جو لوگ منکرِ حق ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر تم یہ نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔)

- ضلالت وگمراہی:

﴿ وَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ فِتْنَتَهُۥ فَلَن تَمْلِكَ لَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمْ يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ ﴾[۱۶]

(جسے اللہ ہی نے فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو اس کو اللہ کی گرفت سے بچانے کے لیے تم کچھ نہیں کر سکتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہ چاہا۔)

- عداوت ودشمنی:

﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِى ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ ﴾[۱۷]

(اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کر دو ﴿خصوصاً﴾ جبکہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔)

- لوگوں میں اختلاف اور دلوں کے مخالف

﴿ لَوۡ خَرَجُواْ فِيكُم مَّا زَادُوكُمۡ إِلَّا خَبَالٗا وَلَأَوۡضَعُواْ خِلَٰلَكُمۡ يَبۡغُونَكُمُ ٱلۡفِتۡنَةَ ﴾[18]

(اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے اندر خرابی کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے۔ وہ تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے۔)

- جنون و پاگل پن:

﴿ بِأَيِّيكُمُ ٱلۡمَفۡتُونُ ﴾[19]

(کہ تم میں سے کون جنون میں مبتلا ہے۔)

- آگ سے جلانا:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ فَتَنُواْ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ ثُمَّ لَمۡ يَتُوبُواْ فَلَهُمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمۡ عَذَابُ ٱلۡحَرِيقِ ﴾[20]

(جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور عورتوں پر ظلم و ستم توڑا اور پھر اس سے تائب نہ ہوئے، یقیناان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلائے جانے کی سزا ہے۔)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لفظ فتنہ کی اضافت اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی طرف یا اپنے کسی نبی کی طرف کرے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿ إِنۡ هِيَ إِلَّا فِتۡنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَآءُ وَتَهۡدِي مَن تَشَآءُۖ ﴾[21] تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں کا خیر و شر اور نعمتوں یا مصائب کی وساطت سے امتحان لے گا، جبکہ مشرک کے فتنوں، مؤمن کے مال و اولاد اور پڑوس والے فتنوں، اہل اسلام میں رونما ہونے والے فتنوں، اور اہل اسلام کے آپس کے لڑائیوں کے فتنوں کے رنگ اور ہیں[22]۔ کتب احادیث میں کتاب الفتن کے عنوان سے بہت سے فتنوں کا تذکرہ ملتا ہے، جنہیں علماء کرام نے علامات قیامت کے آغاز کے طور پر شمار کیا ہے، نقض امن کے سبب بننے والے بعض انفرادی اور اجتماعی فتنوں کا تعلق انہی فتنوں سے ہے۔

۲۔ فتویٰ

ابن فارس کے مطابق فاء، تاء اور ی کے دو بنیادی معنی ہیں: تازہ اور جدید اور کسی چیز کا حکم معلوم کرنا۔[۲۳] ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی بیان کرتے ہیں: فتیٰ کے معنی نوجوان کے ہیں، اس کی مؤنث فتاۃ اور مصدر رفتاء آتا ہے۔ کنایۃً غلام اور لونڈی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تُراوِدُ فَتاها عَنْ نَفْسِهِ﴾ والفتيا والفَتْوَى: الجواب عمّا يشكل من الأحكام" [۲۴]۔ کسی مشکل مسئلہ کے جواب کو فتویٰ یا فتیا کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ان یہود و نصاریٰ کی مذمت کی گئی، جنہوں نے احبار و رہبان کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل فتوے فتنوں کے پھیلنے کا سبب بنتے ہیں، جیسے فرمایا گیا:

﴿ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ مِنْهُ ءَايَٰتٌ مُّحْكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلْكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ ﴾[۲۵]

(وہی اللہ ہے، جس نے آپ پر کتاب اتاری۔ اس کتاب میں سے بعض آیات محکم (اپنی مراد میں واضح ہیں) ہیں اور یہی کتاب کی اصل آیات ہیں، اور دیگر متشابہات ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ انہی متشابہات کی پیروی کرتے ہیں (لوگوں میں) فتنہ اور (غلط) مطلب پھیلانے کے لئے۔)

فتویٰ دینے کا عمل انتہائی ذمہ داری، گہری بصیرت و علم او راخلاص کا متقاضی ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ» [۲۶]

"جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اس کا وبال فتویٰ دینے والے پر پڑے گا۔"

عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ لاَ يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا

جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا» (۲۷)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے لوگوں کے درمیان سے کھینچ لے گا بلکہ علماء کو اٹھا کر علم اٹھالے گا حتیٰ کہ جب ایک عالم حق کو بھی نہ باقی نہ چھوڑیں گے تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے اور انہیں سے مسائل معلوم کیا کریں گے وہ علم کے بغیر انہیں فتویٰ دیں گے نتیجہ یہ ہو گا کہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

عصر حاضر میں فتویٰ کو منظم کرنے اور مسلکی تعصبات سے دور رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسلامی نظریاتی کونسل کا حقیقی اسلامی جذبے کے ساتھ احیاء کرے۔ اور لجنۃ کبار العلماء قائم کر کے انہیں تلقین کرے کہ وہ کسی خاص مسلک کی قید کے بغیر راجح دلیل، آسانی، عرف عام اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے فتویٰ دیں۔ مزید بر آں قومی میڈیا کو بتادیا جائے کہ وہ فتاویٰ کو توڑ مروڑ کر پیش نہ کرے اور نہ ہی اس سے غلط اور بے بنیاد نتائج نکالے۔

۳۔ فجور

ابن فارس کہتے ہیں: "فاء، جیم اور راء کا بنیادی ایک ہی مطلب ہے: کسی چیز میں کھلنا۔ اور اسی سے فجر آتا ہے یعنی صبح کی روشنی کارات کی تاریکی میں نکلنا۔ اور اسی سے انفجر الماء یعنی پانی کا نکلنا بھی ہے۔ اور فجرۃ پانی نکلنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ پھر اس کا استعمال معاصی میں جھانکنے اور کھلنے کے لئے ہونے لگا، جس کو فجور کہتے ہیں۔ اور جھوٹ کو بھی فجور کہتے ہیں۔ پھر یہ استعمال بڑھ گیا یہاں تک کہ حق سے انحراف کرنے والے ہر شخص کو فاجر کہا جانے لگا" (۲۸)

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فجر کے معنی کسی چیز کو وسیع طور پر پھاڑنے اور شق کرنے کے ہیں۔ فجور کے معنی دین کی پردہ دری کے ہیں۔ فجریفجرفجورا۔ فاجر معنی بدکار اور اس کی جمع فجار اور فجرۃ آتی ہے۔ اور کبھی کبھی جھوٹ بولنے پر فجور کا اطلاق کیا جاتا ہے، کیونکہ جھوٹ فجور کی ایک قسم ہے۔ اور دعائے قنوت میں فجور سے ایک معنی جھٹلانے کے بھی مراد ہیں۔ (۲۹)

علی بن محمد جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) فجور کے اصطلاحی معنی ذکر کرتے ہیں:

الْفُجُورُ هُوَ هَيْئَةٌ حَاصِلَةٌ لِلنَّفْسِ بِهَا يُبَاشِرُ أُمُورًا عَلَى خِلَافِ الشَّرْعِ وَالْمُرُوءَةِ (۳۰)

فجور، نفس کو حاصل اس ہیئت اور حالت کا نام ہے، جس کے بسبب وہ خلاف شرع اور خلاف مروت امور کا ارتکاب کرے۔

قرآن مجید میں اس کا اطلاق کبھی تقویٰ کے مقابلے میں کیا گیا ہے:

﴿ أَمْ نَجْعَلُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ كَٱلْمُفْسِدِينَ فِي ٱلْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ ٱلْمُتَّقِينَ كَٱلْفُجَّارِ ﴾ (۳۱)

(کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لاتے اور نیک اعمال کرتے ہیں اور ان کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں؟ کیا متقیوں کو ہم فاجروں جیسا کر دیں؟)

اور کبھی نیکی کے مقابلے میں کیا گیا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝١٣ وَإِنَّ ٱلْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴾ (۳۲)

(یقیناً نیک لوگ مزے میں ہوں گے۔ اور بے شک بدکار لوگ جہنم میں جائیں گے۔)

کبھی اس کا اطلاق روشن چہرے والوں کے مقابلے میں آتا ہے:

﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝٣٨ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝٣٩ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝٤٠ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝٤١ أُوْلَٰئِكَ هُمُ ٱلْكَفَرَةُ ٱلْفَجَرَةُ ﴾ (۳۳)

(اس دن بہت سے چہرے روشن ہونگے۔ ہنستے ہوئے اور خوشیاں مناتے ہوں گے۔ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے۔ ان پر ذلّت چھائی ہوئی ہو گی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کافر (منکر) اور فاجر (نافرمان) ہیں۔)

امام ماوردی (متوفیٰ ۴۵۰ھ) فرماتے ہیں:

"اس آیت میں کفر اور فجور کو جمع کیا گیا ہے: أنهم الكفرة في حقوق الله الفجرة في حقوق العباد" (۳۴) یعنی حقوق اللہ کے معاملے میں کافر تھے، اور حقوق العباد کے حوالے سے فاجر تھے۔ اور قرآن مجید میں کفر اور فجور ان دونوں صفات کو اکٹھا ذکر کیا گیا مثلاً آیت کریمہ سورہ نوح کی آیت ۲۷: ﴿ وَلَا يَلِدُوٓاْ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾ أَيْ فَاجِرًا فِي

الْأَعْمَالِ كَافِرَ الْقَلْبِ[۳۵] "اور کسی نافرمان اور سخت منکر کے سوا کسی کو نہیں جنیں گے۔یعنی اعمال کے اعتبار سے فاجر اور دل سے انکار کرنے والے"۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے؛

«.... وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ...» [۳۶]

تم اپنے آپ کو جھوٹ بولنے سے باز رکھو کیونکہ جھوٹ بولنا فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق وفجور وفاجر کو دوزخ کی آگ میں دھکیلتا ہے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ: بِضَمِّ الْفَاءِ أَيِ: الْمَيْلِ عَنِ الصِّدْقِ وَالْحَقِّ وَالِانْبِعَاثِ فِي الْمَعَاصِي، وَهُوَ أَظْهَرُ لِلْمُقَابَلَةِ بِالْبَرِّ[۳۷]

فجور، سچائی اور حق سے انحراف اور معصیت میں داخل ہونے کو کہتے ہیں۔اور اس حدیث میں بر(یعنی نیکی) کے مقابلے میں ہونا ظاہر ہے۔

ملا علی قاری حدیث مبارکہ (وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ) کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"أَيْ شَتَمَ وَرَمَى بِالْأَشْيَاءِ الْقَبِيحَةِ"[۳۸]

لڑتے وقت گالیاں دیتا ہے، اور بے ہودہ زبان استعمال کرتا ہے۔

اگر اسلامی آداب اختلاف و اخلاق حسنہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر تقاریر میں شعلہ بیانیوں اور گالم گلوچ کی بجائے دلیل کی زبان استعمال کی جائے تو داخلی اور خارجی امن کا راستہ ہموار ہو سکتا ہے۔

۴۔ فخر

ابن منظور کے مطابق تفاخر تعاظم اور تفخر تکبر کو کہتے ہیں:

والتفاخُرُ: التَّعَاظُمُ. والتَّفَخُّر: التَّعَظُّمُ وَالتَّكَبُّرُ[۳۹]

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي ٱلْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴾[۴۰]

(لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا اور زمین پر اترا کر نہ چل کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔)

حدیث میں فرمایا گیا ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ رَجُلٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ » (۴۱)

وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا اور وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا۔

فخر و غرور اور تکبر اس وقت بربادی کا باعث بنتے ہیں، جب دوسرے انسانوں کو ہیچ اور حقیر سمجھا جائے۔ سب سے خطرناک صورت حال اس وقت پیدا ہو جاتی ہے جب حق کا اثبات آدمی کو اپنی انا توڑنے کے مترادف لگنے لگے۔ قرآن مجید میں تکبر کا یہ پہلو کئی مواقع پر زیر بحث آیا ہے۔ بندگی اور سر تسلیم خم کرنا تکبر کی ضد ہے۔ بندگی صرف اللہ کے آگے سر جھکانے، اطاعتِ رسول کرنے اور اعترافِ خطا کا نام ہے، جبکہ تکبر ہوا پرستی اور طاغوت پرستی ہے۔

۵۔ فسق

ابن فارس کہتے ہیں:

(فَسَقَ) الْفَاءُ وَالسِّينُ وَالْقَافُ كَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ، وَهِيَ الْفِسْقُ، وَهُوَ الْخُرُوجُ عَنِ الطَّاعَةِ. تَقُولُ الْعَرَبُ: فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِهَا: إِذَا خَرَجَتْ . إِنَّ الْفَأْرَةَ فُوَيْسِقَةٌ، وَجَاءَ هَذَا فِي الْحَدِيثِ۔ (۴۲)

فاء، سین اور قاف یعنی فسق اور یہ اطاعت سے نکلنے کو کہتے ہیں۔ فسقت الرطب عرب اس وقت کہتے ہیں، جب کھجور اپنے چھلکے سے باہر نکل آئے۔ اور حدیث میں چوہیا کو فُوَیسِقۃ کہا گیا ہے۔

امام راغب اصفہانی نے فسق کے لغوی اور اصطلاحی دونوں معانی ذکر کئے ہیں:

فَسَقَ فلان: خرج عن حجر الشّرع، وذلك من قولهم: فَسَقَ الرُّطَبُ،

إذا خرج عن قشره، وهو أعمّ من الكفر. والفِسْقُ يقع بالقليل من الذّنوب وبالكثير، لكن تعورف فيما كان كثيرا، وأكثر ما يقال الفَاسِقُ لمن التزم حكم الشّرع وأقرّ به، ثمّ أخلّ بجميع أحكامه أو ببعضه، وإذا قيل للكافر الأصليّ: فَاسِقٌ، فلأنّه أخلّ بحكم ما ألزمه العقل واقتضته الفطرة، قال الله تعالى: فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ (۴۳)

فسق فلان کے معنی کسی شخص کے دائرہ شریعت سے نکلنے کے ہیں۔ اور یہ عربوں کے اس قول' فسق الرطب' سے ماخوذ ہے: جب کھجور اپنے چھلکے سے باہر نکل آئے اور فسق کا مفہوم کفر سے عام ہے۔ کیونکہ فسق کا اطلاق چھوٹے اور بڑے سب گناہوں پر ہوتا ہے' اگرچہ بڑے گناہوں پر اس کا اطلاق معروف ہے۔ اور اکثر فاسق کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے' جو احکام شریعت کا التزام اور اقرار کرنے کے بعد سارے یا بعض احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اور حقیقی کافر کو بھی فاسق کہا جاتا ہے: کیونکہ وہ اس حکم کا انکار کرتا ہے' جس کا ماننا عقل لازم کرتی ہے اور فطرت (سلیمہ) تقاضا کرتی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: اور وہ (شیطان) اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا۔

جرجانی فاسق کی تعریف یوں ذکر کرتے ہیں:

الفاسق: من شهد ولم يعمل واعتقد(۴۴)

فاسق وہ ہے جو گواہی تو دے مگر اس کا عقیدہ اور عمل اس کے خلاف ہو۔

فسق کی شناعت کے لئے قرآن مجید کا ایک ہی جملہ کافی ہے:

﴿ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَٰنِ ﴾(۴۵)

(ایمان کے بعد فاسق ہونا برا نام ہے۔)

قرآن مجید میں فسق کا اطلاق درج ذیل معانی میں کیا گیا ہے۔

شریعت کے بتلائے ہوئے قول و فعل میں تبدیلی کرنا:

﴿ فَبَدَّلَ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ قَوْلًا غَيْرَ ٱلَّذِى قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ رِجْزًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ بِمَا كَانُوا۟ يَفْسُقُونَ ﴾(۴۶)

پس ظالموں نے اس قول کو جو ان کو کہا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا، پس ہم نے (ان) ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ (اطاعت کے دائرے سے) نکلے ہوئے تھے۔

حرام اشیاء سے اجتناب نہ کرنا:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى ٱلنُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا۟ بِٱلْأَزْلَٰمِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ﴾(۴۷)

(تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب افعال فسق ہیں۔)

امام نسفی ذلکم فسق کے متعلق فرماتے ہیں:

ويحتمل أن يعود إلى كل محرم في الآية(۴۸)

اور ذلکم میں مذکورہ تمام حرام اشیاء کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ کی کتاب کو حکم نہ بنانا:

﴿ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴾(۴۹)

(اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔)

اور اسی طرح فسق: گناہ، لواطت، پاکدامن عورتوں کو بدنام کرنا، شرک، نفاق، بے اعتمادی وغیرہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»(۵۰)

"جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور اس نے نہ فحش بات کی اور نہ گناہ کا مرتکب ہوا تو اس دن کی طرح (گناہ سے پاک وصاف) ہو گا جس دن سے اس کی ماں نے جنا تھا۔

قَالَ السُّيُوطِيُّ – رَحِمَهُ اللَّهُ – الرَّفَثُ يُطْلَقُ عَلَى الْجِمَاعِ، وَعَلَى التَّعْرِيضِ، وَعَلَى الْفُحْشِ فِي الْقَوْلِ، وَهُوَ الْمُرَادُ هُنَا.... وَقِيلَ الرَّفَثُ فِي الْحَجِّ إِتْيَانُ النِّسَاءِ، وَالْفُسُوقُ السِّبَاب۔وَقَالَ ابْنُ الْمَلَكِ الرَّفَثُ الْفُحْشُ مِنَ الْقَوْلِ، وَكَلَامُ الْجِمَاعِ عِنْدَ النِّسَاءِ وَالْفِسْقُ هُوَ الْخُرُوجُ عَنْ حَدِّ الِاسْتِقَامَةِ يَعْنِي الْعِصْيَانَ۔ (۵۱)

رفث کا اطلاق جماع، کنایۃً جماع کی باتیں، اور بے حیائی کی باتوں پر ہوتا ہے، اور یہاں یہی مراد ہے۔....ایک قول یہ ہے: کہ رفث حج کے درمیان (جماع کی نیت سے) عورت کے پاس آنا ہے اور فسوق گالی گلوچ کو کہتے ہیں۔ابن الملک کے نزدیک: رفث بے حیائی کی باتوں، اور عورتوں کے ساتھ جماع کی باتوں کو کہا جاتا ہے اور فسق استقامت کے دائرے سے نکلنے کو کہتے ہیں یعنی نافرمانی کو"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ» (۵۲)

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

قَالَ الْأَكْمَلُ: الْفُسُوقُ لُغَةً الْخُرُوجُ زِنَةً وَمَعْنًى، وَشَرْعًا هُوَ الْخُرُوجُ عَنِ الطَّاعَةِ (۵۳)

فسوق لغت میں خروج یعنی نکلنے کو کہتے ہیں اور شرعا اللہ کی اطاعت سے نکلنے کا نام ہے۔

آنحضرت ﷺ نے قرب قیامت کے حالات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

«إِذَا اتُّخِذَ الْفَيْءُ دِوَلًا، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّينِ، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَأَدْنَى صَدِيقَهُ، وَأَقْصَى أَبَاهُ، وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَسَادَ الْقَبِيلَةَ فَاسِقُهُمْ، وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَشُرِبَتِ الْخَمْرُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا ; فَارْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَآيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ» (۵۴)

جب مال غنیمت کو ذاتی دولت سمجھا جائے گا امانت مال غنیمت بن جائے گی، زکوٰۃ ٹیکس سمجھا جانے لگے گا، علم کا حصول غیر دین کے لئے ہو گا، انسان اپنی بیوی کا مطیع اور ماں کا نافرمان ہو جائے گا، دوست کے ساتھ وفا اور باپ کے ساتھ بے وفائی کرے گا، مساجد میں آوازیں بلند ہونے لگیں گی، قبیلے کی سرداری فاسقوں کے ہاتھوں میں آجائے گی ،ذلیل شخص قوم کا رہبر بن جائے گا اور کسی شخص کو اس کے شر سے ڈرتے ہوئے قابل تعظیم سمجھا جائے گا، گانے والی لڑکیاں اور گانے بجانے کا سامان رواج پکڑ جائیں، شراب پی جائے گی اور امت کے آخری لوگ گزرے ہوؤں پر لعن طعن کریں گے تو پھر وہ لوگ سرخ آندھی، زلزے، خسف، چہرے کے بدلنے اور آسمان سے پتھر برسنے کے عذابوں کا انتظار کریں اس وقت نشانیاں اس طرح ظاہر ہوں گی جیسے کسی پرانی لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور پے در پے گرنے لگیں۔

فسق انسانی فکر و نظر کے بگاڑ کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں وہ افراط و تفریط کا شکار ہو کر کبھی أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى (۵۵) کا نعرہ لگاتا ہے اور کبھی خود کو انسانیت سے بھی گرا کر اپنی ہی جیسی مخلوق کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس ذہنی کیفیت کا نقشہ سورۃ الاعراف میں أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (۵۶) کی صورت میں کھینچا ہے۔ انسانی حقوق کے نام پر فسق و فجور اور محرمات کا ارتکاب یقیناً بے امنی کا باعث بنتا ہے، امن کا نہیں۔

۶۔ فُرقہ (افتراق)

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرق اور فلق قریب المعنیٰ ہیں ،لیکن انشقاق یعنی پھٹ جانے کے اعتبار سے فلق بولتے ہیں اور انفصال یعنی جدا اور الگ ہونے کے اعتبار سے فرق کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ﴾ (۵۷) (جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو جدا کر دیا۔)

فرق (فاء کے زیر کے ساتھ) الگ ہونے والے ٹکڑے کو کہتے ہیں اور اسی سے لوگوں کی علیحدہ جماعت کو فرقہ کہتے ہیں۔ (قریب المعنیٰ ہونے کی وجہ سے) فرق الصبح اور فلق الصبح دونوں کہتے ہیں، اور قرآن مجید نے بھی دونوں کو ایک ہی آیت میں ذکر کیا ہے:

﴿ فَٱنفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَٱلطَّوْدِ ٱلْعَظِيمِ ﴾ (۵۸)

(پس دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کی مانند تھا)۔

اور 'فریق' دوسروں سے الگ جماعت کو کہتے ہیں۔ فرقت بین الشیئین کہتے ہیں کہ میں نے دونوں چیزوں کو جدا کر دیا' خواہ وہ جدائی بظاہر نظر آتی ہو' یا اس کا تعلق بصیرت (بظاہر نظر نہ آنے) سے ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱلْفَرِقَتِ فَرْقًا ﴾ (۵۹) (پھر (ان کو) پھاڑ کر جدا کرتی ہیں۔)

یہاں فارقات سے وہ فرشتے مراد ہیں' جو مطابق حکم الٰہی اشیاء (حق اور باطل کے درمیان یا بادلوں) کو جدا کرتے ہیں۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو "فاروق" بھی اسی وجہ سے کہتے ہیں، کہ وہ حق اور باطل کے مابین جدائی کرنے والے تھے۔ (اور چیز جب علیحدہ ہو جائے تو واضح ہو جاتی ہے' اسی مناسبت سے مجازاً) قُرْءَانًا فَرَقْنَاهُ (۶۰) کا مطلب ہے: اور ہم نے قرآن میں احکام کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ فرق (فاء اور راء دونوں کے زبر کے ساتھ) کے معنی خوف کی وجہ سے دل کے پراگندہ ہونے کے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴾ (۶۱)

وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہی میں سے ہیں، حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں۔ اصل میں تو وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے خوف زدہ ہیں۔

ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۶۰۶ھ) نے فرق کے مختلف معانی ذکر کئے ہیں: فرق (راء کی حرکت کے ساتھ) اس برتن کو کہتے ہیں' جس میں سولہ رطل یا تین صاع پانی آتا ہے۔ فرق کبھی گھبراہٹ اور خوف اور کبھی ظاہر اور نمایاں ہونے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ بعض کے نزدیک تفرق اور افتراق ایک ہی چیز ہے' لیکن بعض نے بایں فرق کیا ہے: کہ تفرق ابدان میں جدائی اور افتراق کلام میں جدائی کے لئے آتا ہے۔ فریقۃ اس چھوٹے ریوڑ کو کہا جاتا ہے' جو بڑے ریوڑ سے علیحدہ ہو جائے اور فریقۃ دودھ میں پکائی ہوئی کھجور کو بھی کہتے ہیں۔ افرق المریض اس وقت کہتے ہیں: جب مریض کو افاقہ ہو جائے۔ (۶۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کے مطابق فتنے رونما ہوں گے' انہی فتنوں میں سے ایک عظیم فتنہ جس سے آج امت محمد یہ دوچار ہے' وہ فتنہ افتراق واختلاف ہے۔ اور یہی وہ بنیادی چیز ہے' جس سے قرآن مجید نے ہمیں بار بار منع کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُواْ ﴾ (۶۳)

(اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھامنا اور فرقہ واریت سے بچنا۔)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بِحَبْلِ ٱللَّهِ کا ایک مطلب مؤمنوں کی جماعت کا کیا ہے کہ اس کو مضبوطی سے تھامو۔ ﴿ وَلَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَٱخْتَلَفُواْ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ ﴾ (۶۴)

(کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے) میں اہل کتاب کی اس روش کو اپنانے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔ آج وہ فروعی اختلافات جس کو علماء اور فقہاء بنا بر بعض روایات اپنی کتابوں میں امت کے لئے رحمت بتاتے چلے آئے ہیں، امت نے تفرقہ اور جنگ وجدال کا سبب بنا کر اسے زحمت بنا دیا ہے۔ ہر ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد، خانقاہ، مدرسہ بنا کر ﴿ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾ (۶۵) کا مصداق بنا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ تو وہ امت تھی جس کو قرآن مجید نے ﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (۶۶)، ﴿ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (۶۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدن سے تعبیر کیا ہے کہ اگر اس کا ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا بدن بے آرام ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جس فعل سے بھی مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کو اگر کوئی زک پہنچتی تھی' اسلام نے اس کا دروازہ بند کر دیا۔ جیسے: غیبت، تہمت وغیرہ۔ اگر شریعت کے فلسفے کا بغور مطالعہ کیا جائے' تو مسلمانوں کے اتفاق واتحاد کے لئے شریعت نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا: باجماعت نمازیں، منی، مزدلفہ، عرفات ایک ہی لباس زیبِ تن کئے ہوئے' میدان جہاد میں بجائے دو جماعتوں کے ایک امام کے پیچھے اقتداء کرنا' ایک دوسرے کے ساتھ احسان کی ترغیب' مالداروں کا غریبوں کو زکوۃ وصدقات دینا' ایک دوسرے کو سلام میں پہل کرنا' تیمارداری الغرض شریعت میں اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ پر آج امت نے نماز جیسی عبادت کو یگانگت اور وحدت کی بجائے دیوبندی بریلوی' مقلد غیر مقلد' حنفی شافعی کے اختلافات کی بھینٹ چڑھا کر فرقہ واریت کا سب سے بڑا ذریعہ بنا دیا ہے۔ دیگر عبادات ومعاملات کو اسی پر قیاس کیا جائے۔

قرآن کریم کی روشنی میں فرقہ بندی کی مذمت:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِى مُسْتَقِيمًا فَٱتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلسُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِۦ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّىٰكُم بِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾(٦٨)

(اور بیشک یہی میرا سیدھا راستہ ہے سو اسی کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گے تمہیں اسی کا حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔)

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ فَرَّقُوا۟ دِينَهُمْ وَكَانُوا۟ شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِى شَىْءٍ ۚ إِنَّمَآ أَمْرُهُمْ إِلَى ٱللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ﴾(٦٩)

(جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی جماعتیں بن گئے تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں اس کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہی انہیں بتلائے گا جو کچھ وہ کرتے تھے)

﴿وَلَا تَكُونُوا۟ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ ٱلَّذِينَ فَرَّقُوا۟ دِينَهُمْ وَكَانُوا۟ شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾(٧٠)

(اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ، جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی فرقے ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے خوش ہے۔)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ ﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ۖ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾(٧١) کی تفسیر میں اسے مجمع علیہا مسئلہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وَصَّى اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، بِالِائْتِلَافِ وَالْجَمَاعَةِ، وَنَهَاهُمْ عَنِ الِافْتِرَاقِ وَالِاخْتِلَافِ(٧٢) (تمام پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے اتحاد اور جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے اور انہیں افتراق اور اختلاف کرنے سے منع کیا ہے۔)

احادیث نبویہ کی روشنی میں فرقہ بندی کی مذمت:

«عَلَيْكُمْ بِالجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ ، مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الجَنَّةِ فَلْيَلْزَمُ الجَمَاعَةَ»(٧٣)

جماعت کو لازم پکڑو اور علیحدگی سے بچو کیونکہ شیطان ایک (اکیلے) کے ساتھ جبکہ دو آدمیوں سے دور ہوتا ہے جو شخص جنت کا وسط چاہتا ہے اس کے لئے جماعت سے وابستگی لازمی ہے۔

لزوم جماعت پر احادیث 'مؤمنوں کی جماعت سے نکلنے پر وعیدات' ان کے اتحاد میں دراڑ ڈالنے والے کو قتل کرنا اور مسلمانوں کے خلیفہ اور امام کے خلاف خروج اور بغاوت کی مذمت پر روایات ان گنت ہیں۔ اسلام جس جاہلیت کو مٹانے آیا تھا اور جس بدبو کو معاشرے سے پرے پھینکنے آیا تھا' افسوس کہ آج سب سے زیادہ مسلمان ہی اس کا شکار ہیں' آج ایک دوسرے کے خلاف کیا کیا نعرہ بازی نہیں کی جاتی اور اسی چیز نے امت مسلمہ کی بنیادیں کھوکھلی کر دی ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک جنگ میں تھے اور سفیان نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ ہم ایک لشکر میں تھے تو مہاجرین میں سے ایک نے ایک انصاری کو مارا، انصاری نے پکار کر کہا کہ اے جماعت انصار! اور مہاجر نے پکار کر کہا کہ اے جماعت مہاجرین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا، تو فرمایا: یہ جاہلیت کی پکار کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو مارا، تو آنحضرت نے اسی چیز کی بیخ کنی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ» [۷۴] (جاہلیت کی اس پکار کو چھوڑو، یہ بدبودار کلمہ ہے۔)

۷۔ فساد

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فساد کسی چیز کا حد اعتدال سے نکلنے کو کہتے ہیں' خواہ وہ نکلنا کم ہو یا زیادہ۔ اور اس کا متضاد 'صلاح' ہے۔ اور اس کا استعمال ہر اس نفس' بدن اور شئ پر ہوتا ہے' جو حد استقامت سے نکل چکا ہو۔

مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں: فسد بروزن نصر (عین کے فتح) اور کرم (عین کے ضمہ) آتا ہے۔ فسد یفسد فسادا وفسودا فهو فاسد وفسيد۔ اور (باب انفعال سے) انفسد نہیں سنا گیا۔ فساد کہتے ہیں: کسی کا مال زیادتی اور ظلم سے لینا' قحط۔ 'مفسدہ' کا متضاد 'مصلحت' ہے۔ اور تفاسد و کے معنی ہیں: انہوں نے صلہ رحمی قطع کی۔ [۷۵]

قرآن مجید نے خشکی اور تری میں فساد کا سبب انسانوں کے اعمال بتائے ہیں:

﴿ ظَهَرَ ٱلْفَسَادُ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِى ٱلنَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ ٱلَّذِى عَمِلُوا۟ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ (۷۶)

(خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔)

حدیث میں بھی اعمال کے فاسد ہونے کی بنیادی وجہ ایک لوتھڑے کا فاسد ہونا ہے، جس کو قلب (دل) کہتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ» (۷۷)

گاہ رہو جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ سنور گیا تو سارا بدن سنور گیا اور جب وہ بگڑ گیا تو سارا ہی بدن بگڑ گیا آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔

آج دل بگڑ چکے ہیں، اور اسی بگاڑ نے مسلم معاشرہ کی ہر چیز کو بگاڑ دیا ہے۔ دیگر اقوام میں اور مسلمانوں میں ماحول کو صاف رکھنے کا ایک آسان سا موازنہ کیا جائے، تو فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہو گا، حالانکہ ہم میں سے ہر کوئی صفائی نصف ایمان کا راگ دن رات میں سینکڑوں بار الاپتا رہتا ہے۔ عقیدہ اور عمل میں بگاڑ، اخلاق کی بے اعتدالی، معاملات میں بے اعتدالی الغرض آج کے مسلمانوں کی سوسائٹی فساد اور بگاڑ کا ایک نمونہ بن چکی ہے اور یہ گویا کہ ان کے خمیر کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ حالانکہ اگر شریعت کی روح کو دیکھا جائے تو دین اسلام نے وہ سارے دروازے مسدود کر دئے ہیں، جس سے معاشرے میں انفرادی یا اجتماعی بگاڑ کا اندیشہ ہو۔ حدود و تعزیرات کے ذریعے جرائم کی روک تھام، بے حیائی کی روک تھام کے لئے زنا کے اسباب پر قدغن، مرد وزن کے بے لگام اختلاط کی ممانعت، قانون میراث کے ذریعے ہر حق دار کو اس کا حق دینا، معاملات میں معمولی شبہ کی بنا پر بیع پر باطل اور فسخ کے احکام اور اس قسم کی بیسیوں مثالیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلام نے ایک صالح معاشرے کے قیام کے لئے زندگی کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔

قرآن کریم کی روشنی میں مذمت فساد:

ارتکاب شرک فساد عالم کا سبب ہے:

﴿ لَوۡ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا ٱللَّهُ لَفَسَدَتَاۚ فَسُبۡحَٰنَ ٱللَّهِ رَبِّ ٱلۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴾[۷۸]

(اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین اور آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ پس پاک ہے اللہ رب العرش ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔)

جبکہ حق یا اہل حق کا لوگوں کی خواہشات پر چلنا عالم کے بگاڑ کا سبب ہے:

﴿ وَلَوِ ٱتَّبَعَ ٱلۡحَقُّ أَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلۡأَرۡضُ وَمَن فِيهِنَّۚ بَلۡ أَتَيۡنَٰهُم بِذِكۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَن ذِكۡرِهِم مُّعۡرِضُونَ ﴾[۷۹]

(اور حق اگر کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا نہیں، بلکہ ہم ان کا اپنا ہی ذکر ان کے پاس لائے ہیں اور وہ اپنے ذکر سے منہ موڑ رہے ہیں۔)

ہر زمانے میں علم جہاد فی سبیل اللہ بلند کرنا دنیا کو فساد سے بچانا ہے:

﴿ فَهَزَمُوهُم بِإِذۡنِ ٱللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُۥدُ جَالُوتَ وَءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ٱلۡمُلۡكَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَهُۥ مِمَّا يَشَآءُۗ وَلَوۡلَا دَفۡعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعۡضَهُم بِبَعۡضٖ لَّفَسَدَتِ ٱلۡأَرۡضُ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ ذُو فَضۡلٍ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴾[۸۰]

(آخر کار اللہ کے اذن سے انھوں نے کافروں کو مار بھگایا اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا، اس کو علم دیا اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا، تو زمین کا نظام بگڑ جاتا، لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔)

اصلاح وفساد کی وہی تعریف درست ہو گی جس کو قرآن وسنت نے اصلاح و فساد قرار دیا ہے، وگرنہ بہت سے دعویدار جو زبان سے اصلاح کا دعوی کرتے ہیں، حالانکہ درحقیقت وہی فسادی ہیں:

مذمت فساد احادیث نبویہ کی روشنی میں:

«إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَيَرْجِعُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي» (۸۱)

بے شک دین کی ابتداء بھی اجنبیت سے ہوئی اور وہ اجنبیت کی طرف دوبارہ لوٹے گا۔ پس غریبوں کے لئے خوشخبری ہے جو اس چیز کو صحیح کرتے ہیں جسے لوگوں نے میری سنت میں سے میرے بعد بگاڑ دیا۔

خلاصہ بحث

عصر حاضر میں امن کی اصطلاح 'جنگ' کے مقابلہ میں زیادہ استعمال ہوتی ہے اور جنگ کو 'عدم امن' ہی نہیں بلکہ 'مغائرِ امن' سمجھا جاتا ہے یعنی مشروع جنگ [جہاد فی سبیل اللہ] اور سزا [حدود] کے ذریعے امن کا حصول بعض دانشوروں کے مطابق ایک نامعقول تصور ہے جبکہ عملی دنیا میں آج کل اس کی دوسری انتہا 'امن کا قیام بذریعہ جنگ' دنیا کی تمام بڑی طاقتوں کا گویا نعرہ بن چکا ہے اور جسے بین الاقوامی ادارۂ امن یعنی اقوام متحدہ کی سرپرستی بھی حاصل ہے۔ ان دو انتہاؤں کے درمیان قرآن و سنت کا تصور امن بڑا متوازن اور مبنی بر عدل ہے جو امن کو ایمان و علم و عمل اور اخلاص کے ساتھ مشروط کرتے ہیں، اور حقیقی امن و امان کے قیام کی خاطر جنگ کی مشروط اجازت دیتے ہیں البتہ حتی الامکان جنگ سے گریز اور صلح کی راہ کو پسند کرتے ہیں۔

اسلامی تصور امن گویا کہ عدم خوف کی حالت اور تحفظ جان و مال و عزت و آبرو کی ضمانت دیتا ہے جبکہ عصری تصور امن دشمن کو جڑ سے اکھاڑنے کے فلسفے پر عمل پیرا ہے جو ناممکن اور ایک موہوم خیال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدال و فساد آئے دن بڑھتا جا رہا ہے اور خون ریزی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ تمام فتنوں سے بچاؤ کا حل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی عظمت قرآن والی حدیث اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں یوں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھاما جائے۔ تقویٰ اختیار کر کے وحدت امت کو توڑنے کی کوشش نہ کی جائے اور سنت رسول و سنت خلفاء راشدین کو مضبوطی سے پکڑ کر محدثات امور سے بچا جائے۔ ان شاء اللہ حقیقی امن نصیب ہو جائے گا۔

حواشی وحوالہ جات

۱) سورۃ النحل:۹۳

۲) سورۃ ہود:۱۱۸

۳) سورۃ المائدہ:۲۷۔۳۱

۴) سورۃ الانعام:۸۲

۵) ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر،، بیروت، ص:۱/۳۱۷

۶) سورۃ الذاریات:۱۳

۷) أحمد بن فارس بن زکریاء القزوینی الرازی، معجم مقاییس اللغۃ، دار الفکر، ص :۴/۴۷۲

۸) ابن الاثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث بیروت، ۱۹۷۹، ص:۳/۴۱۰

۹) لسان العرب، ص:۱/۳۱۷

۱۰) سورۃ العنکبوت:۲

۱۱) سورۃ المائدۃ:۴۹

۱۲) سورۃ النحل:۱۱۰

۱۳) سورۃ الانفال:۱۹۳

۱۴) سورۃ الحدید:۱۴

۱۵) سورۃ الانفال:۳۷

۱۶) سورۃ المائدۃ:۴۲

۱۷) سورۃ النساء:۱۰۱

۱۸) سورۃ التوبۃ:۴۷

۱۹) سورۃ القلم:۶

۲۰) سورۃ البروج:۱۰

۲۱) سورۃ الانفال:۱۵۵

۲۲) ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۹۸، ص: ۳/ ۱۷۰،

۲۳) معجم مقاییس اللغۃ، ص:۴/۴۷۳

۲۴) راغب اصفہانی، مفردات القرآن، دار المعرفۃ، ۲۰۰۸

۲۵) سورۃ آل عمران:۷

۲۶) ابو داود سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت، ص:۳/ ۳۲۱

۲۷) محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، المحقق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاۃ (مصورۃ عن السلطانیۃ باضافۃ ترقیم محمد فؤاد عبد الباقی) الطبعۃ: الاولی، ۱۴۲۲ھ، ص: ۱ / ۳۱

۲۸) معجم مقاییس اللغۃ، ص:۴/ ۴۷۵

۲۹) اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، دار القلم، الدار الشامیۃ، دمشق، بیروت، ص:۱/ ۶۲۵

۳۰) الجرجانی، علی بن محمد بن علی، کتاب التعریفات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان الطبعۃ: الاولی ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳م، ص:۱/ ۱۶۵

۳۱) سورۃ ص:۲۸

۳۲) سورۃ الانفطار:۱۳۔۱۴

۳۳) سورۃ عبس:۳۸-۴۲

۳۴) ابو الحسن الماوردی، النکت والعیون، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص:۶/ ۲۱۰

۳۵) محمد بن اسماعیل ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، بیروت، ص:۸/ ۲۳۷

۳۶) مسلم بن الحجاج القشیری، المحقق: محمد فؤاد عبد الباقی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ص:۴/ ۲۰۱۳، رقم:۲۶۰۷

۳۷) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح: باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم، بیروت، ۲۰۰۲

۳۸) ایضا

۳۹) لسان العرب، ص:۵/ ۴۸

۴۰) سورۃ لقمان:۱۸

۴۱) أبو عبد اللہ أحمد بن محمد بن حنبل، مسند الامام أحمد بن حنبل المحقق: شعیب الارنؤوط، عادل مرشد، وآخرون: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۱م، ص:۷/ ۶۰، رقم:۳۹۴۷

۴۲) معجم مقاییس اللغۃ، ص:۴/ ۵۰۲

۴۳) المفردات فی غریب القرآن، ص: ۶۳۶

۴۴) کتاب التعریفات، ص:۱/۱۶۴

۴۵) سورۃ الحجرات: ۱۱

۴۶) سورۃ البقرۃ: ۵۸۔۵۹

۴۷) سورۃ المائدۃ: ۳

۴۸) النسفي، أبو البرکات عبد اللہ بن أحمد بن محمود حافظ الدین، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، دار الکلم الطیب، بیروت، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۸م، ص:۱/۴۲۶

۴۹) سورۃ المائدۃ:۴۷

۵۰) صحیح بخاری، ص:۲/۱۳۳ر قم،۱۵۲۱

۵۱) ملا القاري، علی بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدین، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح الناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۲ر قم،۲۵۰۷

۵۲) صحیح بخاری، ص:۱ /۱۹

۵۳) سورۃ الشعراء:۶۳

۵۴) سنن الترمذی، محمد بن عیسٰی، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی ، مصر، رقم،۲۲۱۱

۵۵) سورۃ النازعات:۲۴

۵۶) سورۃ الاعراف:۱۷۹

۵۷) سورۃ البقرہ:۵۰

۵۸) سورۃ الشعراء:۵۹

۵۹) سورۃ المرسلات:۴

۶۰) سورۃ الاسراء:۱۰۶

۶۱) سورۃ التوبۃ:۶۲

۶۲) ابن الاثیر الجزری، النھایۃ في غریب الحدیث والاثر، تحقیق: طاھر أحمد الزاوی- محمود محمد الطناحی المکتبۃ العلمیۃ- بیروت، ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹م، ص:۳/۴۳۷

۶۳) سورۃ آل عمران:۱۰۳

۶۴) سورۃ آل عمران:۱۰۵

٦٥) سورۃ الروم:٣٢

٦٦) سورۃ الحجرات:١٠

٦٧) سورۃ الحجرات:١٢٩

٦٨) سورۃ الانعام:١٥٣

٦٩) سورۃ الانعام:١٥٩

٧٠) سورۃ الروم:٣٢

٧١) سورۃ الشوری:١٣

٧٢) أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي، تفسير القرآن العظيم، المحقق: سامي بن محمد سلامة، دار طيبة للنشر والتوزيع، الطبعة: الثانية ١٤٢٠ه، ١٩٩٩، ص:٧/ ١٩٥

٧٣) سنن الترمذي، محمد بن عيسى، تحقيق وتعليق: أحمد محمد شاكر، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، الطبعة: الثانية، ١٣٩٥ ه، ١٩٧٥ر قم:٢١٦٥

٧٤) أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري، المصنف، المحقق: حبيب الرحمن الاعظمي، المكتب الاسلامي، بيروت، الطبعة: الثانية، ١٤٠٣ر قم:١٨٠٤١

٧٥) الفيروزآبادی، ابو طاهر محمد بن يعقوب، القاموس المحيط، تحقيق: مكتب تحقيق التراث في مؤسسة الرسالة، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، الطبعة: الثامنة، ١٤٢٦ - ٢٠٠٥م، ص:١/ ٣٠٦

٧٦) سورۃ الروم:٤١

٧٧) صحیح بخاری، ص:١/ ٢٠

٧٨) سورۃ الانبیاء:٣٢

٧٩) سورۃ المؤمنون:٧١

٨٠) سورۃ البقرۃ:٢٥١

٨١) سنن الترمذی، رقم، ٢٦٣٠

****

امن کے حوالے سے اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا جائزہ

An Overview of the Objections against Islām with Regard to Peace

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر*

ABSTRACT

In the present age, a great conflict has become the source of clash between Islām and the rest of the world, especially, the western world. The world of Islām is accused of having and breeding the fanatical elements, who help promote terrorism in the world. The Western world and the media leave no opportunity to malign the name of the most peaceful religion of the world.

This article illumines that Islām is a peace loving religion and does not approve terrorism. Those elements, involved in disrupting peace are not the true representative of Islām. They make a very minor portion of the Islamic world.The majority of Muslims are peace loving people and they need to be given a due coverage by the media.

This research article is an attempt to present a very soft, peaceful and noble image of Islām before the world, especially, the western world. The two main sources of Islām: al-Qur'ān and the sayings of the Prophet of Islām, the prophet Muḥammadﷺ, have been quoted extensively, to prove that the religion and the meanings of the world, 'Islām', all reflect peace, fraternity, friendship and altruism. The Western scholars have also been quoted appropriately to support the said premise.

Keywords: *Peace; Islām; Terrorsim; Media; the West*

* چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا

عصر حاضر میں دہشت گردی اور اسلام دو ایسے لفظ ہیں جن کا آپس میں دور کا بھی کوئی تعلق نہ ہونے کے باوجود مغربی میڈیا کی کاوشوں اور مہربانیوں سے باہم جڑے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ میڈیا بڑی شدت سے عکاسی کرنے میں لگا ہوا ہے کہ اسلام اور دہشت گردی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دہشت گردی کا جو مفہوم عالمی بالخصوص مغربی میڈیا نے عوامی سطح پر عام کیا ہے وہ سراسر غلط اور تعصب پر مبنی ہے۔

اسلام مخالف طبقات کی تخریبی ریشہ دوانیاں، معاندانہ اقدامات اور معاشی، اقتصادی، جنگی، ابلاغیاتی، تعلیمی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی استحصال (Exploitation) یہ ایسے اسباب و پس منظر ہیں جس کی بناء پر اسلام صحیح معنوں میں مجروح ہوا ان تمام تر معاندانہ، مخالفانہ اور دشمنانہ سازشوں اور کاروائیوں کے پس پردہ جو جذبہ کار فرما ہے وہ ہے اسلام دشمنی اور تقابلی عصبیت افسوس کی بات یہ ہے کہ اس عصبیت اور دشمنی کے مظاہرہ میں اسلام دشمن اقوام ان تمام حدود کو پھلانگ گئی ہیں۔ اسلام، جو کہ فی نفسہ سراسر امن و سلامتی کا داعی ہے، میں دہشت گردی انتہاپسندی اور ناجائز سخت گیری کا کوئی جواز ہی نہیں ملتا اور نہ اس کے کسی مذہبی حکم سے انسانیت مخالف عناصر کی حمایت ہوتی ہے بلکہ اسلام کے ہر شعبے میں نرم خوئی، امن و سلامتی، انسانیت پسندی اور حقوق کی رعایت وحفاظت کا ایک طویل ترین باب ملتا ہے حقوق العباد کے عنوان سے اسلام کا شرعی کلیہ بھی موجود ہے جس کا توسیعی مظہر امن وسلامتی، رحمت و رأفت اوراحترام انسانیت ہی سے ماخوذ ہوتا ہے اوراسی بنیاد پر اسے دین رحمت بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام پر دہشت گردی کے الزام کا جائزہ لینے سے قبل اسلام اور امن کے باہمی تعلق کو واضح کرنا ضروری ہے۔

اسلام جس کا مصدر س ل م (سلِم) ہے، کی تعریف علامہ ابن منظور الافریقی شہرہ آفاق لغت "لسان العرب" میں یوں کرتے ہیں

" سلم: السلامة والسلامة: البراءة و قال الاعرابی السلامة العافية ۔ ۔ وقال ابوالهيثم السلام والتحية معناهما واحد، و معناهماالسلامة من جميع الآفات والسلام والستسلام الانقياد"(۱)

"سلم سے السلام اور السلامة ہے جس کا معنی بری ہونا ہے۔ ابن اعرابی کہتے ہیں کہ السلامة کا معنی عافیت ہے ابو الہیثم کا کہنا ہے کہ اسلام اور تحیة ہم معنی ہیں اور السلام کا معنی تمام آفتوں سے مامون رہنا ہے اسلام اور استسلام کا معنی اللہ تعالی کے احکامات کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے"۔

یعنی لفظ اسلام امن و سلامتی اور عافیت و آشتی کا آئینہ دار ہے، جس کا اقرار معروف برطانوی مصنفہ کیرن آرم سٹرانگ یوں کرتی ہیں:

The word 'Islām' comes from the same Arabic root as the word peace.[2]

"لفظ اسلام عربی کے مصدر سلم بمعنی امن سے ماخوذ ہے"

فیروز اللغات کے مطابق "امن میں چین، اطمینان، سکون، آرام کے علاوہ صلح و آشتی اور پناہ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔"[۳]

حدیث نبوی میں اسلام کے پیروکار مسلمان کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ:

« الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. » [۴]

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے لوگ امن میں ہیں۔

نیز قرآن مجید میں اللہ کے جو صفاتی نام ہیں ان میں بھی ایک نام السلام (الحشر: ۲۳) ہے اور اسی کی تائید حدیث میں ہے: ان الله هو السلام (یعنی اللہ خود سلامتی ہے)۔ اسی طرح اللہ کی ہدایت کو قرآن میں سبل السلام [۵] کہا گیا ہے یعنی امن کے راستے۔ اور خود یہ کتاب ہدایت "سلامتی والی رات"[۶] میں نازل ہوئی ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سلامتی والی رات میں آنے والی، سلامتی دینے والی کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت و سلامتی کی یہ کتاب ہر گز ہر گز خونریزی اور جبر کی تعلیم نہیں دے سکتی۔ کیوں کہ اس عارضی دنیا میں امن و سلامتی کی تربیت اس لیے دی جارہی ہے کہ آخرت میں انسان کے قیام کی معیاری جگہ جنت ہے اور قرآن میں جنت کو دارالسلام [۷] کہا گیا ہے یعنی امن کا گھر۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اہل جنت کا قول ایک دوسرے کے لیے سلاماًسلاماً [۸] ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اہل جنت کا اجتماعی کلچر پیس کلچر ہو گا۔

قرآن میں ارشاد ہے: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (۹) یعنی صلح کی روش اپنے نتیجہ کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے۔ فطرت کے قانون کے مطابق اللہ نے مصالحانہ طریق عمل پر وہ کامیابی مقدر کر دی ہے جو اس نے غیر مصالحانہ یا متشددانہ طریق عمل پر مقدر نہیں کی۔ پیغمبر اسلام کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اجتماعی معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنرل پالیسی کو اس طرح بیان کرتی ہیں: «ما خير رسول الله ﷺ بين امرين الااختارا يسرهما» (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کا اختیار کیا)۔

اسلام کی تمام تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی عملی زندگی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ داعی اسلام نے پوری زندگی امن پسندانہ پالیسی کو اپنایا، جیسا کہ مکہ سے ہجرت کے موقع پر مشرکین جنگ پر آمادہ تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ مکہ سے نکل کر مدینہ چلے گئے، معاہدہ حدیبیہ (۶۲۸ء) کے موقع پر پورے معنوں میں جنگی حالات پیدا ہو گئے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی یکطرفہ شرائط پر راضی ہو کر ان سے امن کا معاہدہ کر لیا۔ غزوہ خندق (۶۲۷ء) کے موقع پر مشرکین کی بارہ ہزار فوج مدینہ کی سرحد پر جنگ کا چیلنج کر رہی تھی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی خندق کھود کر اپنے اور دشمنوں کے درمیان کے فاصل (Buffer) قائم کر دیا، وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ ازیں محسن انسانیت، پیغمبر امن و سلامتی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انسانیت کے نام منشور اعظم، جسے اس کی قدامت و اخرویت، کاملیت و عمومیت اور فصاحت و بلاغت کے باعث "حجة الاسلام"، "حجة البلاغ"، "حجة التمام"، "حجة الكمال" اور "حجة الوداع" کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے (۱۰)، کے بارے میں یہ کہنا بجا ہے کہ یہ امن و امان کے لئے انسانیت کا سب سے پہلا منشور انسانی حقوق (Declaration of Human Rights) اور ظلمت کدہ عالم سے انسان دشمنی، بدامنی، ناانصافی، جبر و تشدد اور استحصال و استبداد کے خاتمے پر مبنی فلاحی نظام ہے۔ یہ امن و امان کی معراج اور انسانی حقوق کے تحفظ کا دائمی نشان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں امن کی حیثیت عموم (Rule) کی ہے اور جنگ کی حیثیت صرف استثناء (exception) کی۔ اسلام اور امن و سلامی کے ہم معنی کے باوجود اس پر فساد و دہشت گردی کا اتہام والزام آج کے جدید مغرب کی ذہن رسا پیدا ور نہیں، بلکہ ماضی میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام پر اسی

قسم کے الزامات لگائے جاتے رہے ہیں۔ مشت از خروارے بعض الزامات کا کا جائزہ لیا جاتا ہے جن کی ہی بازگشت آج سنائی دی جاتی ہے۔

اعتراض: پیغمبر اسلام نے جنگ وجبر سے طاقت حاصل کی۔

سر ولیم میور نامی ایک مستشرق ایک جگہ اسلام کی اخلاقیات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ہجرت سے پہلے محمد (ﷺ) بیانگ دہل کہتے تھے کہ مذہب میں کوئی جبر نہیں لیکن جونہی انہوں نے قوت حاصل کی تلوار نکال لی جسے پھر واپس نیام میں نہیں رکھا گیا اور ان کے پیروکار بھی ان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔"(۱۱)

یہودی مستشرق گولڈزیہر پیغمبر رحمت کی مدنی زندگی کے متعلق رقمطراز ہے:

"محمد (ﷺ) نے ایک دم اپنا رخ ان اطراف کی طرف کیا جن کا تعلق دنیا سے تھا۔ چنانچہ وہ دنیا میں تلوار لے کر وارد ہوئے۔ انہوں نے جنگ کا بگل بجایا اور اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے ان کی تلوار سے خون ٹپکنے لگا۔"(۱۲)

منٹگمری واٹ اسلامی جہاد کی روح کو مسخ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"محمد (ﷺ) جب ۶۲۲ء میں مدینہ گئے تو مہاجرین میں سے چند ایک قبائلی ڈاکوں میں مصروف ہو گئے۔ غالباً اس کا مقصد اوروں کو ترغیب دینا تھا تا کہ وہ بھی ان ڈاکوں میں شمولیت اختیار کریں جسے قرآن نے اللہ کے راستے کا جہاد قرار دیا ہے۔"(۱۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے صرف اور صرف قیام امن کے لیے ناگزیر حالات میں تلوار اٹھائی اور اسی حد تک جنگی اقدامات کیے جن کی اشد ضرورت تھی، کیونکہ قیام امن کے لیے بعض دفعہ جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔ جنگ کی ضرورت اور اس کے ناگزیر ہونے کی بابت ایک غیر مسلم لکھتا ہے:

"War is a constituent element of the history of mankind."[14]

"جنگ تاریخ انسانی کا عنصر ترکیبی ہے۔"

اس طرح جنگ عظیم اول کے جرنیل فریڈرک وان برن ہارڈی کا کہنا ہے:

"جنگ ایک حیاتیاتی ضرورت ہے اور اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ عناصر فطرت میں تنازع للبقاء۔ یہ تنازع للبقاء حیاتیاتی طور پر عناصر کو ٹھیک ٹھیک ان کے موزوں مقام پر رکھتا ہے اور عناصر کے مقام کی موزونیت خود عناصر کی طبعی حالت پر منحصر ہے۔"(۱۵)

معاشرتی اصلاح کے لیے جن فسادی عناصر کا قلع قمع ضروری ہے اس کے لیے جنگ امر لازمہ ہے اسلام میں بھی اسی لیے تلوار اٹھائی گئی تھی، جسے آج میڈیا کے زور سے ایک عیب اور طعنہ بنا دیا گیا ہے۔ اسلام میں جنگ کی نوعیت کیا ہے؟ اس کے بارے کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:

"اسلام ایسی جارحانہ جنگ کی اجازت نہیں دیتا، جس میں انسانیت کی تباہی مقصود ہو۔ اسلام نے جنگ کے ناگزیر ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ بعض اوقات جنگ ظلم وتعدی کے سدباب کے لئے فرض عین بن جاتی ہے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ جنگ اپنی حدود میں رہ کر کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو، اخلاقی اور انسانی اقدار کا پاس کیا جائے۔"(۱۶)

اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراضات کے پس پشت ذہنیت کیا ہے، اس کا اظہار خود ایک گھر کے بھیدی کے الفاظ میں یوں کیا گیا ہے۔

"تاریخ کی عظیم ترین شخصیات میں سے مغرب میں محمد (ﷺ) کی سب سے کم پذیرائی ہوئی ہے۔ مغربی مصنفین آپ (ﷺ) کے بارے میں بدترین چیز پر بھی یقین کرنے کو تیار رہتے ہیں اور جہاں کہیں اپنے فعل کی قابل اعتراض توجیہ ممکن دکھائی دیتی ہے، فوراً اسے ایک حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔" (۱۷)

کیرن آرمسٹرانگ اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

"اسلام کو تلوار کے دین کا لیبل لگا کر بدنام کیا گیا۔ ایک ایسا دین، جس نے تشدد اور عدم رواداری کو مقدس بنا کر روحانیت حقیقی کو ترک کر دیا ہو، یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس نے قرون وسطی سے مغربی عیسائی دنیا میں اسلام کو ذلیل کر دیا ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں عیسائی مشرق وسطی میں اپنی جنگوں میں مصروف تھے، جنہیں وہ "مقدس جنگوں" کا نام دیتے تھے۔ آج عام پڑھی جانے والی کتابوں اور ٹیلیویژن پروگراموں میں اسلام کو عموماً "Rage of Islām, Sacred Rage or Holy Terror" کے القاب سے متعارف کرایا جاتا ہے جبکہ یہ حقیقت سے اغماض اور اسے توڑ مروڑ کے پیش کرنا

ہے۔ مغرب میں ہم لوگ محمد (ﷺ) کو آقائے حرب وجنگ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ایسا آقا جس نے دنیا پر اس کے نہ چاہنے کے باوجود اسلام کو بزور شمشیر مسلط کرنے کے لئے اپنی تلوار چمکار کھی ہو۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ محمد (ﷺ) اور شروع دور کے مسلمان اپنی حیات کی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے، انہوں نے دنیا کو ایسا پُرامن نظام عطا کرنا تھا، جس کے حصول میں (مناسب) تشدد ناگزیر تھا، اس لئے اصلاح پر مبنی کوئی بھی سماج اور سیاسی انقلاب خون ریزی کے بغیر برپا نہیں ہو سکتا، چونکہ محمد (ﷺ) افراتفری اور لاقانونیت کے دور میں رہ رہے تھے، لہٰذا امن و آشتی کو بزور شمشیر ہی حاصل کی جا سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ ج ہ د کے مادے میں مقدس جنگ سے زیادہ وسیع معنی ہیں اور یہ اخلاقی، جسمانی، روحانی، اور ہر طرح کی ذہنی جدوجہد کا نام ہے۔ عربی زبان میں حرب، سریہ، معرکہ اور قتال جیسے بہت سے الفاظ مسلح جنگ کے لئے مستعمل ہیں۔ اگر مقصود خونریزی ہوتا تو قرآن ان الفاظ کو بآسانی استعمال کر سکتا تھا۔ جہاد دین اسلام کے پانچ ستونوں میں سے نہیں ہے، جیسا کہ مغرب میں سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ مسلمانوں پر ایک ایسے فریضے کے طور پر عائد کیا گیا ہے کہ وہ کارزار حیات کے تمام محاذوں پر بالکل چوکس رہیں تاکہ ایک منصفانہ فلاحی اور خوشگوار معاشرے کی تشکیل کی جا سکے۔ جس میں بے سہارا اور مفلوک الحال لوگوں کا استحصال نہ ہو سکے۔[۱۸]

جیمز مائیکنر کے مطابق:

"اہل مغرب میں ہمیں عام تاثر ملتا ہے کہ اسلام نے اپنے آپ کو بزور شمشیر منوایا ہے لیکن عہد حاضر کا کوئی بھی سکالر اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور قرآن کو د واضح طور پر آزادی ضمیر کی حمایت کرتا ہے۔ اس بات کی ٹھوس گواہی موجود ہے کہ اسلام نے مختلف مذاہب کے لوگوں کو خوش آمدید کہا۔"[۱۹]

اے ایس ٹریٹن لکھتا ہے:

"مسلمان مجاہدین کو ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھامے ہوئے دکھانے کی تصویر کشی کرنا بالکل غلط اور حقائق کے خلاف ہے"۔[۲۰]

دشمنان اسلام اور مستشرقین کی طرف سے نبی انسانیت کو جسے اس کے بھیجنے والے نے رحمۃ اللعالمین کا تاج بے بہا پہنا کر بھیجا، لوٹ مار، قزاقی اور خونخوار کے الزامات دینا، ان کی کور چشمی اور ضد اور تعصب کی دلیل ہے۔ باطل کے مقابلے میں قوت کا مظاہرہ پیغمبر اسلام ﷺ سے پہلے بھی متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا معمول رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں عیسائی دنیا میں عفو و درگزر، صلح و آشتی اور امن و سلامتی کا پیکر سمجھا جاتا ہے، انہوں نے بھی طاغوتی قوتوں کے سر غرور کو خاک میں ملانے کے لئے اپنے حواریوں کو تلواریں بے نیام کرنے کا حکم دیا تھا:

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔"(۲۱)

اگر عیسیٰ علیہ السلام صرف پونے تین سال تبلیغ کرنے کے بعد تلوار اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور پھر بھی آپ عیسیٰ علیہ السلام کو "پیغمبر امن و صلح" کہا جاتا ہے، تو اگر تیرہ سال کا عرصہ گوناگوں اذیتیں برداشت کرنے کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ قیام امن اور دفع شر کے لیے تلوار اٹھائی، تو ان پر انواع و اقسام کے بہتان و الزامات، چہ معنی دارد؟

اسلام میں جہاد (بمعنی قتال) ایک مقدس فریضہ ہے جو عدل و مساوات، امن وامان کی حکمرانی، ظلم و ستم کی بیخ کنی کے لئے بوقت ضرورت ہتھیار کے استعمال سے عبارت ہے اور اس قدر تشدد سے جو بظاہر تشدد ہے اور درحقیقت امن کا پیام بر، بوقت ضرورت گریز ایک مجرمانہ قدم ہی کہا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نظریہ قتال میں ہی فلسفہ امن مخفی ہے۔ اور اسلام پر تلوار کی تہمت مسخ عمد کی بدترین مثال ہے۔

اعتراض: اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔

اسلام کو بزور شمشیر نہ داعی اسلام ﷺ کے دور میں پھیلایا گیا اور نہ ان کے بعد کسی دور میں یہ مذموم کوشش کی گئی۔ اب دشمنان اسلام اور مستشرقین کا یہ پروپیگنڈہ پرانا ہو چکا ہے کہ اسلام بزور تلوار پھیلا ہے۔ آیا یہ اعتراض درست ہے یا محض حسد پر مبنی ہے؟ اس کی حقیقت کو جب علم کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو پتہ یہ چلتا ہے کہ اسلام میں طاقت کا استعمال صرف ظلم کے خاتمے، امن کے فروغ اور عدل کے قیام کے لئے ہے اور اسلام کا یہ پہلو سیرت النبی ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد کے ادوار سے بخوبی

آشکار ہو جاتا ہے نیز اسلام تو جبر کی نفی کرتا ہے جس کا اظہار قرانی آیات میں ﴿ لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ ﴾، ﴿ أَفَأَنتَ تُكۡرِهُ ٱلنَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُواْ مُؤۡمِنِينَ ﴾، ﴿ فَمَن شَآءَ فَلۡيُؤۡمِن وَمَن شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ ﴾ جیسے اعلانات سے کیا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام اسبق ایک عیسائی تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ لیکن جب اس پر اسلام پیش کرتے، انکار کر دیتا تو آپ رضی اللہ عنہ ﴿ لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ ﴾ کہہ کر چپ کر جاتے۔[۲۲]

عقلی لحاظ سے یہ بات واضح ہے کہ تلوار کے زور سے کوئی بات نہیں منوائی جاسکتی۔ اگر منوا بھی لیا جائے تو قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ مگر جو بھی اسلام میں داخل ہوا، پھر مرتد نہ ہوا۔ اگر تلوار کے ذریعہ بات منوائی جاسکتی، تو قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بات کیوں نہ منوائی۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ:

۱۔ ابتداء میں ایمان لانے والے مسلمان تیرہ سال تک ظلم کی چکی میں پستے رہے، انہیں کونسی تلوار نے مجبور کیا تھا۔

۲۔ مدینہ پہنچ کر بدر کے میدان میں مسلمانوں کے پاس کونسی تلوار تھی؟ چودہ سال میں صرف ۳۱۳ مجاہدین سامنے آتے ہیں، لیکن ایک سال بعد جنگ احد میں یہ تعداد دوگنی ہو جاتی ہے، یہ اضافہ کونسی تلوار نے کیا؟[۲۳]

۳۔ احد میں تلوار دشمنوں کے پاس تعداد میں پانچ گنا زیادہ تھی۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ تلوار والوں میں سے بہت سے تعداد مسلمانوں سے آملتی ہے۔[۲۴]

۴۔ صلح حدیبیہ میں تلوار کا مسئلہ ہی سامنے نہ آیا، لیکن مسلمانوں کی جمعیت میں لاتعداد اضافہ ہو گیا۔[۲۵]

۵۔ فتح مکہ میں لوگوں کو عام معافی مل گئی[۲۶]، تو اسلام لانے پر کونسی تلوار نے مجبور کیا؟

اسلام کی اشاعت کے اسباب

بلاشبہ اسلام نہایت کثرت سے پھیلا؟ مگر اس کے اسباب تلوار نہیں، بلکہ درج ذیل ہیں:

۱۔ معاشرتی مساوات: مصر کے لوگ عہد فاروقی میں کثرت سے مسلمان ہوئے، اگر بزور تلوار ہوتے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مسلمان بنا دیتے؟ اسلام مساوات کا دین ہے۔

''جنوبی بھارت میں اونچی ذات کے ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آکر ۱۳۰۰ نے اسلام قبول کر لیا۔''(۲۷)

۲۔ قانونی مساوات: ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو پیش کر کے اعلان کیا۔ جس نے مجھ سے کوئی بدلہ یا قصاص لینا ہو وہ آج سے لے سکتا ہے۔''(۲۸)

دور فاروقی میں شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رومیوں نے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ شہنشاہ کا دربار اور شان وشوکت دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

''تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو، جس کو تمہاری جان ومال کا اختیار ہے۔ لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے، تو اس کو درے لگائے جائیں گے۔ چوری کرے، تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔ وہ پردے میں نہیں بیٹھتا، اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال ودولت میں آپ کو ترجیح نہیں۔''(۲۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ چوری ہو گئی، یہودی نے چوری کی تھی۔ مگر جب معاملہ عدالت میں گیا، تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے بیٹے اور غلام کے سوا کسی کی گواہی نہ تھی۔ قاضی نے کہا کہ اسلام میں ان دونوں کی گواہی آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول نہیں۔ یہودی اس نظام سے اتنا متاثر ہوا کہ ایمان لے آیا۔ زرہ لوٹا دی۔ اسے کس تلوار نے مجبور کیا تھا؟(۳۰)

۳۔ کردار کی پاکیزگی: دمشق اور حمص میں شکست کے بعد عیسائی انطاکیہ پہنچے اور وہاں جا کر ہرقل شہنشاہ روم سے فریاد کی کہ اہل عرب نے تو تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے چند تجربہ کار آدمیوں کو بلا کر کہا کہ عرب تم سے زور میں جمعیت میں سازوسامان میں الفرض ہر لحاظ سے کم ہیں۔ پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟ سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ ایک تجربہ کار بوڑھے نے کہا: ''عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برابری سے ملتے ہیں۔(۳۱)

۴۔ معاملات کی صفائی: شام کی فتوحات کے سلسلہ میں کچھ جنگی مصلحتوں کے پیش نظر مسلمانوں کے حمص سے واپس جانا پڑا، مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اہلیان حمص سے جزیہ وصول کر چکے تھے، اور ان کی دفاعی حفاظت قبول کر چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے کہا: ہم کو جو تعلق تمہارے ساتھ تھا۔ وہ اب بھی ہے، لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوسکتے۔ اس لیے جزیہ جو خدمت کا معاوضہ ہے، تم کو واپس کیا جاتا ہے"۔ عیسائیوں پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ روتے جاتے اور کہتے کہ اللہ تم کو واپس لائے۔ (۳۲)

۵۔ عفو درگزر: غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر ایک بدو درخت سے لٹکی ہوئی تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "میرا اللہ"۔ یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ تلوار آئی، تو آپ نے اسے معاف کر دیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ (۳۳)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام بزور طاقت ہر گز نہیں پھیلا، بلکہ اپنی عالمگیر صداقت، عقل پر مبنی تصورات اور سچائی پر مبنی دلائل کی بدولت اسلام کو فروغ ملا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف مہاتما گاندھی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> "میں کسی ایسی ہستی کی سوانح کی تلاش میں تھا، جس نے بنی نوع انسان کے کروڑوں دلوں پر غیر متنازعہ مشفقانہ قبضہ کر رکھا ہو اور بالآخر میں اس حقیقت کا قائل ہو گیا کہ یہ تلوار نہیں تھی، جس نے اس زمانے میں کارزار حیات میں اسلام کے لئے جگہ بنائی ہو، بلکہ یہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی انتہائی سادگی، جان نثاری، ایثار، معاہدوں کی پابندی کی ذمہ داری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت، خدا خوفی، بے باکی، اپنے خدا پر مکمل بھروسہ اور اپنے مشن کی صداقت پر یقین جیسی حقیقتیں تھیں۔ انہی تابندہ حقیقتوں نے اپنے سامنے ہر رکاوٹ کو تسخیر کر لیا، نہ کہ تلوار نے۔" (۳۴)

مذکورہ بالا معروضات سے عیاں ہے کہ اسلام میں امن وامان، انسانیت کے احترام اور اس کے حقوق کی حفاظت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ لہٰذا اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنا ایک غیر معقول بات، غیر منصفانہ عمل ہے اور ایک عالمگیر مذہب اور اس کے ماننے والوں کی صریح حق تلفی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) الافریقی، ابن منظور، جمال الدین مکرم بن مکرم، لسان العرب، (دار صادر، بیروت) ذیل مادہ **سلم**

۲) Karen Armstrong , Holy War, Macmillan Limited London 1988, p25

۳) فیروز اللغات، ص:۱۲۲

۴) النسائی، احمد بن شعیب، سنن النسائی، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۰۶ھ، کتاب الایمان، باب صفۃ المؤمن حدیث:۴۹۹۵

۵) سورۃ المائدہ:۱۶

۶) سورۃ القدر:۵

۷) سورۃ یونس:۲۵

۸) سورۃ الواقعہ:۲۶

۹) سورۃ النساء:۱۲۸

۱۰) ٹھٹوی، محمد ہاشم مخدوم، **بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ**، سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، ص۲۷۸

۱۱) William Muir, Mohamed and Islām, London 1895, P.28

۱۲) Goldziher, Introduction to Islamic Theology and Law, Princeton University Press, 1981, P.23

۱۳) Montgomery Watt, Islamic surveys, Edinburgh University Press, 1972, P.56

۱۴) W.J Goats, Armed forces as power, Exposition Press, New York 1966, P.15

۱۵) M.F Ashley Montage, Man in Process, New York Publishing Co. NY 1961, P.76

۱۶) Karen Armstrong , Holy War, Macmillan Limited London 1988, p25

۱۷) Montgomery Watt, Muhammad at Mecca, Oxford, 1953, P.50

۱۸) Karen Armstrong, Muhammad A Biography of the Prophet, US 1992, P.164, 168

۱۹) "Islām- The Misunderstood Religion" by James Michener, "Reader's Digest" (American Edn.) May 1955

۲۰) A.S Thritton, Islām, London 1951, P.21

۲۱) متی ۱۰: ۳۴،۳۵

۲۲) مودودی، ابوالاعلی سید، الجہاد فی الاسلام، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ص ۱۶۳

۲۳) ابن حجر، احمد بن علی، العسقلانی، فتح الباری، دار نشر الکتب الاسلامیہ، پاکستان، طبعہ ندارد، ۱۴۰۱ھ، ج ۷ ص ۲۹۱۔ رزق اللہ احمد، الدکتور، السیرۃ النبویۃ، مرکز الملک الفیصل والدراسات الاسلامیہ، الریاض، الطبعہ الاولی، ۱۴۱۲ھ، ص ۳۸۱

۲۴) رزق اللہ احمد، الدکتور، السیرۃ النبویۃ، مرکز الملک الفیصل والدراسات الاسلامیہ، الریاض، الطبعہ الاولی، ۱۴۱۲ھ، ص ۳۸۱

۲۵) ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، دارالمعرفہ، بیروت) س،ن، ج ۲ ص ۲۷۶

۲۶) بیہقی، احمد بن حسین بن علی، ابو بکر، السنن الکبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعہ الثانیہ، کتاب السیر، باب فتح مکہ حرسھا اللہ تعالی، حدیث: ۱۸۲۷۵

۲۷) نوائے وقت: ۴ جولائی ۱۹۸۱ء

۲۸) الصنعانی، عبدالرزاق بن ہمام، ابو بکر، المکتب الاسلامی، بیروت، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۰۳ھ، ج ۹ ص ۴۶۹، حدیث: ۱۸۰۴۳

۲۹) ابن اعثم، احمد بن محمد بن علی، دار الاضواء، بیروت، الطبعہ الاولی، ۱۴۱۱، ج ۱ ص ۱۴۴

۳۰) علی المتقی الھندی، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط ندارد، ۱۳۹۹ھ، ج ۷ ص ۲۴

۳۱) نعمانی، مولانا شبلی، الفاروق، ص ۱۸۹

۳۲) البلاذری، احمد بن یحیی بن جابر، فتوح البلدان، دارو مکتبۃ الہلال، بیروت، ط ندارد، ۱۹۸۸ء، ج ۱ ص ۱۳۹

۳۳) بخاری، محمد بن اسمعیل، صحیح البخاری، مکتبہ دارالسلام، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۹ء، کتاب المغازی، باب غزوہ ذات الرقاع، حدیث: ۴۱۳۴، ص ۷۰۰۔ فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۸

۳۴) ہفت روزہ، "لائٹ" لاہور، ۱۶ ستمبر ۱۹۲۴ء بحوالہ پیغمبر امن، مرکزی جمیعت اہلحدیث سیالکوٹ، ص: ۲۱۴، ۲۱۵

* *